

تاریخ مسلم لیگ

از

منظہر النصیحہ

بی۔ اے (آنرز)

اُردو کمپنی حویلی اعظم خاں دہلی

منصور حیدر راجہ

مسٹر خان بہن ترقی اُردو جامع مسجد دہلی

INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES

1355

★
McGILL
UNIVERSITY

تجلیات

میں قائد اعظم جناب محمد علی جناح کے پورے حالات زندگی سادہ اور
سلیس مگر بے انتہا دلکش زبان میں بیان کر دئیے گئے ہیں۔ عہد
جائیداد کے اس مجدد سیاست کی زندگی جن میں سیاسی طوفانوں
سے گزری ہے انکی تصویریں اس شان کے کھینچی گئی ہیں کہ کتابکے
اُردو لٹریچر میں بہت بلند پایہ صہل ہو گیا ہے۔ حیات جناح میں آپ
کشتی سیاست کے اس کامیاب ترین ناخدا کو بہت قریب سے دیکھ سکتے ہیں
جناح حصہ کا ابتدائی دور آئندہ نیشنل کانگریس میں شامل ہونا، انکی
قوم پرورانہ زندگی، مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے انکے ہلال شہرت کا
طلوع، ہندو مسلم اتحاد کیلئے سرگرم کوششیں۔ ۱۹۱۶ء کا معاف نامہ
ہندو مسلم فسادات کے دور میں سمجھوتے کیلئے سعی۔ گول میڈ کانفرنس میں مسلمانان
ہند کی قابلہ نمائندگی، مسلم لیگ کے دو درجہ بندی میں سال کے قلیل عرصے میں
مسلمانوں کی حیرت انگیز تنظیم، جناح چھڑنے پر انکے جناح کا ندی گفت و
بیہ جناح صاحب کے تہہ کی شاندار فروغ غرض حیات جناح میں سب کچھ ہے ہر جناح
کے بارے میں جاننے کی آرزو ہو سکتی ہے۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ
لے کا پتہ۔ اُردو کمپنی حویلی اعظمہ خاں۔ دہلی۔

(محبوبہ لطیف دہلی)

تاریخِ مسلم لیگ

از

منظہر الضحاکاری

بی۔ اے (آنرز)

اردو کمپنی حویلی اعظم خاں دہلی

مستطابہ سچین تری اردو جامع مسجد دہلی

5034

۶۱۹۳۰



تعداد ایک ہزار

بار اول

فہرست مضامین

باب	مضمون	صفحہ
باب	غدر کے بعد سے قیامِ مسلم لیگ تک جہالت کا اندھیرا غار۔ بلائے افلاس۔ مسلمانوں کے بُرے احوال کے دو تماشائی۔ مسلمانوں کا پہلا بیدار آدمی۔ مسلمانوں کی طرف سے سرسید کی مخالفت۔ انڈین کونسلز ایکٹ سے جمہوری حکومت کی ابتدا۔ کانگریس کا قیام۔ سرسید احمد خاں اور شرکت کانگریس کی مخالفت۔ جمہوریت میں قومی اقلیت بننے کی ضرورت۔ تعلیمی کانفرنس میں محسن الملک بہادر کی پہلی لکچر۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی۔ مسلمانوں کو اپنے سیاسی وجود کی فکر۔ مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن۔ خود اختیار حکومت کی پہلی قسط ملنے کے آثار اور محسن الملک بہادر کی جدوجہد۔ مسلمانوں کے مطالبات کی یادداشت	۱۷

یادداشت کی اہمیت اور اس کا بنیادی نظریہ۔ انگریزوں کا رویہ۔
ہندوؤں کی روش۔

باب

مسلم لیگ کا قیام

۳۳

محسن الملک بہادر کی تحریک۔ ڈھاکہ کے جلسے میں قیام لیگ۔ قوم
کی طرف سے مسلم لیگ کا پرجوش خیر مقدم۔ قیام لیگ کے زمانے
میں ہندوستان کی سیاسی حالت کا خاکہ۔ کانگریس پلیٹ فارم
کی حالت۔ وفاداری برطانیہ کا دور۔ ہندو مسلمانوں کی نا اتفاقی
تقسیم بنگال۔ بنگالی ہندوؤں کا ایچی ٹیشن۔ مسلمانوں کی غیر جانبداری
ہندو مسلمانوں سے متفرق۔ مسلم لیگ اور ہندو۔ مسلم لیگ کا پہلا
سالانہ اجلاس کراچی ۱۹۰۶ء۔ سر آدم جی کا خطبہ صدارت۔
لیگ کا خاص اجلاس علی گڑھ ۱۹۰۸ء۔

باب

مسلم لیگ کا پہلا کارنامہ

۴۳

جنگ جاپان و روس کے اثرات۔ ہندوستان میں انقلاب کی
فضا۔ مسلمان ہوشیار۔ حکومت کے تفکرات۔ منٹو مارلے اصطلاحات
کے لئے شاہی تحقیقاتی کمیشن ۱۹۰۸ء۔ وزیر ہند لارڈ مارلے

کا مراسلہ۔ مسلمانوں کے لئے مخلوط طریقہ انتخاب۔ مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس امرتسر ۱۹۰۶ء۔ سرکاری مراسلے پر سر علی امام کی تقریر۔ مولانا محمد علی کی زبردست تقریر۔ اس اجلاس کی دوسری تجویزیں۔ لیگ کے تیسرے اجلاس کی اہمیت۔ لیگ کا وفد لندن انڈین کونسلز ایکٹ اور مسلمانوں پر اس کا اثر مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنے گئے۔

۵۹

باب مسلم لیگ کا نیا میدان عمل

ہندو مسلم اتحاد کی کوشش۔ ۱۹۱۰ء کے آغاز میں ہندوستان کی حالت۔ لیگ کا تیسرا اجلاس دہلی ۱۹۱۰ء۔ سر آغا خاں ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر۔ دی رائٹ آنریبل سید امیر علی کا ہمت افزا پیغام شہزادہ ارکاٹ کا خطبہ صدارت۔ جداگانہ انتخاب پر کی گئی نکتہ چینی کا جواب۔ اجلاس کی تجویزیں۔ ہر شعبہ حکومت تک جداگانہ نیابت وسیع ہو۔ مسلمانوں کے اوقات کی حفاظت کا سوال۔ وقفہ علی الاولاد کا مفہوم۔

۶۸

باب نئے میدان عمل میں چند قدم

نئی فضا میں، نئے ارادے، سرکاری ملازمتیں اور جداگانہ نیابت میسٹر جناح کا وقف بل پیش کرنا اور وہ اردو زبان کے لئے کوششیں مسلم لیگ کا چوتھا سالانہ اجلاس ناگپور سالہ ۱۹۱۷ء وقت کے اہم مسائل پر بحث۔ اردو ہندی کا سوال۔ اردو ہندی سوال پر مولانا محمد علی کی تقریر۔ اوقاف کا مسئلہ۔ دیگر تجویزیں۔ اتحاد کانفرنس الہ آباد سالہ ۱۹۱۷ء۔ کانگریس کے مخالف مسلمان۔ حکومت مسلم حقوق کے معاملے میں مذہب۔

۸۱

مسلمانوں میں سیاسی بے چینی کا آغاز

باب

تقسیم بنگال اور جنگ طرابلس۔ نئی بیداری اور اس کے ترجمان۔ شاہی دربار اور تقسیم بنگال کی منسوخی۔ مسلمانوں میں بے چینی۔ عالم اسلام کی سیاسی حالت۔ اٹلی کی طرابلس پر چڑھائی۔ مسلم لیگ میدان عمل میں۔ مسلمانانہہ کی برطانیہ سے توقعات اور مایوسی۔ روس کے گولے مشہد مقدس پر۔ سالہ ۱۹۱۷ء کے بعض دیگر اہم واقعات۔ تحریک مسلم یونیورسٹی۔ سرکاری ملازمتوں اور جداگانہ نیابت پر مسلمانوں کا اصرار۔ میسٹر گوکھلے کا ابتدائی تعلیمی بل اور مسلم لیگ کی تائید۔ اسلامی اوقاف کا مسئلہ۔ لیگ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی۔ مسلم لیگ کا پانچواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۷ء

مسٹر جناح بحیثیت مہمان لیگ میں۔ نواب بہادر ڈھاکہ کا خطبہ صدارت
تقسیم بنگال پر نکتہ چینی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز۔ جداگانہ یا فرقہ
وار نیابت کیوں ضروری ہو۔ مولانا محمد علی اور ان کے اخبار کارٹرید کا
تعارف۔ اہم ترین مسائل وقت پر بحث۔ منسوخی، تقسیم بنگال پر مولانا محمد علی
کی پُر زور تقریر۔ منسوخی، تقسیم بنگال پر سید وزیر حسین کا پُر زور احتجاج۔ جداگانہ
نیابت کی تجویز کی مخالفت۔ مسٹر جناح کے وقف بل پر بحث۔ عسالم
اسلام سے اظہارِ اہمردی۔

جنگ بلقان

باب

۱۰۰

بلقانیوں کا حملہ اور برطانیہ کا طرزِ عمل۔ مسلمانوں میں بھینپی۔ ایڈرمانوئل پر
ترکوں کی شکست۔ ہندوستان سے ترکوں کی امداد کیلئے طبی فدرلینڈ
کی صلح کا نفرنس۔ مسلمانانِ ہند کی نازک پوزیشن۔ کامریڈ کی زبان
بندی۔ مسلم لیگ کا ریزولوشن۔

مسلم لیگ کے بنیادی مقاصد میں تبدیلی

باب

۱۰۶

ہندوستان کی رفتارِ حالات۔ مسلم لیگ کو نئی راہِ عمل کی تلاش۔ جدت
بنیادی مقاصد کا مسودہ۔ مناسب حال خود اختیار حکومت ؟

مسلم لیگ کا چھٹا سالہ اجلاس کنوئسٹ ۱۹۱۳ء۔ خاں بہادر میاں محمد شفیع
کا انتخاب صدارت پنجاب مسلم لیگ کا اعتراف خدمات۔ خان بہاد
میاں محمد شفیع کا خطبہ صدارت۔ مسلم لیگ کے نئے نصب العین
پر بحث۔ مسٹر جناح کی مدلل تقریر۔ مسٹر جناح کا قانون وقف منظوریہ

۱۱۷

باب بیچینی کا سال ۱۹۱۳ء

لندن صلح کا نفرس مسجد کانپور کا معاملہ۔ نہتوں پر گولیاں۔ مولانا
محمد علی کے مقدمہ سے بیچینی میں اضافہ۔ پریس ایکٹ کی مخالفت۔
ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ۔ جدید اسلامی تحریک اور ٹائمز آف لندن
مسلم لیگ کا ساتواں سالانہ اجلاس اگر ۱۹۱۳ء بمباراہیم رحمۃ اللہ کا
خطبہ صدارت۔ لیگ کے اجلاس ۱۹۱۳ء کی سیاسی اہمیت انتخاب
جداگانہ کے خلاف آواز۔ مسٹر جناح کی تقریر۔ مسٹر جناح وزیر ہند
کی مخالفت میں مسٹر جناح مسلم لیگ میں۔

۱۲۹

باب جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے اثرات

مسلمان اور برطانیہ۔ ترکی اور مسلمانان ہند کا تعلق۔ ترک برطانیہ کے
خلاف میدان جنگ میں مسلمانان ہند کا اضطراب۔ لارڈ ہارڈنگ

کا تاریخی اعلان اور اس کا اثر۔ کامریڈ اور ہمدرد کی ضمانت ضبط۔
ہندوستان کی سیاسی توقعات ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت۔ ہندو
اتحاد جناح کی سعی و کوشش۔ علی برادران نظر بند مسلم لیگ کا احتجاج
مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کی کوشش میں کامیاب۔

۱۴۰

باب ۱۱ ہندو مسلم اتحاد کی طرف

لیگ کا آٹھواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۱۵ء۔ مولانا محمد علی کا تار۔
مسٹر مظہر الحق کا خطبہ صدارت۔ لیگ کانگریس کانفرنس کی تجویز مولانا
حسرت موہانی کی تجویز پر ہنگامہ۔ تلج محل ہوٹل میں اجلاس۔ مسٹر
جناح کی ریفارمز کمیٹی کی تجویز۔ جداگانہ نیابت پر زور نہ دیا جائے ؟
مسٹر جناح کی کوششوں کا شکریہ۔ کانگریس کا غم اتحاد و ممبران کونسل
کی یادداشت۔ ہندو مہاسبھا کی مخالفت۔ مسٹر جناح کی تجویز پر
مشترکہ کمیٹی۔ ہندو مسلم معاہدہ لکھنؤ ۱۹۱۶ء۔ معاہدہ لکھنؤ کی
سیاسی اہمیت۔

۱۵۷

باب ۱۲ مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لکھنؤ ۱۹۱۶ء

مسلمان اور حب وطن۔ سید نبی اللہ کا خطبہ استقبالیہ۔ مسٹر جناح

کا تاریخی خطبہ صدارت۔ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ حکومت کا فرض
 لیگ کے سامنے لائے عمل۔ ہندوستان کی خواہش اصلاحات مسلمانوں کو
 صدر لیگ کا سابق خودداری۔ سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ مسز نانڈو
 اور فٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ کی تقریریں۔ اسیکم کے ضروری کاموں کے
 لئے ایک کمیٹی۔ مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی بغاوت۔ ۱۹۱۶ء میں
 لیگ کے مقاصد۔

۱۷۱

متحدہ مطالبہ حکومت خود مختاری

باب

مسلم لیگ کانگریس اور ہوم رول لیگ کا متحدہ محاذ حکومت کا
 سخت رویہ۔ ہندوستان میں عام بے چینی۔ مسز بیٹ کی نظر بندی پر
 مسلم لیگ کا پرزور احتجاج۔ مسلم لیگ اور کانگریس کا مشترکہ جلسہ بمبئی
 یوم نظر بندیاں کی تجویز۔ وزیر ہند کا اعلان۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی
 مشترکہ میٹنگ الہ آباد۔ علی برادران کی نظر بندی پر احتجاج۔ اسیران قوم
 کا افسانہ اسیری۔ محمد علی کا نامعلوم جرم۔ ترکوں سے ہمدردی جرم؟
 دوسرے گھائل مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمود الحسن کا معاملہ۔
 حسرت موہانی صاحب کا جرم۔ مسلمانوں کا دعویٰ۔ علی برادران کو

مشروط رہائی کی پیش کش۔ نظر بند اسلام کے سرپرست لیگ کا تاج۔
وزیر ہند ہندوستان میں۔ وزیر ہند کی محمد علی سے ملاقات کی خواہش۔

۱۸۴

سالانہ ع کے ہندو مسلم فسادات۔

باب

مسلمانوں کا نمائندہ جلسہ لکھنؤ۔ آ رہ کے ہندو فسادوں کی مدت
مسلم لیگ کے غیر معمولی اجلاس لکھنؤ میں محمد علی کی رہائی کی قرارداد۔
لیگ کانگریس یادداشت میں تبدیلی۔ ہندوؤں کی تبدیلی پر آمادگی
مسلمانوں کا وفد نامنطور۔ لیگ کا دسواں سالانہ اجلاس کلکتہ ۱۹۱۷ء
صدر مجلس استقبالیہ کا پرزور اور مؤثر خطبہ صدارت۔

۱۹۳

مانٹیکو چیسفورڈ رپورٹ

باب

مانٹیکو چیسفورڈ رپورٹ۔ کانگریس کے اعتدال پسند رپورٹ پر
فریفتہ۔ کانگریس کے اجلاس میں رپورٹ نامنطور۔ مسلم لیگ کا
خاص اجلاس بمبئی ۱۹۱۸ء۔ مہاراجہ بہادر آف محمود آباد کا پرمغز
خطبہ صدارت۔ رپورٹ اور لیگ کانگریس اسکیم۔ رپورٹ کے دیگر
نقاطہ۔ ذمہ دار کون؟ مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی۔ محمد علی
کی یاد۔ اجلاس خاص بمبئی کی اہم اور اثر دار تجاویز۔ لیگ کی طیف

سے رپورٹ میں ترمیم۔ رولٹ کمیٹی۔ مسلم لیگ کا احتجاج۔ نظربند
بھائیوں کے لئے کمیشن کا تقرر۔

باب ۱۱۔ علمائے میدان سیاست میں۔

جلسہ علمائے کرام مسجد تھپوری دہلی۔ مسلم لیگ کا گیا ہوا سالانہ
اجلاس دہلی ۱۹۱۷ء۔ مولوی فضل الحق کا مدلل اور پُر زور خطبہ
صدارت۔ مقامی حکومتی ادارے اور مسلمان۔ اہم مسائل وقت
جامع مسجد دہلی کا معاملہ۔ صوبوں کو فوراً خود اختیار حکومت؟ ہندو
مسلم فساد کٹار پور۔ لیگ کا اظہار تشویش۔ فساد کلکتہ۔

باب ۱۲۔ ہنگامہ خیز ۱۹۱۹ء

وزیر ہند کا اہم اعلان۔ رولٹ بل۔ گاندھی جی میدان میں صلح
کانفرنس میں ترکوں کی قیمت کا فیصلہ۔ صدر و سکرٹری مسلم لیگ
کے استعفیے۔ تحریک مخالفت شروع۔ جلیانوالہ کا سانحہ تحریک
بند۔ مسلمان اور حادثات پنجاب۔

باب ۱۳۔ مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ۔

صلح کانفرنس میں ترکی کے حصے بخرے۔ مسلمانوں میں احتجاج چینی

سمرنا میں یونانیوں کے مظالم۔ وزیر ہند مانٹگولف کا نفرس کی
 تجویزوں کی مخالفت میں۔ مسلمانوں کا احتجاج۔ مسلمانان ہند کے
 غم و غصہ کی چند مخصوص وجوہات۔ ترکی نمائندوں کی یادداشت
 اور اس کا جواب صلح کانفرس کی طرف سے۔ مسلم لیگ کی
 جدوجہد۔ خلافت کمیٹی کا قیام۔ مسلم لیگ کا فوری اور اہم
 جلسہ۔ آل انڈیا مسلم کانفرس لکھنؤ ۱۹۱۹ء علی کاروائی
 کا فیصلہ۔ واسرائے کی ہمدردی۔ ہندوستان کی طرف
 ”شورش“ پنجاب کی تحقیقات کے لیے سرکاری کمیٹی۔
 ہندوستانیوں کی طرف سے غیر سرکاری کمیٹی۔ گورنمنٹ
 آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء۔ لیگ کا بارہواں اجلاس اتر
 ۱۹۱۹ء۔ پہلی نشست۔ علی برادران کی رہائی کا مزہ۔
 لیڈروں کی آمد۔ حاذق الملک کا حکیمانہ خطبہ صدارت۔ لاہور
 کے دردامیز مظالم پر دو آنسو۔ مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ
 ایران و انگلستان کا معاہدہ۔ مسلمانوں کی بے چینی اور خلافت
 کمیٹیاں۔ ہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ۔ ترمیم شدہ

قواعد و ضوابط پر بحث۔ مسٹر جناح کا صائب مشورہ۔ حکومت مسئلہ
 خلافت میں دخل نہ دے۔ آغا محمد صفدر تحفظ حقوق مسلمانان ہند
 کی مخالفت میں۔ علی برادران کی آمد۔ مولانا شوکت علی کی تقریر
 مولانا محمد علی کی تقریر۔ تحفظ حقوق کی تائید میں سیّد جالب حسا۔
 کی مدلل تقریر۔ ترک قربانی گاؤ کا مشورہ۔ ۱۹۱۹ء کی
 کانگریس۔ تحریک خلافت کے اجرا کے ارادے۔ جمعیتہ العلماء
 کا قیام۔

تحریک خلافت۔

باب ۱۹

۲۶۸

مولانا محمد علی کی وفد خلافت کی تجویز۔ مسلم لیگ کی پوزیشن۔
 وفد خلافت انگلستان میں۔ شہر اٹل صلح سے مسلمانان ہند
 میں بے چینی۔ ہندو مسلم کانفرنس الہ آباد۔ لیگ کونسل کا جلسہ۔
 خلافت کمیٹی کی طرف سے ترک موالات کا اعلان۔ لیگ اور
 کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ۔ ترک موالات کا پروگرام۔ مجا
 لیہ اسلامیہ کا قیام۔ کانگریس کے سالانہ اجلاس ناگپور میں ترک
 موالات منظور۔ جناح کانگریس سے الگ۔ ۱۹۲۰ء میں مسلم لیگ

۲۸۵	<p>کی حالت مسلم لیگ کا تیرھواں سالانہ اجلاس ناگپور ۱۹۲۰ء۔</p> <p>مولانا محمد علی کی گرفتاری تک</p>	باب ۳
	<p>موپوں کی قربانیاں علی برادران کی معافی کی افواہ ۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ کی حالت مسلم لیگ کا چودھواں سالانہ اجلاس احمد آباد ۱۹۲۱ء۔</p>	
۲۹۶	<p>ہندو مسلم فسادات کا دور</p> <p>مصطفیٰ کمال پاشا کی شاندار فتح۔ کانگریس میں گروہ بندی ہندو مسلم اتحاد</p>	باب ۴
	<p>کار دہل۔ مولانا محمد علی والیوالہ کلام آزاد ہندو مسلم فسادات کی مذمت میں۔</p> <p>خلافت کا عزل ہندو مسلم کشیدگی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جناح کا طلوع نو۔ مسلم لیگ کا پندرھواں سالانہ اجلاس لاہور ۱۹۲۴ء۔</p> <p>اتحاد کی کوششیں۔ مسلم لیگ کا سولہواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۲۴ء۔ آل پارٹیز کانفرنس بمبئی۔ مسلم لیگ کا سترھواں اجلاس علیگڑھ ۱۹۲۵ء۔</p> <p>ہندو لیڈروں کا طرز عمل۔ فسادات کلکتہ۔ قوم پرست مسلم لیڈر فوکارویہ۔ مسلمانوں کی قومی سیاسی پالیسی کیا ہو؟ مسلم لیگ کا اٹھارھواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۲۶ء۔</p> <p>تجاویز دہلی ۱۹۲۷ء۔</p>	
۳۱۹	<p>مسلمانوں کے قومی مطالبات</p>	باب ۵

ساتن کمیشن۔ بائیکاٹ کا فیصلہ مسلم لیگ کا ایتھواں سالانہ اجلاس
 کلکتہ۔ ساتن کمیشن کا کامیاب بائیکاٹ۔ اختلافات کا آغاز۔ نہرو رپورٹ
 مولانا شوکت علی اور مولانا حسرت موہانی کی صدائے مخالفت سال
 پارٹیز کانفرنس لکھنؤ۔ مولانا محمد علی نہرو رپورٹ کی مخالفت میں کلکتہ
 کنونشن اور بیواں سالانہ اجلاس مسلم لیگ سنہ ۱۹۳۵ء مسلم کانفرنس کا
 قیام اور اس کی تجویز۔ مسلم نیشنلسٹ پارٹی۔ جناح کے ۴ نکات۔

۳۳۲

باب ۲ دستور ہند ۱۹۳۵ء

وائسرائے ہند اور لیڈروں کی ملاقات۔ کانگریس سول نافرمانی کی راہ
 پر مسلمانوں کی سول نافرمانی میں مشروط شرکت پر آمادگی پہلی گول میز
 کانفرنس۔ مولانا محمد علی کا انتقال۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ کی حالت۔
 مسٹر جناح کی بے تعلقی اور اس کا اثر۔ مسلم لیگ کا اکیسواں سالانہ
 اجلاس الہ آباد۔ فساد کا پور۔ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کا اعادہ حقوق۔
 دوسری گول میز کانفرنس۔ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس میں سے کونسی جماعت
 رہے؟ کمونل ایوارڈ۔ مسلم لیگ کو جناح کی ضرورت۔ ہندوؤں کی برتری
 کمونل ایوارڈ کی مخالفت۔ دستور ہند ۱۹۳۵ء

۳۵۰

باب

غدر کے بعد قیامِ مسلم لیگ تک

غدر ۱۹۴۷ء کی سیاسی آندھی ہندوستانیوں کے دلوں سے اٹھی تو ہی لئے بھٹی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو تھس نہں کر دے جو ظلم اور لوٹ کی بنیادوں پر کھڑی تھی۔ مگر کمپنی کا کچھ بچا یا نہ بچا مسلمانوں کا گھر بالکل ہی ویران ہو گیا۔ اس آندھی سے مغلوں کا بوسیدہ اور گرتا ہوا شاہی تخت ہی نہیں اٹھا، مسلمان قوم کے قدم بھی اکھڑنے لگے۔ وہ پستی کی دلدل میں پھنستی تو انیسویں صدی کے آغاز ہی سے چلی آرہی تھی، جس کا سبب کمپنی بہادر کی چالیں تھیں، مگر غدر کی آگ کو کامیابی کے آہنی تلووں سے مل کر ٹھجھا چکنے کے بعد انگریزوں کی مسلمان دشمنی اندھے انتقام میں تبدیل ہو گئی۔ یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو تاجدارِ برطانیہ ملکہ وکٹوریہ کا اعلان بھی شائع ہو گیا۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر حکومت انگلستان کی ملکیت بھی بن گیا اور ہندوستان کے سب باشندوں کو بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ مذہب و ملت انگریزی رعایا بھی سمجھا جانے لگا۔ مگر مسلمانوں کی مصیبتوں کا خانہ نہ ہوا تختہ کیسا ملکہ کے اعلان کے بعد تو ان پر اتنے ستم ٹوٹے کہ اس زمانہ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا تاریک ترین دور کہا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کی غدر کے بعد کی حالت کا نقشہ کھینچنے میں زیادہ طوالت سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کتاب کا اصل مضمون نہیں ہے بلکہ قیامِ مسلم لیگ کا، جہاں سے ہمارا اصل مضمون شروع ہوتا ہے، پس منظر ہے۔ اس لئے حوالہ در تفصیلات سے گریز کر کے صرف خاکہ پیش کر دینا کافی ہے۔

جہالت کا اندھیرا غار

جن رستیوں سے مسلمانوں کی زندگی کی کشتی قدیم سیاسی و اقتصادی ستونوں سے بندھی ہوئی تھی انھیں تو غدر نو کاٹکے بوسیدہ سفینے کو نئے حالات کے سمندر میں دھکیل دیا۔ مگر مسلمان کو کشمکش کے ہاتھ پیر مارنے سے متنفذ اور اس نئے انداز شناسداری سے بالکل نا آشنا تھے جس کی ضرورت آپڑی تھی۔ غدر سے پہلے تک وہ دہلی کی برائے نام اسلامی سلطنت سے اس طرح چپٹے رہے جس طرح ڈوبتا تنکے کے سہارے کو غنیمت جان کر اسی سے چپٹ جاتا ہے۔ غدر کے بعد وہ سہارا بھی چھوٹ گیا۔ اب دنیا ان کی نظروں میں تاریک تھی۔ ہر طرف مایوسی کا اندھیرا چھایا دکھائی دیتا تھا مصائب سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی

ادھر انگریزوں نے ہنگامہ غدر کا سارا الزام مسلمانوں ہی کے گلے منڈھا بحال انکے اس تنہا مسلمانوں کا ہاتھ نہ تھا اور اس کی منہ میں مظالم توڑنے کے بعد بھی جب انتقام کی پیاس نہ بجھی تو انھوں نے کامیاب زندگی کی منزل کا ہر راستہ مسلمانوں کے لئے مسدود کرنا شروع کیا۔ اسکولوں اور دفاتروں کے دروازے مسلمانوں پر عموماً اور جبراً بند کر دیئے گئے تعلیمی حیثیت سے انھیں پیچھے رکھنے کی کوششیں پورے زور شور سے شروع ہو گئیں۔ غدر سے پہلے بھی اس قسم کے انتظامات کئے جاتے تھے کہ مسلمان اسکولوں اور سرکاری دفاتروں میں نہ گھسنے پائیں۔ لیکن غدر کے بعد تو انگریزی حکومت کا یہ سرکاری عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کو ان جگہوں سے دور رکھنا سب سے بڑا سیاسی کاروبار ہے مسلمان خود بھی انگریزی اسکولوں اور سرکاری دفاتروں میں قدم رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ تقریباً سو برس سے یہ دیکھتے آرہے تھے کہ زمانہ کی رفتار ہمارے خلاف ہے۔ حکومت رفتہ رفتہ انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی جا رہی تھی۔ روز بروز نئی نئی ضرورتیں سامنے آرہی تھیں۔ کم سے کم انگریزی زبان سیکھنے کی ضرورت تو صاف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کیونکہ آئندہ زمانہ کی باگ اسی کے ہاتھوں میں جانے والی تھی۔ اسی کو جدید علوم کا سرچشمہ بنانا تھا۔ مگر مسلمانوں نے اس ضرورت کی طرف سے قطعاً آنکھیں بند کر لیں۔ اور تن بہ تقدیر جہالت کے اندھیرے غار کی طرف قدم بڑھا دیا

ہلائے افلاس

جہالت کے بعد سب سے بڑی بلامفلسی ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنا خوفناک منہ کھولے ہوئے مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگی۔ ان کی بڑی بڑی جاگیریں اور املاک وغیرہ تو حکومت ہی بحق سرکار ضبط کر لیتی تھی۔ چھوٹے درجے کے امرا اور شرفاء کے پاس جو کچھ ہوتا تھا اسے ہندو ساہوکار دونوں ہاتھوں سے چھین کر اپنی وسیع فوڈ میں چھپا لینے کی کوشش کرتے تھے۔ ساہوکاروں کے پاس روپیہ تھا۔ مسلمان امرا اور شرفاء کو شاہانہ اخراجات رکھنے اور پیسے کو ہاتھ کا میل سمجھنے کی عادت تھی۔ ساہوکار معقول شرح سود پر روپیہ قرض دیتا تھا۔ مسلمان امیر بغیر حساب کتاب کے قرض لیتا تھا۔ حساب کے جھگڑے میں پڑنا اس کی عالی ظرفی اور شان امارت کے شایان نہ تھا۔ سود بڑھ کر سود در سود بنتا تھا۔ ساہوکار مسلمان امیر کی لاکھوں کی چیز ہزاروں بلکہ سینکڑوں میں ہتھیا لیتا تھا۔ حکومت وقت نے ساہوکار کے کام کو اور بھی زیادہ آسان بنانے کے لئے سود کی مقدار قانوناً غیر محدود کر دی تھی۔ مسلمان افلاس میں روز بروز زیادہ تیزی کے ساتھ دھنستے جا رہے تھے۔ ضرورتیں شاہانہ تھیں۔ آمدنیاں غنقا تھیں۔ قرض لینا ہی پڑتا تھا۔ قرض سود پر ملتا تھا۔ ایک دفعہ قرض لینے کے بعد بغیر فقیر ہوئے اس سے بچپا نہ چھوٹتا تھا

مسلمانوں کے بُرے احوال کے دو تماشائی

آخر جہالت اور افلاس کی ضرروں سے شیر کے دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے بازو اور پنجے میصبتوں سے کچلے جانے کے بعد بیکار ہو گئے۔ اب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس کے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے لگے۔ ان میں دو زیادہ نمایاں تھے۔ ایک انگریز دوسرے ہندو، جو مذہبی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں سے بہت برگشتہ تھے۔ اس گشتی کی ایک تازہ وجہ بھی تھی۔ غدر کے بعد ہی سے انگریز ان پر روز بروز زیادہ ہیربان ہوتے چلے آ رہے تھے۔ اور ہندوؤں کے لئے سرکار کی سرپرستی حاصل کر لینا فائدہ کا سودا تھا بھی۔ سرکار کے پاس کیا نہیں تھا! وہ سرکاری نوکریاں دے سکتی تھیں ہندوؤں پر ترقی کے دروازے کھول سکتی تھیں۔ ان کے بچوں کو سکولوں میں پڑھا لکھا کر مہذب اور ترقی یافتہ شہری بنا سکتی تھیں۔

بڑی بڑی اسامیاں اور فائدے کے سرکاری کام دے سکتی تھی۔ یہ سب نفیس اور بڑھیا الغامات تھے۔ ایسے الغامات دینے والے انگریزوں سے دوستی کرنے سے ہندو محض اس لئے تو باز نہیں رہ سکتے تھے کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہے!! حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ سمجھداری کی بات یہی تھی کہ انگریزوں سے میل ملاپ کر لیا جائے ہندوؤں نے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ دیا۔ انہوں نے سرکار انگریزی سے مودبانہ اشتراک عمل شروع کر دیا۔ سرکار نے ہندوؤں کی اس سمجھداری اور مستعدی کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ سارے سرکاری عہدے، اسامیاں، ملازمتیں اور نفع بخش کام خوشی خوشی ان کی جھولی میں ڈال دیئے، مسلمان کی طرف غصے کی نگاہ سے دیکھا اور حکم دیا کہ اسے ایوان حکومت میں نہ گھسنے دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انگریز مسلمانوں کو برباد کر ڈالنے پر کمر بستہ تھے ہندو انگریزوں سے تعاون کر رہے تھے۔ اور مسلمان اپنے انجام سے لاپرواہ ہو کر صرف انگریزوں سے نفرت رکھنے کی وجہ سے تعلیم، ملازمت، دولت وغیرہ کے میدانوں سے ہٹ گئے تھے۔

مسلمانوں کا پہلا بیدار آدمی | یہ بات ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے محسوس کی کہ اگر یہی میل و نہار

ہے تو ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ سر سید نے ایک طرف تو انگریزوں سے رابطہ ضبط بڑھایا اور ان کے دلوں میں یہ خیال بٹھا دیا کہ غدر مسلمانوں کی کسی سازش کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بدانتظام افسروں کی سختیوں سے یہ ہنگامہ برپا ہوا۔ وہ رعایا کو اتنا کمزور اور غفلت بنا چکے تھے کہ اس میں خواہ مخواہ لیے چینی پیدا ہو گئی۔ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسر رعایا کو بھی حکومت میں حصہ دیتے تو غدر نہ ہوتا۔ دوسری طرف انہوں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ اگر آئندہ کے لئے اس سرزمین پر عزت اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے تو انگریزوں کی مخالفت اور ان سے نفرت چھوڑ کر جدید علوم سیکھو تاکہ ترقی کر سکو۔ اس ضمن میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت تھی انگریزی تعلیم حاصل

کرنا۔ سرسید نے اسی پر اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ مسلمان یورپ والوں کے جذبہ ترقی کو اپنے اندر منتقل کر کے موجودہ زمانہ کی ایک ترقی کرنے والی قوم بنیں۔ انھوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ انگریزوں کی سرپرستی میں ہندوستان رفتہ رفتہ خود مختار حکومت کی منزل کی طرف بڑھے گا۔ ہندوستان میں عوام کی عوام کے ذریعے سے عوام کے لئے اور عوام کے ہاتھوں سے ہونے والی حکومت قائم ہوگی۔ مسلمان اس حکومت میں اسی وقت حصہ لے سکتے ہیں جب وہ انگریزی زبان اور جدید علوم و فنون سے آشنا ہوں۔ اگر انھوں نے یہ زبان نہ سیکھی، جو نئی ترقیوں کی کنجی ہے، تو وہ اپنی قوم اور اپنے وطن کی تقدیر بنانے میں کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔ ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ جائینگے اور اس ملک میں باعزت زندگی بسر کرنے کے موقعے کھودیں گے۔

مسلمانوں کی طرف سے سرسید کی مخالفت | مگر مسلمان سرسید کی مخالفت کرنے لگے۔ اس کی ایک وجہ تھی۔ ہر چند

مسلمان اس وقت بے ہتھیار، پریشان حال، بیکس اور لاچار تھے۔ مگر ابھی زبانوں کی تلواریں ان کے پاس تھیں۔ انہی کو کافر حکومت کے خلاف استعمال کرتے رہتے تھے۔ سرسید کی تلقین پر عمل کرنے سے یہ مزید اشتغال چھوڑنا پڑتا تھا۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں کو کھلم کھلا برا کہا جانے لگا۔ ان پر کفر کے فتوے چسپاں کئے گئے۔ مذمتیں ہوئیں۔ مذاق اڑا گیا۔ پھبتیاں کہی گئیں۔ کہیں وہ ملحد بنے۔ کہیں بے دین اور ”کرستان“ کہلائے۔ اس مخالفت میں وہ علمائے دین بہت پیش پیش تھے جنھوں نے غلط فہم کے مذہب کو مسلمان قوم میں پھیلا کر مذہبی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ اس اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے مذہبی توہمات اور رسم و رواج کو برقرار رکھنے کی بھی ضرورت تھی۔ ادھر سرسید قرآن مجید کو عقل کی عینک لگا کر پڑھتے تھے۔ وہ کتاب مقدس کے ارشادات و تعلیمات کے ایسے معنی نکالتے تھے جن سے نیچر کے اصولوں کی ترویج نہ ہو نہ سن ان مذہبی توہمات کے بھی سخت مخالف تھے اور ان رسموں اور رواجوں کو بھی مٹا دینے کے خواہشمند تھے جو اصل مذہب تو

نہ تھے مگر جن کو مذہبی شان حاصل ہو گئی تھی۔

مسلمان اس حالت سے گذر رہے تھے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ

انڈین کونسلز ایکٹ جمہوری حکومت کی ابتدا

نے ایک قانون انڈین کونسلز ایکٹ بنا کر ہندوستان میں کونسلیں قائم کیں۔ ۱۸۵۷ء تک ہندوستان کا جتنا حصہ انگریزوں کے قبضے میں آیا تھا اس کی مالک ایک انگریزی کمپنی تھی۔ جو ۱۸۵۷ء میں ملکہ انگلستان کی اجازت سے یہاں تجارت کرنے لگی تھی اور اہل ہند کی پھوٹ سہ فائدہ اٹھا کر حکمران بن چکی تھی۔ عذر کے بعد ہندوستان کی حکومت کی باگ تاجدار برطانیہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اور ہندوستان کے لئے قانون بنانے کا حق برطانیہ کی پارلیمنٹ یا پنچایت کو حاصل ہو گیا اس نے ہندوستان کے انتظام کے لئے ایک وزیر مقرر کر دیا جو وزیر ہند کہلاتا ہے۔ نظام حکومت سنبھالنے کے بعد پارلیمنٹ نے عذر کے اسباب پر غور کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ رعایا کو حکومت میں حصہ دینے ہی سے سیاسی بے چینی دور کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ بن گیا۔ اس قانون سے ممبئی، مدراس، بنگال، یو۔ پی اور پنجاب وغیرہ میں کونسلیں قائم ہو گئیں۔ ان کونسلوں میں ہندوستانی بھی ممبر بننے لگے۔ گو حکومت ان ممبروں کو خود ہی نامزد کرتی تھی۔ تاہم ملکی حکومت میں ہندوستانی حصہ لینے لگے۔ اس قانون کو ہندوستان میں دستوری حکومت کا سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

جوابات سرسید احمد خاں مسلمانوں کو سمجھانی چاہتے تھے وہ ہندوؤں کی سمجھ میں بہت پہلے آچکی تھی انگریز

ہندوؤں میں سیاسی بیداری

تعلیم، انگریزوں کی تالیخ اور ان کی ذہنیت سے واقفیت پیدا کر لینے کی وجہ سے انہیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ جوں جوں ہندوستانی راج سنبھالنے کے اہل ہوتے جائیں گے انگریز ہندوستان کی حکومت کو روز بروز زیادہ پچھائی بناتے جائیں گے

اسی غرض سے ۱۸۳۲ء سے بنگال کے ہندوؤں میں ایک سیاسی تحریک جاری بھی تھی ۱۸۵۷ء میں بنگال برٹش ایسوسی ایشن بنی ۱۸۵۷ء میں سیاسی تحریک کے حامیوں میں

ایک انتہا پسند جماعت بھی پیدا ہو گئی جو انگریزوں سے ٹکر لینے پڑی تھی۔ اسی زمانہ میں بمبئی میں بمبئی ایسوسی ایشن کام کر رہی تھی۔ ۱۸۷۷ء میں انڈین کونسلز ایکٹ بننے سے ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ برطانیہ کی سیاسی چال ڈھال کے بارے میں جو اندازہ ہم نے لگایا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اب تحریک بنگال سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی پھیلنی شروع ہو گئی۔ ۱۸۷۷ء میں مشرقی ہندوستان کی انجمن نے بڑے زور شور سے کام شروع کیا۔ وہ پہلے کی سب سیاسی جماعتوں پر سبقت لے گئی۔ مہاراشٹر میں اسی زمانہ میں پونا سارو جنک سبھا بن چکی تھی۔ بنگال میں ۱۸۷۷ء میں انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی کارروائیوں سے گورنمنٹ بہت پریشان تھی۔ تقریباً ۱۸۷۵ء اخبارات بھی سیاسی بیداری پھیلا رہے تھے۔ ۱۸۷۷ء تک تحریک والوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ انھوں نے حکومت پر شدید نکتہ چینیاں بھی شروع کر دیں۔ انگریزی تباہی کے مطالعہ سے انھیں یہ نکتہ یاد تھا کہ انگریز رائے عامہ سے مرعوب ہوتے اور آئینی ایجنٹیشن سے بھی اثر لیتے ہیں۔ سچ سچ وہ اس پر عمل کرنے کی مشق کر رہے تھے۔

ابھی تک ہندوؤں کی یہ سب سیاسی انجمنیں اپنے اپنے طور پر الگ الگ سیاسی بیداری پھیلانے کا کام کر رہی تھیں۔

نیشنل کانگریس کا قیام

اب ان سب کو ملا کر ایک مرکزی انجمن بنانے کا خیال پیدا ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں سیاسی تحریک نے آل انڈیائی نیشنل کانگریس کی شکل اختیار کر لی۔ تاکہ ملک کے سارے کارکن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر سکیں۔ اور سال کے سال کسی مقام پر جمع ہو کر صلاح مشورہ کرنے کے بعد آنے والے سال کے لئے ملکی کاموں کی بابت پہلے سے سوچ بچار کر لیا کریں۔ اس انجمن کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ہیم نے رکھی۔ وہ پہلے تو اس کو صرف معاشرتی صلاح کے لئے وقف رکھنا چاہتے تھے مگر جب گورنر جنرل لارڈ ڈفرن سے اس سلسلے میں مشورہ کیا گیا تو انھوں نے یہ صلاح دی کہ اس جماعت سے سال میں ایک مرتبہ کسی مقام پر اپنا جلسہ کر کے حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی کرنے اور اس کے عیوب و نقائص کو ظاہر

کرنے کا کام لینا چاہئے۔ لارڈ فرن کا خیال تھا کہ اس سے حاکم و محکوم دونوں کو فائدہ پہونچے گا۔ انھوں نے مشورہ تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ میب نام ظاہر نہ ہو۔ اس لئے گورنر جنرل کا نام کانگریس کی تحریک سے وابستہ نہ کیا گیا۔ کانگریس کے سب سے پہلے اجلاس میں جو تجویزیں منظور ہوئیں ان میں ہندوستان کے نظام حکومت کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جانے، قانون ساز جماعتوں میں عوام کے چنے ہوئے ہندوستانی ممبروں کو داخل کرنے، اور ہندوستان اور انگلستان میں بیک وقت سول سروس کا امتحان ہونے کا مطالبہ کیا گیا

سر سید احمد خاں اور شرکت کانگریس کی مخالفت | قیام کانگریس کے وقت علی گڑھ کے

مخٹن اینگلو اورٹیل کالج کو قائم ہوئے صرف آٹھ برس ہوئے تھے مسلمانوں کی آنکھیں کچھ کچھ کھل چکی تھیں۔ مگر کانگریس نے اپنا جو سیاسی معیار مقرر کیا تھا اس پر وہ اب بھی پورے نہ اترتے تھے۔ کانگریس کا اجلاس بمبئی بلانے والوں نے جو مینیسٹرو (اظہاری بیان) نکالا تھا اس میں صاف لکھا تھا کہ ”وہ ڈیلیگیٹ اور نمایاں سیاستداں ہوں گے جو انگریزی زبان سے خوب اچھی طرح واقف ہوں“ مسلمان قوم کی عام حالت یہ تھی کہ غدر کے جان لیوا ہنگامے سے بچ جانے کے بعد شے تک اسے نئے حالات میں ڈھلنے اور نئی چیزوں میں حصہ لینے کے قابل بننے کے لئے مہلت ہی نہیں مل سکتی تھی برس سے مسلمانوں کو مسلسل مالی پریشانیوں اور افلاس و بے حالتی سے واسطہ پڑ رہا تھا جنھوں نے ان کو بہت زیادہ کمزور کر دیا تھا۔ کانگریس کی تحریک امن پسندانہ تو ضرور تھی اور اس کا مقصد بھی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کرنا نہیں تھا مگر جو چیز ہندوؤں کے معاملے ایک منظم سیاسی ایجنٹیشن سمجھی جاتی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں وجود میں آتے ہی حکومت وقت کی نظروں میں غدر کے بعد ایک دوسری سیاسی بغاوت بن سکتی تھی۔ اس سے مسلمان پھر ایک بار سرکار انگریزی کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار بن جاتے انہی سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سر سید نے

مسلمانوں کے کانگریس میں شریک ہونے کی مخالفت کی

ان کا اندازہ یہ تھا کہ
ہندو جس قسم کی حکومت

جمہوریت میں قومی اقلیت بننے کی ضرورت

کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جو حکومت انگریز انھیں بتدریج دیں گے وہ جمہوری طرز کی ہوگی جس میں اکثریت راج کرتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے خود کو قومی اور ترقی یافتہ نہ بنایا تو وہ ایک کمزور اقلیت میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گے۔ ہندوستان میں مذہب ہی زندگی کی بنیاد ہے۔ تاؤ قینکہ ہندوستان کی سب قومیں اپنا اپنا مذہب چھوڑ کر صرف ہندوستانی بننے پر آمادگی ظاہر نہ کر دیں وہ معاشرت اور رسوم و رواج میں (جو مذہب کے پابند ہیں) ایک دوسرے سے اتنی الگ رہیں گی کہ ان کا ایک دوسرے میں جذب ہونا ناممکن ہوگا۔ ان جمہوری ملکوں میں جہاں ایک قوم ہوتی ہے، اکثریت اور اقلیت والی جامعیت صرف صٹولی اختلاف کی بنا پر وجود میں آتی ہیں۔ وہاں یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہی اقلیت جو آج حکومت کی مخالفت کر رہی ہے کبھی خود بھی اقتدار حاصل کر کے حاکم وقت بن جائے۔ مگر مذہب کے اس قدر شدید طور پر جزو زندگی ہونے کی صورت میں ہندوستان میں اس قسم کا کوئی واقعہ کبھی بھی ظہور میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے اقلیت کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے پہلے تعلیم حاصل کر کے قومی اور طاقتور بننے کی ضرورت ہے

مسلمانوں کا یا بحیثیت مجموعی ہندوستان کا کوئی خیر طلب مسلمانان ہند کی رہنمائی کے لئے اس کے سوا اور کوئی راہ اختیار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ سرسید اپنے عقائد کی وجہ سے تو مسلمان قوم کے زیادہ جھٹے کی ملامت ہی کا نشانہ بنتے۔ مگر سیاست میں ساری قوم نے بلاچون و چرا ان ہی کی پیروی کی کسی منطقی مغالطے یا سبز باغ میں اتنی قوت نہیں ہو سکتی۔ سرسید احمد خاں کی کامیابی کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کی رائے صائب تھی۔ سرسید کی تحریروں، تقریروں اور زندگی سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں کو ہندوستان کی سیاسی ترقی کے راستے میں ایک روک بنانا چاہتے تھے بلکہ یہ چیزیں ایک

ایسی شخصیت کی آئینہ داری کرتی ہیں جو تعصب سے پاک، وطن دوست، وطن پرور اور دور اندیش انسان ہے، جس کے سینے میں اپنے وطن کی محبت کا جذبہ موجزن ہے جو ہمسایوں سے دوستی رکھنے کا مشتاق ہے اور جو اپنا وجود قائم رکھتے ہوئے دوسروں کی طرف اتحاد و اتفاق کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے۔ انھوں نے صرف وقتی طور پر مسلمانوں کو سیاست سے الگ رہنے کی تعلیم یہ سوچ کر دی کہ ہندوستان انگریزوں کی نگرانی میں جمہوریت کے راستے پر ترقی کے قدموں سے آگے بڑھے گا اور مسلمان اسی حالت میں اس کے ساتھ قدم ہلا کر چل سکیں گے جب وہ تعلیمی ترقی کا مرحلہ طے کر کے میدانِ عمل میں اتر چکے ہوں

تعلیمی کانفرنس میں محسن الملک جہاںکی ہلی لکھا
مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد
میں عملی سرگرمی پیدا کرنے

کے لئے سرسید نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ۱۸۸۶ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد مسلمانوں میں جدید تعلیم کا چرچا کرنا تھا یہ کانفرنس سات برس تک مسلمانوں کے متحدہ مرکزی پلیٹ فارم کا کام دیتی رہی۔ ۱۸۹۲ء میں نواب محسن الملک میر مہدی علی خاں بہادر ریاست حیدرآباد کی ملازمت و وزارت خارجہ سے سبکدوش ہو کر قومی خدمت کے لئے میدان میں اترے اور تعلیمی کانفرنس کو کسی قدر تیزی کے ساتھ آگے لے کر چلے

کانفرنس کے ۱۸۹۳ء کے اجلاس علی گڑھ میں انھوں نے مسلمانوں کے مستقبل پر تقریر کرتے ہوئے کہا: ”ذرا آنکھیں کھول کر نیشنل کانگریس کی کارروائی کو دیکھئے اور اس کے نتائج پر خیال فرمائیے۔ کیا وہ جوش جو ہمارے ہموطن دکھلا رہے ہیں اور جس سے تھلال اور گرجو نشی سے وہ کام کر رہے ہیں اور جو اتحاد اور اخلاص ان میں ہے اور وہ ہمدردی جو قلم سے مال سے، زبان سے، جان سے، وہ ظاہر کر رہے ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ آپ سب حضرات انھیں عبرت کی نظر سے دیکھیں اور آپ کی حمیت و غیرت کا خون جوش میں آئے اور اپنی قوم کے لئے کچھ کریں؟ تعلیم کی بدولت وہ اس قابل ہو گئے ہیں کہ اپنی اغراض و پسپا بلک کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اور اپنا استحقاق گورنمنٹ پر ثابت

کر سکتے ہیں۔ وہ اس چیز کے پانے کی لیاقت رکھنے کے مدعی ہیں جس کو وہ مانگتے ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ ان کی کوششیں کچھ ناجائز ہیں اور کچھ نا واجب اور کچھ قبل از وقت اور باوجود اس بات کے کہ بہت زبردست مزاحمت ان کے سامنے ہے، مگر وہ صرف اعلیٰ تعلیم میں لیاقت پیدا کرنے اور انگریزی میں پوری مہارت رکھنے اور فصاحت و بلاغت سے تقریریں کرنے اور زبردست تحریروں سے اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ایک حیرت انگیز سوخ اور وقت انگلستان کی پبلک کے دلوں میں پیدا کر رہے ہیں اور بتدریج پارلیمنٹ کے ممبروں کی توجہ ملک بھر دی حاصل کر رہے ہیں۔

”کیا پارلیمنٹ میں سائمن ٹینیس اگزامینیشن یعنی ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ بیک وقت سرکاری ملازمتوں کے لئے مقابلہ کا امتحان ہونا، اور کیا گورنر جنرل بہادر کی شاہی کونسل میں انتخاب کے قاعدہ کا جاری ہونا ایسے دو بڑے واقعے نہیں ہیں جن کو عجرت کی نگاہ سے مسلمان دیکھیں اور جن پر نظر کر کے اپنی افسوسناک حالت پر توجہ کریں“

یہ تقریر مسلمانوں کی کتاب سیاست کے پہلے باب کی اولین سطریں

ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی

سر سید اور ان کے ساتھیوں کی ان کوششوں کو جو مسلمانوں کی ترقی

کے سلسلے میں کی گئیں ہندوؤں نے وطن دشمنی سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے خیالات میں مخالفت کی گرمی پیدا ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ کے ہندوؤں نے یہ چاہا کہ مسلمان بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی نہ کریں۔ اس پر فساد ہوا۔ بیٹی میں حرم کے تعزیوں پر ہی خون خرابے ہونے لگے۔ مسٹر بال گنگا دھر تلک نے جو مہاشٹر کے ایک نمایاں ہندو لیڈر تھے ہندوؤں کی ایک انجمن بنا ڈالی جس کا مقصد وسیعہ گاؤں کی مخالفت کرنا تھا۔ ہندو عوام میں مسلمانوں کے خلاف جوش پھیلا۔ کئی فساد ہو گئے۔ اردو زبان

کو ہندو عہد غلامی کی یادگار کہنے لگے اور اس کے مقابلے پر دیوناگری کو سرکاری زبان ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ سب سے پہلے بہاریں یہ کوشش ہوئی۔ وہاں کامیابی ہو گئی تو صوبہ متحدہ میں بھی اسی کے لئے زور لگایا گیا اور آخر میں کامیابی ہو ہی گئی۔ اردو والے احتجاج ہی کرتے رہ گئے

مسلمانوں کو اپنے سیاسی وجود کی فکر | ہندوؤں کی اس روش سے مسلمان چوکنے ہوئے۔ اسکے علاوہ اب وہ

کافی تعلیم یافتہ بھی ہو گئے تھے اور اپنا حق سمجھنے لگے تھے کہ ملازمتوں اور نظام حکومت میں انہیں بھی حصہ ملے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے تو یہ غدر تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل ہی نہیں کرتے۔ انہیں ملازمتیں کیسے دی جائیں! لیکن اب ہم انگریزی تعلیم حاصل کر کے اہل ہو گئے ہیں تو ایوان حکومت اور دفاتر میں گھسنے سے روکا جا رہا ہے بلکہ چھپے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں اس سرے سے اس سرے تک بے چینی کی ایک لہر دوڑنے لگی اور انہیں اپنے سیاسی وجود کی فکر پڑ گئی۔ ۱۸۸۵ء میں نواب محسن الملک بہادر نے اپنے ایک مضمون میں یہ بحث اٹھائی کہ مسلمانوں کو اپنے سیاسی حقوق کی حفاظت میں کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ اور تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ اس سوال پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ بحث و نظر کا دروازہ کھل گیا۔ مسلمانوں کی سیاسی حق تلفی کے اسباب کی جستجو کی جانے لگی معلوم کیا گیا کہ ملک میں جمہوری حکومت کی ابتدا ہو چکی ہے اور ہندوستانیوں کو نظام حکمرانی میں روز بروز زیادہ حصہ مل رہا ہے مگر ہندو حکومت پر خود ہی قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مذہبی اختلافات کی بنیاد پر خود کو اکثریت اور مسلمانوں کو اقلیت سمجھ کر انہیں حکومت میں نہ گھسنے دینے کی پالیسی اختیار کر لی ہے۔ ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسل ایکٹ سے صوبوں میں قانون ساز کونسلیں قائم ہوئیں جن میں حکومت ہندوستانی ممبروں کو نافذ کرنے لگی۔ اسکے پچیس برس بعد انتخاب کا اصول رائج کر نیکا خیال پیدا ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں یہ اصول مقامی میونسپلیٹیوں اور بورڈوں میں تھوڑا بہت

رائج بھی ہو گیا۔ ۱۸۹۲ء میں کونسلوں کو ترقی دی گئی اور ان میں توسیع ہوئی۔ میونسپل بورڈوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ممبروں، ایوانہائے تجارت اور یونیورسٹی کے ارباب اختیار اور زمینداروں کو کونسلوں کے لئے ممبر چننے کا حق ملا۔ لیکن جہاں کہیں اس قسم کے حقوق ملے ہندوؤں نے اپنی اکثریت کی طاقت سے خود ہی ان سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو محروم رکھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلمان اپنا سیاسی وجود علیحدہ قائم کریں اور ایک ایسی سیاسی جماعت بنائیں جو ان کی نمائندہ، ترجمان اور سیاسی محافظ ہو۔

مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن | چنانچہ مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن کے نام سے اس قسم کی ایک جماعت بن گئی۔ اور اس نے اپنا عملی پروگرام بھی مرتب کر لیا۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ مسلمان بحالت موجودہ آل انڈیائی نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتے کیونکہ اس قسم کا اتحاد عمل مسلمان قوم کے لئے مفید ہو نہ کی جگہ مضرت ہو گا۔ بحسن الملک بہادر کی تجویز یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر گاؤں اور ضلع میں مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن کی شاخیں قائم کی جائیں اور اسے تمام قوم کی واحد مرکزی قومی نمائندہ سیاسی جماعت کی حیثیت دی جائے۔ لیکن ابھی اس جماعت نے خود اختیار حکومت کی پہلی قسط ملنے کے آثار اور محسن الملک بہادر کی جدوجہد

نے شائع کے آغاز میں برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعلوم میں بحث پر تقریر کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ برطانیہ ہندوستانیوں کو ہندوستان کی حکومت میں پہلے سے زیادہ حصے دینے والی ہو۔ نواب حسن الملک بہادر اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر تھے۔ وہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے حصول کے لئے انتھک کام کر رہے تھے۔ انھوں نے فوراً مسلمانوں کے مطالبات حکومت تک پہنچانے کے لئے کام شروع کر دیا۔

انھوں نے اور نواب وقار الملک بہادر نے فوراً ایک مسودہ مرتب کر لیا جس پر ہر صوبے کے پانچ ہزار مختلف خیالات اور طبقوں کے لوگوں کے دستخط حاصل کئے۔

ایک وفد بنایا جس میں ہر صوبے کے نمائندے تھے اور جس کے صدر سر آغا خاں تھے۔ اور یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مطالبات ایک یادداشت کی شکل میں گورنر جنرل لارڈ مٹن کے سامنے پیش کر دیئے۔ یہ سب کام بے انتہا رازداری کے ساتھ صرف دو ماہ کی مدت میں ہوا تھا

مسلمانوں کے مطالبات کی یادداشت | یادداشت کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان میں ایک نمایاں قلیت

کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے حکومت میں ہندوستانیوں کو جتنے دیتے وقت نمائندگی اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا درجہ صرف ان کی تعداد کے اعتبار سے نہ رکھا جائے بلکہ انکی سیاسی اہمیت کا بھی لحاظ کیا جائے۔ یورپ کا جمہوری طرز حکومت ہندوستان کیلئے بالکل نیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے ذریعے سے ہمارے حقوق کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے جنہیں ہم سے کسی قسم کی ہمدردی نہ ہو۔ حکومت ایسا انتظام کئے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی ملازمتوں اور ممبریوں وغیرہ میں مسلمانوں کے لئے ایک تعداد مقرر ہو جائے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں بھی سندوؤں اور مسلمانوں کے ممبروں کی الگ الگ تعداد مقرر کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے نمبر چننے کا خود حق دے دیا جائے۔ صوبوں کی کونسلوں اور وائسرائے کی کونسل میں بھی مقررہ اور اثر دار نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ مسلمان ممبروں کی تعداد ان کی قوم کی مردم شماری کے اعتبار سے نہیں بلکہ اثر پڑ سکنے والی نمائندگی کے خیال سے مقرر کی جائے تاکہ ملکی معاملات پر مسلمانوں کی رائے اور ان کی آواز کا بھی اثر ہو۔ وائسرائے نے اصولی طور پر مسلمانوں کے مطالبات سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا کہ ”سروست میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان مطمئن رہ سکتے ہیں کہ جب تک میرا تعلق اس کشور کے انتظامی شعبوں سے باقی ہے ان کے قومی حقوق و مقاصد کا پورا لحاظ کیا جائے گا“

یادداشت کی اہمیت اور
اس کا بنیادی نظریہ

مسلمانوں کی منظم سیاسی زندگی اسنی یادداشت سے شروع
ہوتی ہے۔ یہ ایک مسلمان عمل سیاست سے بالکل
الگ تھے۔ ان کے لیڈروں کی رائے میں ان مخصوص
حالات کا، جو مسلمانوں کو پیش آئے تھے، یہی تقاضا تھا لیکن سیاست میں داخل ہونیکا وقت آیا
تو نواب محسن الملک بہادر نے اپنی قوم کو فوراً ایک منظم سیاسی طاقت بنا کر منزل مقصود کی طرف
ایک معنی خیز اشارہ کر دیا

اس یادداشت کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان ایک گھر ہے جس میں ہندو اور
مسلمان دو بھائی بستے ہیں اور انگریزوں کی حیثیت سرپرست کی سی ہے۔ چھوٹے بھائی (مسلمان)
کو اپنی شخصیت قائم رکھنی، اپنی ضرورتیں پوری کرنی، اپنے سرپرست سے وفاداری اور
اپنے بڑے بھائی سے پر خلوص محبت کرنی ہے مگر وقت پر اسے اپنے حقوق بھی حاصل کرنے
ہیں۔ یادداشت چھوٹے بھائی کی طرف سے سرپرست کی خدمت میں ایک درخواست تھی
کہ ہندوستان میں جو خود اختیارات حکومت قائم ہو رہی ہے اس میں مجھے بھی میری حیثیت کے
مطابق حصہ ملے۔ میری ضرورتیں اور مطالبات بڑھ رہے ہیں۔ اپنے وطن کی تقدیر بنانے کا
جذبہ اب میرے سینے میں بھی جاگ اٹھا ہے۔ ان ترقیوں کو جو اب میرے گرد پیش ہو رہی ہیں میں
زیادہ دیر تک صرف تماشا بن کر نہیں دیکھ سکتا۔ میری سیاسی طفولیت کے زمانہ میں بڑا
بھائی جن موقعوں اور ذریعوں سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے اب میں بھی انہی کا طالب ہوں
اور انہیں حاصل کرنا اپنا حق سمجھتا ہوں

انگریزوں کا رویہ
سرپرست نے چھوٹے بھائی کے مطالبات کی معقولیت کو تسلیم کیا۔
اور اسے یہ اطمینان دلایا کہ مسلمانوں کے لئے بھی ان موقعوں اور
ذریعوں سے فائدہ اٹھانے کا بندوبست کیا جائیگا۔ لارڈ مٹلینڈ ان میں تو وفد کو بارہا بھیجتے
ہوئے چکے پچکے تھے کیونکہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس وفد سے ملک کی سیاست میں
کوئی الجھن پیدا نہ ہو جائے اور بہت کوشش کی جانے کے بعد انہوں نے وفد سے طلاق

کرنے پر آواہی ظاہر کی تھی۔ مگر وفد سے ملنے پر انھوں نے خندہ پیشانی سے ارکان وفد کا خیر مقدم کیا۔ مطالبات کے جواب میں جو کچھ کہا، اس سے انھوں نے خود کو یا حکومت کو کسی خاص وعدہ کا پابند تو نہیں کیا تاہم مسلمانوں کو اس بات کا یقین آ گیا کہ ان کے حقوق کی طرف سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی۔ "لندن ٹائمز" نے یادداشت اور اس کے مطالبات پر بڑے زور شور سے تبصرہ کیا اور یہ کہا کہ مسلمانوں کی طرف سے یہ یادداشت کیا پیش ہوئی ہے ان کی ہیں جس کی خاموشی کی ہر سکوت ٹوٹی ہے

ہندوؤں کی روش | مگر بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی کی یہ حرکت بُری لگی۔ گائیکر نے اس یادداشت اور مسلمانوں کے وفد کو غصہ اور خفگی کی نظر سے دیکھا۔ بنگالی اخباروں نے لکھا کہ یہ حکومت کے افسروں اور ہندوؤں کے مخالف انگریزی اخباروں کے اشارے سے پیدا ہوا ہے

بعض مسلمانوں نے بھی جو کانگریس کی طرف مائل تھے "ڈیپوٹیشن کو" وفاداروں کی عمت بتایا۔ حالانکہ اس زمانہ میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی نے اپنی حمیری کے معاملے میں مسلمانوں کی مخصوص اور مقررہ نمائندگی کا اصول رکھ چھوڑا تھا اور اس نے اپنے بنیادی اغراض و مقاصد میں یہ دفعہ لکھی تھی کہ "کسی ایسے مطالبے یا عرضداشت میں جو کانگریس ہندوستانیوں کو ملکی انتظام میں زیادہ حصہ دینے جانے کے سلسلے میں کریگی۔ اقلیتوں کے مفاد کا لحاظ رکھا جائے گا"

جس طرح عہد طفلی سے گزر کر جوانی میں قدم رکھتے وقت انسان کے ذہن اور اس کے مزاج میں دوسروں کے خیالات کو قبول کرنے کی لچک ہوتی ہے اسی طرح اس دور میں مسلمانوں کی ذہنیت بھی ایک سادہ ورق کی طرح تھی۔ ہندوؤں نے یادداشت کی مخالفت کر کے اس سادہ ورق پر اپنی ہمدردی کے خوش منظر نقش و نگار بنانے کا ایک زریں موقع ہاتھ سے کھو دیا

باب مسلم لیگ کا قیام

محسن الملک بہادر کی تحریک جس طرح مسلمانوں کے سیاسی مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے کا کام محسن الملک بہادر نے

انجام دیا تھا۔ اسی طرح مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے کا خیال بھی سب سے پہلے اسی جواں ہمت بوڑھے کے دل میں پیدا ہوا۔ انھوں نے سر آغا خاں کو لکھا: "جو ڈیپوٹیشن شملہ گیا تھا اسے زندہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ خیال یہ ہو کہ ایک کمیٹی مقرر ہو اور ڈیپوٹیشن کے ممبر اس کے ممبر ہوں۔ اور اس کا صرف یہ کام ہو کہ جو درخواستیں یا درخواستیں میں (حکومت سے) کی گئی ہیں۔ انکی تکمیل کیسے وقت فوقتاً گورنمنٹ کو خط و کتابت کر دو اور میٹرل (ضروری مصالحت) جمع کرتی ہے۔ یہ کام درحقیقت ایک الجھن کا ہے۔ وہ کل ہندوستان کیلئے ہو۔ اگر آپ نے اس تجویز کو منظور فرمایا لیا تو آئندہ کیلئے جو تجویزیں میرے خیال میں ہیں ان سے بھی آپ کو مطلع کروں گا۔"

سر آغا خاں نے یہ تجویز منظور کر لی اور ہندوستان کے نمایاں اور ذی اثر مسلمانوں کو ایک نئی مراسلہ کے ذریعہ اس سے مطلع کر دیا گیا۔ یہ مراسلہ نواب ہاکہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔

ڈھاکہ کے جلسہ میں قیام لیگ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں وقار الملک بہادر کی صدارت میں مسلمانوں کا ایک نمائندہ سیاسی جلسہ

ہوا۔ نواب وقار الملک بہادر مولوی محمد شفاق حسین خاں انشارجنگ رئیس امر وہہ (مراد آباد) ایک عرصہ سے ریاست حیدر آباد میں ملازمت کر رہے تھے۔ وہاں سے سبکدوش ہونے

کے بعد انھوں نے قومی خدمت کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ محسن الملک بہادر کی طرح وہ بھی ان گنے چنے نمایاں اور ذی عزت مسلمانوں میں سے ایک تھے جنھوں نے تحریک علی گڑھ کے سلسلہ میں ان کی ہر ممکن امداد کی تھی۔ اور جنھیں بجا طور پر سرسید کے رفقاء کا رکھا جاتا ہے۔ اب سے پہلے مسلمانوں کے جتنے نمائندہ جلسے ہو کر تے تھے ان میں صرف تعلیمی ترقی کی باتیں ہو کر تھیں اور سیاسیات کے ذکر اور کارسرا سے ہی اجایا کرتے تھے۔ مگر چونکہ اس جلسہ کی غرض و غایت ہی سیاسی گفتگو تھی اس لئے مسلمانوں کی ایک مرکزی سیاسی جماعت قائم کرنے کے مسئلے پر خوب بحثیں ہوئیں۔ ہندوستان کے ہر صوبہ کے سربراہ اور وہ اور ذی عزت مسلمان موجود تھے۔ سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ملک کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا گیا مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالی گئی۔ انگریزوں کی روش بھی زیر تبصرہ آئی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی ایک نمائندہ سیاسی انجمن بنائی جائے۔ اس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہو۔ نواب محسن الملک بہادر اور نواب وقار الملک بہادر اس کے سکریٹری بنائے گئے۔ مسلم لیگ کے قواعد ضوابط تیار کر لئے گئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی۔ اس کے سکریٹری بھی محسن الملک بہادر اور وقار الملک بہادر ہی مقرر ہوئے۔ انھیں اس بات کا اختیار دیا گیا کہ جب کمیٹی قواعد ضوابط تیار کرے تو ہر صوبہ اور علاقہ کے نمائندہ مسلمانوں کا ایک جلسہ طلب کیا جائے اور قواعد ضوابط ان کی منظوری کے لئے پیش کر دیے جائیں۔ ہر بائٹنس سر سلطان محمد شاہ آغا خاں کو لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ اس دور میں مسلمانوں کی رہبری کی باگ تحریک علی گڑھ کے حامی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ جو سرسید احمد خاں کے اثرات کے آغوش میں پلے بڑھے تھے۔ لیگ کے قیام میں بھی زیادہ تر انہی کا ہاتھ رہا۔ مولانا محمد علی، جو اس زمانہ میں مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) تھے، ملازمت کر رہے تھے مگر تاسیس لیگ کے مشوروں میں وہ بھی شریک کئے گئے۔ قیام لیگ کے سلسلہ میں جتنی تنگ و دو انھوں نے کی اس کے اعتبار سے مولانا کو بھی نواب محسن الملک بہادر، نواب وقار الملک بہادر اور نواب ڈھاکہ

وغیرہ کے ساتھ لیگ کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیگ کے مقاصد سے گانہ رکھے گئے جنہیں ایک فقرہ میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ حکومت برطانیہ کے وفادار اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے دوست رہتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کیلئے جدوجہد کرتا۔ ڈھاکہ کے جلسہ کی کارروائی کو مسٹر محمد علی (کنگ) نے نہایت فصیح و بلیغ زبان میں مرتب کیا اور اسے نیلی کتاب کے نام سے نہایت شاندار طریقے سے شائع کیا۔ یہ کتاب نہ صرف ہر اس ہندوستانی کے ہاتھوں تک پہنچی جو ملکی سیاسیات سے دلچسپی رکھتا تھا یا مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کو شاندار دیکھنے کا ارادہ تھا بلکہ ہندوستان کے باہر بھی لوگوں نے اسے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا اور حیرت اور خوشی کے طے جملے جذبات کے ساتھ اس قوم کو تازہ دم ہو کر میدان سیاست میں قدم رکھتے دیکھا جو غدر کے بعد کے زمانہ میں قریب قریب مٹ چلی تھی۔ برٹش ایمپائر (دولت برطانیہ) میں اس سرے سے اس سرے تک قیام لیگ کے جلسہ کی کارروائی بڑے بڑے اخباروں میں شائع ہوئی۔ لندن کے نمایاں اخباروں نے اس پر لیڈنگ آرٹیکل لکھے، اور قیام مسلم لیگ کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ قرار دیا۔

مسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ کا پرچم جو شخیر مقدم | مسلمان تعلیم اور جدید علوم و فنون میں ہندوستان کی

دوسری قوموں پیچھے تھوڑے مگر وہ رہبران قوم کی ایک آواز پر فوراً لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ سیاسی بیداری اور سیاسی اکساہٹ کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ان میں تخلیقی و اقتصادی اپنی کے باوجود بھی دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے اور وہ بہت جلد منظم ہو کر ایک متحدہ قومی سیاسی مرکز پر جمع ہو جانے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں جس انداز اور لب و لہجہ سے اسلامی ہند میں قیام لیگ کا خیر مقدم کیا گیا اس نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان اعتراض و مقاصد کی ہم آہنگی اور عملی یکجہتی کا شاندار ترین نظارہ پیش کرسکتے ہیں۔ ہر طبقہ و خیال کے مسلمان جنہیں سیاست سے کچھ بھی لگاؤ تھا، لیگ کے پلیٹ فارم کی طرف

کھینچ آئے۔ انھوں نے اپنے سیاسی خیالات کے انہار کے لئے اسے مرکز بنالیا، مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت بن گئی۔ اس کے سرپر قوم کی رہبری کا تاج عظمت رکھ دیا گیا۔

اسی سال ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کیلئے بھی ایک جماعت قائم ہوئی جس کا نام رکھا گیا ”ہندو مہا سبھا“، ظاہر تو یہی کیا گیا کہ ہندو مہا سبھا لیگ کے جواب میں نہیں بنائی گئی ہے۔ مگر آگے چل کر اس کا طرز عمل یہ دیکھا گیا کہ جو تجویزیں مسلم لیگ کے اجلاس میں مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں پاس ہوتی تھیں بالکل ویسی ہی تجویزیں ہندو مہا سبھا کے پلیٹ فارم سے بھی ہندوؤں کے حقوق کے بارے میں حکومت کو پیش دی جاتی تھیں۔ مسلم لیگ نے جب یہ مطالبہ کیا کہ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کے حقوق محفوظ کر دیئے جائیں تو مہا سبھا نے بھی ہندوؤں کے لئے (جو اقلیت میں نہیں اکثریت میں تھے اور ہیں) تحفظ حقوق کا مطالبہ حکومت کے آگے رکھا۔

قیام لیگ کے زمانہ میں ہندوؤں کی سیاسی حالت کا خاکہ

بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہندوؤں کی سیاسی تحریک مگر ابھی تک اس کا مقصد آئینی ذرائع سے ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کو ترقی دینا ہی تھا۔ جلسوں میں یونین جیک لگائے جاتے تھے۔ وفاداری برطانیہ کی تجویزیں منظور ہوتی تھیں۔ حکومت پر نکتہ چینیوں کرنے کے باوجود انگریزوں کی سیاسی سرپرستی پر انہما۔ اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور برطانیہ کے زیر سایہ حکومت کو ہندوستان کی دستوری و آئینی ترقی کیلئے ضروری بتایا جاتا تھا۔ اس پر زور دیا جاتا تھا کہ ہم ”تاج“ انگلستان کے وفادار رہتے ہوئے زیر سایہ برطانیہ آئینی ترقی کرنی چاہتے ہیں۔ انگریزوں کی دیانت داری، منصفانہی اور ان کی شائمانہ طاقت و قوت کی تعریف کی جاتی تھی۔ حکومت پر یہ بات ظاہر کی جاتی تھی کہ ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعتیں انگلستان کی دشمن نہیں ہیں بلکہ وہ اس کی دوست ہیں اور حکومت برطانیہ ہندوستان کو آئینی ترقی دینے کا جو کام کرنا چاہتی ہے اس میں برطانیہ کو ساتھ

کانگریس پلیٹ فام کی حالت | کانگریس کی پالیسی حکومت کے اعتدال پسندانہ انداز سے التجا کرنا تھی۔ کانگریسی سیاست والوں کی تقریروں

کالب لیا یہ ہوتا تھا کہ انگریز نہایت انصاف پسند اور صداقت شعار ہیں، اگر ان کے سامنے ہندوستانی مطالبات کی حقیقت کھی جائے تو وہ اسے ماننے سے گریز نہیں کریں گے۔ کانگریس "تاج" انگلستان کی وفادار ہے، وہ صرف ہندوستان کی دوقری حکومت کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی شاکہ ہی۔ انگریزوں کا دستور اساسی آزادیوں کا حامل ہے۔ انگریزوں کی پارلیمنٹ (قومی پچائیت) دنیا کی سب سے زیادہ ڈیموکریٹک باڈی (جمہوریت پسند جماعت) ہے۔ کانگریس کوئی باغی جماعت نہیں ہے۔ ہندوستانیوں کو حکومت میں مناسب حصہ دینے کیلئے انھیں سرکاری نوکریاں زیادہ تعداد میں ملنی چاہئیں۔ اہل ہند کو اعلیٰ ذمہ دار اسامیاں دے کر حکومت کو تیکے قابل بنایا جائے۔ ۱۹۰۷ء سے لیکر قیام مسلم لیگ کے زمانہ تک کانگریس کا انگریزوں کی انصاف پسندی پر کامل اعتقاد تھا۔

وفاداری برطانیہ کا دور | کانگریس والوں کی مانند وہ مسلمان بھی جو سرسید احمد خاں کے اثرات کے ماتحت تعلیم پاکر ترقی یافتہ بنے تھے اور جنہوں نے

اپنے حقوق کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی، برطانیہ پر اپنے اعتماد اور اسکے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے نمایاں لیڈر اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے مطالبات کیلئے پُر زور جدوجہد اور سرگرم کوششیں کرو۔ مگر جو کچھ مانگو ادب اور اعتدال کے ساتھ مانگو۔ اور وفاداری کی حدود سے آگے قدم نہ بڑھاؤ۔ وہ دور ہی اعتدال پسندی اور وفاداری برطانیہ کا تھا ہندو مسلمان اور ہندوستان کی دیگر سب قومیں اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔

ہندو مسلمانوں کی اتفاقی | مگر آپس میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی تھی۔ مسلمانوں کو شکایت تھی کہ ہندو اور کانگریسی لیڈر ہماری ان

کوششوں کو بہت بُری نظر سے دیکھتے ہیں جو ہم اپنے حقوق کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہندوؤں کی پالیسی ایک دودھاری چھری ہے جس سے وہ انگریز اور مسلمان دونوں کو بیک وقت زخمی کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزوں سے اپنے لئے حکومت میں زیادہ حصہ طلب کرتے وقت وہ یہ

کہتے ہیں کہ اب ہم زیادہ اہل اور لائق ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں حکومت میں اتنا حصہ ملنا چاہیے جو ہماری بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ مگر جب سلمان یہ کہتے ہیں کہ اب ہم تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس سطح پر آگئے ہیں کہ ہمیں بھی حکومت میں حصہ دار بنایا جاوے تو ہندوؤں کے اس مطالبہ کو نیشنلزم (قومیت) کی مخالفت اور وطن دشمنی قرار دیتے ہیں۔

تقسیم بنگال | تقسیم بنگال کی مخالفت میں ۱۹۰۵ء میں ہندوؤں نے انگریزی حکومت کے خلاف جو بڑا دست اُچھیٹیشن جاری کیا اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں اور بھی زیادہ فرق پڑ گیا۔ والٹر نے ہندو لارڈز کی تجویز پر حکومت ہند نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک مشرقی بنگال دوسرا مغربی بنگال۔ مشرقی بنگال کے علیحدہ صوبہ بن جانے سے وہاں کے مسلمان کاشتکاروں کو فائدہ پہنچا۔ ان کی ترقی کے امکانات زیادہ ہو گئے۔ حکومت نے مسلمانوں کی درخواست پر یا ان کے کہنے سے یا ان سے مشورہ کر کے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ اس نتیجہ ظاہر ہے کہ گو انھیں تقسیم بنگال سے فائدہ تو ضرور پہنچا تھا مگر اس تقسیم میں جو ہندوؤں کو ناگوار گزری اور جس سے بنگالی ہندوؤں میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ بچا۔

تقسیم بنگال کے خلاف بنگال کے ہندوؤں کا اچھیٹیشن | بنگال کے ہندوؤں نے غصہ میں آکر حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیے۔ کانگریس نے تحریک کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جس زمانہ میں مسلم لیگ قائم ہوئی ہے کانگریس اس اچھیٹیشن کو پورے زور اور قوت کے ساتھ چلا رہی تھی۔ اس کے ہر سالانہ جلسے میں تقسیم کے خلاف غم اور غصہ کا اظہار کیا جانے لگا۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے جلوس نکالے گئے اس کے بعد ہڑتالوں کی باری آئی۔ لیڈروں نے طلباء کو سیاسیات میں وکیل دیا حکومت نے تعلیم کے ضابطے کو زیادہ سخت بنا کر طلباء کو سیاسیات میں پڑ کر خراب ہونے سے روکا۔ تحریک مخالفت نے ایک منظم سازش کی شکل اختیار کر لی۔ ایک جگہ کے حالات اور واقعات کی خیر فوراً اسی دن باقی تمام علاقہ میں ہو جاتی تھی۔ بنگال کا مسئلہ تمام ہندوستان کا مسئلہ بن گیا۔ ہر علاقہ کے لوگوں نے اپنی اپنی شکایت کو تحریک تقسیم بنگال سے لا ملا یا۔ اور اچھیٹیشن کرنے لگے۔ بنگال میں گورنمنٹ کا بچوں اور

اسکولوں کا بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ مشرقی بنگال میں دو درجن کے قریب نیل اہول قائم ہو گئے
بدیشی ایشلے کے بائیکاٹ کی تحریک بھی چلا دی گئی۔ رفتہ رفتہ تحریک میں تشدد پیدا ہونے لگا۔
بعض اخباروں میں جو جو انوں کے ہاتھوں میں تھے حکم کھلا تشدد کا پرچار ہونے لگا۔ ایک بنگالی
نوجوان کو ایک انگریز پریم مارنیکا ارادہ رکھنے کے جرم میں پھانسی دیدی گئی۔ ملک میں چاروں طرف
گرفتاریوں اور تشدد کا جال سا بچھ گیا۔ مخالفت کا طوفان اور حکومت وقت کی سختی میں روز بروز
اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ سیاسی نوعیت کے قتل بھی ہونے لگے۔

مسلمانوں کی غیر جانبداری | مسلمان ہندوؤں کے اس ایجنڈیشن میں شریک نہ ہوئے
تقسیم بنگال کے مخالفین اپنے ایجنڈیشن کو برحق ثابت
کرنے کیلئے جو دلیلیں دیتے تھے وہ مسلمانوں کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ایجنڈیشنوں کی سب سے بڑی
دلیل یہ تھی کہ تقسیم بنگال سے بنگال میں بسنے والے ہندو و حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں مسلمان
یہ پوچھتے تھے کہ کیا اسی طرح شمالی ہند کے مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں یو۔ پی اور پنجاب کے
دو مختلف سیاسی اور انتظامی علاقوں میں بانٹ دیا گیا ہے؟ کیا پنجاب کے مسلمان اس شکایت
کو بنیاد مان کر ایک ایجنڈیشن شروع کر سکتے ہیں کہ صوبہ سرحد بنا کر پنجاب کے مسلمانوں کو دو حصوں
میں منقسم کر دیا گیا ہے؟ کیا مسلمان اس وقت بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کر سکتے تھے جب بلی کرنا
اور گورگانوہ کے اضلاع کو صوبہ پنجاب میں ملایا گیا تھا؟ کیا آسام والے احتجاج کرنا حق نہیں
رکھتے کہ انھیں ۱۹۴۷ء میں بنگال سے کیوں الگ کیا گیا؟ مگر اس طرح نظام حکومت میں دخل
اندازی کرنا بد امنی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں مسلمانوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ مشرقی بنگال کا بنیاد
صوبہ بن جانے سے حکومت کا انتظام زیادہ بہتر ہو گیا ہے۔ اور باشندوں کی خوشحالی میں اضافہ
ہوا ہے تقسیم سے پہلے نئے صوبہ کے مشرقی حصوں کی یہ حالت تھی کہ وہ مرکزی حکومت سے اتنے
دور تھے کہ کسی سوشل، پولیٹیکل، ایجوکیشنل یا کمرشل ترقی کی مدت مدید تک امید نہیں ہو سکتی تھی تقسیم
سے مشرقی بنگال کے باشندوں میں نئی زندگی آگئی اور کلکتہ سے دور پڑے رہنے کی صورت میں مرکزی نظام
کی عدم توجہ کے پھندے سے الگ کلا چھوٹ گیا تقسیم سے پہلے وہ مغربی بنگال کا دم چھلائی ہوئے

تھے اور ان کے حقوق کی کوئی پرواہ نہ کی جاتی تھی۔ تقسیم کے بعد فوراً ہی ان کے حقوق مانے جانے لگے۔ اور ان کی اہمیت بھی بڑھ گئی۔ اگر بیس سولہ لاکھ تو سینکڑوں ٹوپی ٹیجسٹریٹ اور سب ٹوپی اور منصف اور سب جسٹس اور بھی بڑھائے گئے اور یہ سب لڑکیاں مشرقی بنگال کے ہندو مسلمانوں کو ملیں۔

بنگالی ہندو تقسیم بنگال کو نیشنلزم (قوم پرستی) کے منافی قرار دیتے تھے۔ مگر مسلمان یہ کہتے تھے کہ اگر اس سے نیشنلزم کو کیا خطرہ ہو؟ آخر نیشنلزم کی صحیح تعریف کیا ہو؟ کیا بنگالی ہندوؤں کو متحد کرنے اور باقی سب قوموں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدینے ہی کا نام نیشنلزم ہے؟ کیا "انڈین نیشن" کا مطلب صرف مشرقی اور مغربی بنگال کے ہندوؤں؟ کیا مسلمان ہندوستان میں نہیں رہتے؟ کیا وہ خود کو ہندوستانی نہیں کہہ سکتے؟ کیا ان کا فائدہ ہونے سے ہندوستان کا نقصان ہوتا ہو؟

اس پر بنگالی ہندوؤں نے خصوصاً اور باقی ہندوؤں نے عموماً

ہندو مسلمانوں کے متفقہ

مسلمانوں سے بیرا ہندھ لیا۔ وہ حکومت کے خلاف تو صف آر ایتھی

مسلمانوں پر بھی حملے کرنے لگے۔ مشرقی بنگال میں کئی مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ اور بنگالی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کر کے اپنے غم اور غصے کا اظہار کیا۔ یہ انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں سے نفرت کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ خواہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو تقسیم سو کتنا بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر حکومت کے خلاف انھیں اس ایجنڈیشن میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہئے تھا ورنہ وہ مذاار اور دشمن وطن ہیں۔ تعلیم یافتہ ہندو مسلم طبقوں میں اس مسئلے پر بڑی کشمکش شروع ہو گئی۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کی سلامتی کی یادداشت کو تو غصے کی نظر سے

مسلم لیگ اور ہندو

دیکھا ہی تھا۔ مسلم لیگ کے قیام اور اس کی کارروائیوں کی بھی مدت کی خالص کانگریسی حلقوں میں بھی لیگ پر شدید کج چینی کی گئی۔ کانگریسی مسلم لیگ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ جماعت حکومت نے اپنے استعمار کے ہاتھوں میں کھمپتی کے طور پر استعمال کرنے کیلئے بنائی ہے۔ اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں گے۔ مسلمانوں کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کے قومی

مطالبات کو بے اثر بنانے کیلئے یہ رویہ اختیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنے فائدہ کو قوم پرستی کہتے ہیں۔ اور ہمارے فائدہ کو فرقہ پرستی کہہ کر روکنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو مسلمانوں کے مطالبات سے ہملائی کھاتھا یہ طبقہ تسلیم کرتا تھا کہ "تعداد میں ہندوؤں سے کم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو سب اطور پر یہ خوف ہے کہ کہیں ان پر ہندو اکثریت کا غلبہ نہ ہو جائے۔ اور یہ خوف ایسا نہیں ہے جسے مذاق میں اڑا دیا جائے یہ ہر عام طور پر ہندوؤں میں ٹالوں کی طرف سے یہ جذبہ نہیں پایا جاتا تھا

۲۹۔ دسمبر ۱۹۵۷ء کو کراچی کے مقام
مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس کراچی ۱۹۵۷ء
 پر آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا سالانہ

اجلاس ہوا۔ بنیاد ہندوستان کے مشرقی حصے کے ایک مشہور شہر دھاکہ میں پڑی تھی پہلا سالانہ اجتماع ہندوستان کے مغربی حصے کے مشہور اسلامی شہر کراچی میں ہوا۔ اجلاس کے صدر سر آدم جی بیرجائی تھے۔ انھوں نے قومی انجمن کا صدر بنائے جانے پر قوم کا اتنا زبردست شکریہ ادا کیا کہ اپنی خطبہ صدارت کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی۔ "یہ میری زندگی کے سب سے زیادہ قابل فخر لمحات ہیں۔ اس اعزاز کی یاد چو آپ مجھے بخشا ہے کبھی میرے ذہن سے محو نہ ہوگی"

ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلیم یافتہ اور ذی حیثیت مسلمان کثیر تعداد میں کراچی آئے جس شوق سے وہ شریک اجلاس ہوئے وہ صاف صاف بتا رہا تھا کہ قیام مسلم لیگ سے مسلمانوں میں ایک ایسی زبردست سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے جس کے دور رس اثرات ہندوستان کا مستقبل بنانے میں ضرور ایک اہم کارنامہ پیش کریں گے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والے اپٹر ولولہ خدمت قوم کے قلم سے تاریخ ہند کا ایک نیا قابل فراموش صفحہ لکھ رہے تھے۔ اور اس صفحہ کا اولین حرف اس بات کا اظہار تھا کہ مسلم لیگ کا پیغام مسلمان قوم کے کالوں ہی نہیں دلوں تک بھی پہنچ گیا ہے اور وہ بیدار ہو کر اپنی سیاسی حقوق کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئی ہے

۳۰۔ سر آدم جی کا خطبہ صدارت
 صاحب صدر نے اپنے خطبہ صدارت میں قوم کی اتنا زبردست بیداری کا پُر زور الفاظ میں تذکرہ کیا۔ انھوں نے

نے کہا: ”ایک جواں سال تحریک نے اتنے جلد ہمارے آدمیوں کے دلوں کو جا پکڑا ہے۔ اور ہم سب میں ایک مشترکہ مقصد کا احساس پیدا کر دیا ہے جو مسلمانوں کی تاریخی قوم کی ترقی ہے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ آئندہ چل کر لیگ کی کیا حالت ہوگی لیکن اگر یہی جذبہ جو آج کام کر رہا ہے، قوم کی تقدیر بناتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے حکمران اور تمام دنیا کے مسلمان ہمارے صحیح دلوں اور ہماری ترقیوں کا حال معلوم کرنے کیلئے لیگ کی کارروائیوں کو دیکھا کریں گے۔“

یہ خطبہ صدارت بہت ہی مختصر تھا۔ کونسلوں میں توسیع ہونے پر اظہار اطمینان کرنے کے بعد مسلمانوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ اسپیریل کونسل میں جو چارشتیں مسلمانوں کو ملی ہیں ان پر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو ذاتی غرض پروری میں منہمک نہ ہوں۔ اور مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ہدایت کر کے نواب محسن الملک بہادر کی وفات پر اظہار افسوس کرنے کے بعد خطبہ صدارت ختم کر دیا گیا تھا۔ بعض باہمی نا اتفاقیوں کی بنا پر یہ اجلاس ملتوی ہو گیا۔

لیگ کا حاصل اجلاس علی گڑھ ۱۹۰۸ء | ۱۸- مارچ ۱۹۰۸ء کو علی گڑھ میں مسٹر محمد شاہ دین بار ایٹ لاڈ لاہور کی صدارت

میں اجلاس بار دیگر منعقد ہوا۔ تاکہ جو باتیں کراچی کے اجلاس میں زیر غور آنے سے رہ گئی ہیں ان پر بحث کر لی جائے۔ اس اجلاس میں دو ضروری تجویزیں منظور ہوئیں۔ ایک توشیح عبدالقادر بار ایٹ لا (دہلی) کی تجویز پر گورنمنٹ کی زیر تجویز اسکیم پر غور کر کے مسلم لیگ کی رائے حکومت پر ظاہر کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنادی گئی۔ جس میں نواب وقار الملک، سید نبی اللہ بار ایٹ لا، ایم یوسف حسن، مولوی رفیع الدین بار ایٹ لا، ایم فضل حسین بار ایٹ لا (لاہور) وغیرہ تھے۔ دوسرے ایک تجویز میں (جسے مولوی رفیع الدین نے پیش کیا تھا) حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہر ایک گورنمنٹ اور چیف کورٹ میں ایک ایک مسلمان جج مقرر کیا جائے۔ سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو ان کا حصہ دیا جائے، قانون ساز جماعتوں میں مسلمانوں کی کافی نمائندگی ہو اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے سینٹوں اور ٹیچنگ بک کمیٹیوں میں مسلمان بھی نمائندہ بنائے جائیں تاکہ مسلمانوں کے تعلیمی حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

مسلم لیگ کا پہلا کارنامہ

قیام مسلم لیگ کے زمانہ میں بین الاقوامی سیاست اور ہندوستان کی تاریخ اپنے اہم ترین دور سے گزر رہی تھی۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ایک زبردست انقلاب خاموشی کے ساتھ مگر زیادہ سے زیادہ یقینی طور پر ملک کی قسمت کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھال رہا تھا۔ یہ انقلاب تین چیزوں پر مبنی تھا (۱) بین الاقوامی واقعات کے اثرات - (۲) ہندوستانیوں کی سیاسی بیداری جس کے نتیجے کے طور پر وہ پُر زور طریق سے اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے۔ اور (۳) برطانیہ کا یہ رجحان کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو خود مختار حکومت دیدی جائے۔ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً برطانوی مآجداروں اور انگریزوں کے سیاست دانوں کو اعلیٰ اور تقریروں سے ہوتا رہا تھا۔

جنگ جاپان و روس کے اثرات ^{۱۹۱۷ء} کے شروع ہوتے ہی خوابیدہ مشرقی اگہری اہمیت کے آرا اور دور آفریں واقعات کے ہاتھوں سے جھنجھوڑا جانے لگا۔ جاپان میں سیاسی انقلاب ہو چکا تھا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد ہی سے اس کی قومی زندگی کے درخت کی ہر شاخ میں حیرت انگیز ترقی کی شادابی دوڑ رہی تھی۔ اس ترقی کے انعام کے طور پر ۱۹۱۷ء میں حالات نے اسے جنگ روس و جاپان میں روس پر فتحیابی کا زریں تحفہ پیش کیا اور مشرق میں روس کی مرعوب کن طاقت پاشش پاشش ہو گئی۔ ان تاریخ بنانے

و اے سانحوں نے مشرقی قوموں کے تصورات کی آنکھیں کھول دیں۔ چلیں، مصر، ایران اور
 ترکی جیسے ایشیائی ممالک میں جمہوری حکومت کے مطالبات کی صداؤں سے فضا میں گونج
 اٹھیں۔ ہندوستان بھی ان واقعات سے متاثر ہو کر بے چینی کا گہوارہ بن گیا۔

ہندوستان میں انقلاب کی فضا

اہل ہند کی رگ بیداری میں ایک اُچھال دینوالی
 اس نئی پیدا ہو گئی۔ مغربی تمدن کے اثرات ایک
 مدت سے خاموشی کے ساتھ اپنا کام کر رہے تھے۔ انھوں نے بھی اس آگ کو بجھانے میں مدد دی
 ہندوستان کے مطلع زندگی پر مصائب اور پھل کی تیرہ و تار گھٹائیں مسلط ہونے لگیں۔ سیاسی
 فضا میں انقلاب انگیز اثرات کی بجلیاں دم بدم کوند کوند کر گرنے کا اعلان کرنے لگیں۔ تقسیم بنگال
 کے خلاف جو ایگجٹیشن جاری ہوا اس سے ملک میں بغاوت کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ حکومت
 کا تختہ الٹ دینے کے لئے سازشوں کے جال بچھنے لگے۔ بم گرانے اور تشدد برتنے کی کھلم کھلا
 تلقین ہونے لگی۔ نوجوانوں کے دماغوں میں منصوبہ باز لوگوں نے خطرناک خیالات اور امن
 شکن ارادوں کے بیج بو دیئے۔ وقت کے اثرات نے جو ہر بیدار انسان کو انقلاب پانے کے
 پر اُگسا رہے تھے تقسیم بنگال کے ایگجٹیشن کو ایک زبردست سیاسی تحریک بنادیا بنگال
 سے بڑھ کر یہ آگ سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ دوسرے حصوں کے لوگوں نے، جو
 بے چینی سے متاثر ہو رہے تھے، مقامی شکایات تک کو اس تحریک سے لاملایا اور حکومت
 کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر جگہ مخالفت کے آتش فشاں پھٹے پڑنے لگے۔ ہر جگہ
 ایگجٹیشن کے الاؤسلگ رہے تھے۔

مسلمان ہوشیار

۱۹۰۶ء تک مسلمان ہندوستان کے میدان سیاست سے باہر
 رہے تھے۔ اس کے اسباب بہت سے تھے جیسے سرسید
 احمد خاں کا اثر جو مسلمانوں کو سیاست کی پُر خاراوا دی سے الگ رکھ کر پہلے حصول تعلیم
 کے راستے پر چلنا سکھانا چاہتے تھے، یہ خوف کہ کہیں سیاسی ایگجٹیشن میں حصہ لینے سے

ہم حکومت کے عتاب کا از سر نو شکار نہ بن جائیں۔ یہ احساس کہ انگریزی تعلیم میں دوسری قوموں سے پیچھے ہونے کی وجہ سے ہم کو سیاسی سبھا میں دوسروں کی جوتیوں ہی میں بیٹھنا پڑیگا، یہ اندیشہ کہ سیاسی واقفیت سے ناواقف ہوتے ہوئے سیاست کے اکھاڑے میں اترنے سے ہنسی اڑے گی، یہ یقین کہ سرکار انگریزی کاراج قائم رہنے سے مسلمانوں کی خوشحالی اور ان کی ترقی کیلئے راہیں نکلیں گی، ایسے ذی اثر لیڈروں کی کمی جو سیاسی تخیل، سرگرمی، جوش عمل اور زور بیان کے مالک ہوتے، مذہب اور شاندار عہد ماضی کی پر شکوہ روایات کے اثر سے پیدا ہو جائیں والا (حالات کے خلاف) یہ جذبہ نفرت (جس میں مایوسی بھی شامل تھی) کہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کے بعد اب ہم انہی لوگوں کے مقابلہ میں بطور امیدوار میدانِ عمل میں کیا اتریں جن پر کل تک ہمارا حکم چلتا تھا۔ اور سب سے بڑھک مسلمانوں کی ناقابلِ تخریر عظمت، بے حسی، کام اور محنت سے جی چڑھانا اور آرام و آسائش کی قربانی دیکر مستقبلِ تعمیر کرنے پر آمادہ نہ ہونا

مکرم ۱۹۰۷ء میں یہ نظر آنے لگا کہ جو قومیں اور فرقے اس نازک اور اہم دور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے وہ نامرادوی اور مایوسی کے گڑھے میں پڑے رہیں گے۔ مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ اب ان کیلئے علیحدگی سیاست کی تنگ کوٹھڑی سے باہر نکلنے کا وقت قریب آگیا ہے چاہے کہ اپنی قومی اہمیت اور تاریخی روایات کی قوت پر اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کیا جائے اب وہ قناعت کے مکانات میں تصدیق کے بُت کے آگے ہاتھ باندھ کھڑے رہنے کی پالیسی سرائی چکے تھے۔ اب گذشتہ عظمت کا تصور باندھ ہوئے بیٹھے رہنے کی فرصتوں کی انھیں کوئی تپنا نہ رہی تھی۔ کیونکہ اب یہ صاف صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اگر دیر لگائی تو حالات کے دربار میں مستقبل کی بہتری بٹ بٹا کر ختم ہو جائیگی اور ہم محروم و نامراد رہ جائیں گے۔ لیکن میں قوم کے بوڑھے، جوان، جہاں دیں اور نو آسموز سبھی تھے۔ انھوں نے آپس میں بات چیت کر کر ایک دوسرے کو زمانہ کے تیور بتائے، وقت کے ہواؤ کا رخ دکھایا، اپنی قوم کی حالت پر نظر کی، دوسروں کی حالت دیکھی اور یہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے اس جدید

جذبہ کو بھاپ کی مانند اڑنے نہیں دیا جائیگا۔ قوم کی تنظیم ہو ہی رہی تھی۔ مسلم لیگ شترکہ قومی پلیٹ فارم بن ہی چکی تھی۔ یہ طے کر لیا گیا کہ موقع پڑنے پر اسی پلیٹ فارم سے آواز اٹھائی جائیگی۔

حکومت متفکرات | اس زمانہ میں لارڈ منٹو نے ان باتوں سے ناواقف نہیں تھے۔

(وائس رائے) بنے تھے۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے: ہم گورنمنٹ آف انڈیا موجودہ حالت کی طرف سے انکھیں بند نہیں کر سکتے۔ سیاسی فضا تبدیلی سے لبریز ہے۔ ایسے سوالات ہمارے روبرو ہیں جنہیں ہم نظر انداز کر نہیں سکتے۔ اور جن کے جوابات دینا کرنے کی ہمیں لازمی طور پر کوشش کرنی ہے۔ اور مجھے تو یہی بات سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے کہ پہل ہماری ہی طرف سے ہو۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ایسی پوزیشن میں نہ آنے دیا جائے کہ ہندوستان کے ریجنی ٹیشن یا برطانیہ کے دباؤ سے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے معلوم ہوں۔ سب سے پہلے ہم ہی کو گورو پیش کے حالات کا اعتراف کرنا چاہیے اور ہم ہی کو ملک معظم کی حکومت کے سامنے وہ رائیں پیش کرنی چاہئیں جنہیں قلم کر نیکاحق ہمیں ذاتی تجربے اور ہندوستان کی روزمرہ کی زندگی سے قربت کی وجہ سے پہنچتا ہے۔ چنانچہ لارڈ منٹو اور وزیر ہند لارڈ وارلے نے ہندوستان کی بے چینی کا اہل مطلب سمجھتے ہوئے اس پر آمادگی ظاہر کی کہ ہندوستان کی حکومت میں جو فی الوقت صرف انگریزوں ہی کے ہاتھوں میں ہے ہندوستانیوں کو بھی حصہ دیا جائے۔

طو مارے اصلاحیہ شاہی تحقیقاتی کمیشن ۱۹۰۸ء | اس وقت تک ہندوستانیوں کو حکومت میں یہ حصہ ملا

تھا کہ صوبائی کونسلوں میں حکومت کا کچھ کام ہندوستانی ممبروں کو بھی دیدیا گیا تھا۔ یہ کونسلیں اپنے اپنے صوبوں کیلئے قانون تو بناتی تھیں تاہم انھیں گورنر جنرل کی مرکزی حکومت کی پابند تمام ہندوستان پر ہمہ گیر اختیار حکمرانی اسی کو حاصل تھا۔ یہ بات محسوس کی جا رہی تھی کہ جب کچھ معاملات ایسے ہیں جنہیں صوبوں کی حکومتیں مرکزی حکومت کے اثر سے آزاد رہتے ہوئے خود بھی اپنے

طور پر اچھی طرح طے کر سکتی ہیں تو مرکزی حکومت کا ان میں دخل دیتے ہوئے حکومت کی ساری باگیں اپنے ہی ہتھ میں دبائے رکھنا فضول سی بات ہے۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ کون کون سی اختیارات صوبوں کی حکومتوں کو دیئے جاسکتے ہیں ایک کمیشن مقرر ہوا۔ کمیشن سارے ہندوستان میں گڑھ کرتا پھر اسٹینڈرٹوں سرکاری اور غیر سرکاری شہادتیں لینے اور حالات کی بہت کافی چھان بین کر نیکے بعد آخر ۱۹۰۶ء میں اس نے اپنی یہ رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کر دی کہ صوبوں کی حکومتوں اور ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل آفیسروں کے اختیارات کو بڑھا کر ان میں خود اپنی ذمہ داری پر کام کر نیکی گنجائش اس طرح پیدا کر دی جائے کہ صوبوں کے افسر زیادہ آزادی سے کام کر سکیں مگر بریں مرکزی حکومت کو ماتحت

شاہی کمیشن کی سفارشوں پر عمل کرتے ہوئے ایک نیا وزیر ہند لارڈ مارلے کا پیسج (مرام) قانون بننے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء

میں وزیر ہند نے حکومت ہند کے پاس ایک سرکاری مراسلہ بھیجا جس میں آئینہ اصلاحات کے بارے میں تجویزیں درج تھیں۔ مراسلہ کے دو بنیادی اصولوں میں سے پہلا اور زیادہ نمایاں اصول یہ تھا کہ قانون سازی اور انتظام کے اختیارات انگریزوں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیئے جائیں۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ ملکی مفاد پر اثر ڈالنے والے معاملات کے بارے میں ہندوستانیوں کی رائے بھی ضرور سنی جائے

وزیر ہند کے مراسلہ سے ہندوستانیوں کو معاملات حکومت میں مشورہ دینے کے حق کے سوا اور کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ ہندوستانیوں کے انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں دونوں کے خیال میں یہ اصلاحات ناکافی تھیں

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، مراسلہ کو اعتبار مسلمانوں کیلئے مخلوط طریقہ انتخاب سے مسلمان اقلیت کو تسلیم کر دیا گیا۔ بالکل ناکام رہا۔ اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک اور تین کے تناسب میں رکھ کر مسلمانوں کے مطالبات کا وزن گھٹا دیا گیا۔ تعدا کے اعتبار سے تو یہ تناسب درست تھا مگر ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت کے پیش نظر یہ بالکل نامناسب تھا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ایک تارہ تہی

قوم ہونے کی حیثیت سے جس نے صدیوں تک ہندوستان کی تاریخ بنائی ہے یہیں مخصوص مراعات ملنی چاہئیں۔ مسلمان ایک مخصوص سیاسی اہمیت کے مالک ہیں۔ اور جہاں تک ہندوستان کے ڈیفنس (فوجی تحفظ) کا سوال ہے حکومت صرف مسلمانوں پر حصر رکھتی ہے۔ مراسلہ کے پیراگراف نمبر ۱۹، ۱۲، ۱۱، ۱۳، اسی موضوع پر تھے۔ پیراگراف نمبر ۹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ کونسلوں میں مسلمانوں اور زمینداروں کے کافی نمائندوں کے بغیر کوئی نظام نمائندگی مکمل نہ ہوگا۔ پیراگراف نمبر ۱۱ میں مسلمانوں کو علاقائی ادارہ ہائے انتخاب میں حق رائے دینے کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تعداد کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہا تو ان کو ڈبل ووٹ کا حق مل جائیگا۔ پیراگراف نمبر ۱۲ میں اعدادی حق رائے دہی کے ذرائع کا ذکر تھا اور پیراگراف نمبر ۱۳ میں یہ بتایا تھا کہ اقلیتوں کی حفاظت ہوگی۔ کل بادی کے تناسب سے ہر حصہ آبادی کو نمبر بھیجنے کا حق ہوگا۔ اور نامزدگی کی جگہ انتخاب کمی پوری کی جایا کرے گی

مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس اترتیسرا ۱۹۰۸ء
۲۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو امرتسر کے مقام پر آئرنیل سرسید علی امام کی صدارت میں مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں یہ اہم سوال پورے زور شور کے ساتھ زیر بحث آیا پہلے روز اجلاس کی دسویں نشست کا تمام وقت (دھائی بجے سے ایک چھ بجے شام تک) گورنمنٹ آف انڈیا کی ریفارمز ایکٹ پر غور و خوض کرنے کیلئے وقف کر دیا گیا اور اسی سلسلے میں وزیر ہند کے مراسلہ پر بھی بحث ہوئی۔ آئرنیل سرسید علی امام نے کرسی صدارت سے تین روزہ بیٹھن پیش کئے جنہیں میں وزیر ہند لارڈ مارے اور وائسرائے ہند لارڈ ملٹو کا اس فراخ دلانہ پالیسی کے لئے جو ریفارمز ایکٹ والے مراسلہ میں ظاہر کی گئی تھی شکریہ ادا کیا گیا۔ دوسرے میں اس امر پر اظہارِ افسوس کیا گیا کہ مراسلہ میں کھلے طور پر اس بات کی تصدیق نہیں کی گئی ہے کہ حکومت میں حصہ دیتے وقت مسلمانوں کی حیثیت کا وزن صرف ان کی تعداد کے مطابق نہیں بلکہ ان کی سیاسی اہمیت اور تاریخی وقعت کے لحاظ سے عقر کر کیا جائے گا حالانکہ وائسرائے ہند نے اکتوبر ۱۹۰۷ء کے وفد کو یہ یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور تیسرے

ریو ویشن میں وزیر ہند کے مراسلے کے پیرا گراف نمبر ۱۲ کا حوالہ دیکر اس پر اظہار افسوس کیا گیا کہ مراسلے کی زبان مبہم سی ہے جس سے مذکورہ پیرا گراف کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے کونسلوں میں نشستیں تو محفوظ ہوں گی مگر وہ ان نشستوں کیلئے جدا گانہ انتخاب ممبر بن سکیں گے بلکہ ان کا انتخاب ہندو مسلمان ملکر مخلوط انتخاب کے ذریعہ کریں گے

سرکاری مراسلے پر سر علی امام کی برسرِ تنقید ۱۹۰۸ء میں مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تحفظ حقوق کا تھا جو آنے والی اصلاحات میں حقوق محفوظ کرانے سے حل ہو سکتا تھا۔ اس کام کیلئے قوم کی زہری کی باگ سی مکمل قانونی آدمی کے ہاتھوں میں دینے کی ضرورت تھی چنانچہ سر علی امام کو جو اپنے زمانے کے بڑے بہت مقتض تھے اجلاس امرتسر ۱۹۰۸ء کا صدر بنایا گیا تھا۔ انھوں نے اس اجلاس کیلئے جو خطبہ صدارت لکھا تھا اس میں وزیر ہند کے مراسلے کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ وہ ماہ نومبر میں منظر عام پر آیا وہ خطبہ صدارت اس سے پہلے چھپ کر تیار ہو چکا تھا۔ اس کی تلافی سر علی امام نے ایک زبردست طویل تقریر سے کی جس میں انھوں نے وزیر ہند کے مراسلے کے حسن و قبح پر ایسی قابلیت سے روشنی ڈالی کہ اس کا ہر گوشہ مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ ان اصلاحات سے جن کی تجویزیں مراسلے میں ہیں۔ ملک بالکل مطمئن نہ ہو گا کیونکہ حکومت میں اہل ملک کو کوئی حصہ دیا ہی نہیں گیا ہے۔ ان کے نمائندے صرف صلاح مشورہ دے سکیں گے۔ مراسلے میں مسلمانوں کی جو حق تلفی کی گئی تھی اسے انھوں نے بہت کافی شرح و بسط کیساتھ بیان کیا۔ آخر میں کہا۔ ”صرف نشستوں کی ایک تعداد ہمارے لئے دہیا کر دینے اور تحفظ کے اس اصول کو انتخابی اداروں تک وسعت نہ دینے سے تو کونسل جمیر کو ہمارے لئے قباہی کا گھر بنایا جا رہا ہے۔ اس سے اقلیتوں کے ہاتھ پاؤں بندھ جائیں گے اور وہ اکثریت کے رحم و کرم پر ہونگی۔ اس طرح کونساؤں میں بیٹھنے والے مسلمان عمیر قوم کے افراد تو ہوں گے مگر ناپائیدار نہ ہوں گے۔ اس سے مسلمانوں کی قومی زندگی تباہ ہو جائیگی“ سر علی امام کی تقریر کے بعد دوسرے نمایاں مسلمانوں نے بھی اس مسئلہ پر تقریر کی۔ خان بہادر میاں محمد شفیع بار ایٹھ لائے کہا

ہندوستان کے ستر ملین مسلمان اس ملک کی باقی آبادی کے ساتھ مشترک اغراض رکھتے ہیں مگر پھر بھی وہ ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کے بعض ایسے مخصوص مفاد ہیں جو ہندوستان میں انکے وجود کیلئے ضروری ہیں۔ ایسی حالت میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ کوئی ایسی لیفائزر اسکیم مکمل نہیں کی جاسکتی جو ہندوستانی مسلمانوں کو قابل قبول نہ ہو۔ اور جو ان کیلئے ظاہری نہیں بلکہ حقیقی نمایندگی کا بندوبست نہ کرے۔ چونکہ لارڈ مارے کے مراسلے کی اسکیم مسلمانوں کے اس حق کو نظر انداز کر رہی ہے اس لئے میں صاحب صدر کی تجویز عل اور ع کی توثیق کرتا ہوں مگر وزیر ہند کا شکریہ ادا کرنے کو اپنا فرض خیال نہیں کرتا کیونکہ ان کی اسکیم سے ہمارے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔“

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بار ایٹ لا علی گڑھ نے کہا: ”موجودہ تحریک ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم نشان راہ ہے مگر یہ بات صاف ہے کہ اگر مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور انھیں اپنے حقوق محفوظ کرنے ہیں تو انھیں ایسی حیثیت ملنی چاہئے کہ وہ معقول طور پر اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔“

مولوی رفیع الدین احمد بار ایٹ لا بمبئی نے کہا: ”ہندوستان کو کوکل سیلف گورنمنٹ دیتے ہیں مسلمانوں کو ان کے حقوق حفاظت کی گمانی نہ دینا غیر دانشمندانہ ہے۔“

آزیز خان بہادر سید نواب علی چودھری دہاکہ نے کہا: ”اسکیم سے جو انتخابی ادارے بنتے ہیں ان میں اکثر صوبوں میں ہندو صاحبان کی اکثریت ہوگی۔ جو مسلمان ہندوؤں سے ہمدردی رکھتا ہوگا اسے ہندو اکثریت کے ووٹ اس مسلمان سے زیادہ مل سکیں گے جسے مسلمان قوم ترجیح دیتی ہوگی۔ اس طرح جو مسلمان منتخب ہوگا وہ مسلمانوں کا کام کرے گا یا ہندوؤں کا؟ مشترکہ انتخاب سے مسلمانوں کے مفاد کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ ہندوانی مخالفت کو اپنی اکثریت کی رو میں بہا لی جائے گی اور وہ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کریں گے کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچتا ہے یا نہیں۔ اس سے بچاؤ کیلئے میونسپلیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، لوکل بورڈوں اور میونسپلیٹی کونسلوں میں مسلمانوں کی نشستیں مقرر کر دی جائیں اور ان کے لئے

ممبر چنے کا حق مسلمانوں کو دیا جائے۔

مولانا محمد علی کی برسرِ وقت تقریر | ایک سے اس اجلاس میں مسٹر محمد علی بھی شریک تھے جو اس وقت ریاست بڑودہ میں محکمہ افیوں کے افسر علی تھے اس

سے پہلے انہوں نے ۱۹۲۶ء میں ایک کی بنیاد رکھنے میں بھی پیرانہ سال سیاستدانوں کے دوش بدوش کام کیا تھا۔ سید نواب علی چودھری کے بعد ان سے بھی تقریر کرنے کیلئے کہا گیا۔ مسٹر محمد علی نے اس فرمائش پر انگریزی زبان میں تقریر کی۔ طویل ہونے کے باوجود یہ تقریر اس قدر پر معلومات اور دلچسپ تھی کہ سامعین مسحور ہو گئے۔ انگریزی زبان پر عبور رکھنے کے معاملے میں محمد علی آکسن پہلے ہی سے مشہور تھے۔ مگر اب اس تقریر سے یہ کھلا کہ وہ ادب کی چاشنی رکھنے والی زبان میں سیاسی مسائل حل کر دینے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ سر علی امام نے نہایت فاضلانہ انداز میں قانونی پہلو سے لارڈ مارلے کے مراسلے پر روشنی ڈالی تھی۔ مسٹر محمد علی آکسن نے ایک اور پہلو سے بحث شروع کی۔ انہوں نے کہا: ہندوستان کی سیاسی اختلافات رکھنے والی جماعتوں کی تقسیم علاقہ جاتی نہیں ہے بلکہ اعرادی ہے۔ اس کے علاوہ اس ملک میں مذہبی اختلاف ہر قسم کے اختلاف کی بنیاد ہے۔ چونکہ انگلستان میں سیاسی تقسیم علاقہ جاتی تقسیم سے ہوتی ہے اس لئے لارڈ مارلے نے ہندوستان سے ناواقفیت رکھنے کی وجہ سے ہندوستان پر بھی اسی قسم کی اسکیم عائد کر دی جو انگلستان میں چل سکتی ہے۔ لارڈ مارلے نے مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کر کے مسلمانوں کو معاملات حکومت میں بولنے کا موقع تو دیدیا ہے مگر مخلوط انتخاب رکھ کر ایسا ڈھنگ ڈال دیا ہے کہ بولنے والے مسلمانوں کے ہونٹ اور ان کی زبانیں تو مسلم ہونگی مگر آواز برہمن کی آواز ہوگی۔ ہم یہ شکایت کیا کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کو عیسیلیوں کو نسلوں میں ممبر نہیں بنایا جاتا۔ اب یہ شکایت اس طرح دیر ہوگی کہ ہمارے ہمارے ہمارے ہی گلا کاٹنے کے لئے تیز کی جارہی ہے۔

”اتحاد کے علمبردار یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مفاد ہندوؤں سے مختلف نہیں ہے اگر خیال خواہش ہی سے پیدا ہوتا ہے تو میں ان کے اس دعوے کے جواب میں یہ کہوں گا۔“

کہ خدا ایسا ہی کرے۔ مگر ہمیں دوہرے معنی رکھنے والے سیاسی تصورات سے برباد نہیں ہونا ہے جب وہ مفاد کا ذکر کریں تو ہمیں پوچھنا چاہئے کہ مفاد سے ان کا کیا مطلب ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختتامی مفادات تو بیشک یکساں ہی ہیں۔ وہ اس وقت بھی یکساں تھے جب سیوا جی نے اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی یا جب بنکم چندر چٹرجی کے ناول انڈیا میٹھ راجس میں ہندو ماتزم کا گیت ہے، میں ہریان کی کئی قصا موجود تھیں۔ ان معنوں میں تو ساری انسانیت کا مفاد ایک ہی ہے کیونکہ سب انسانوں کے اختتامی مفاد یکساں ہیں۔ مگر انتظام حکومت پولیس، مجسٹریٹ، ججوں، جیوری اور بحیثیت کوئٹلوں کے خاص طور پر منتخب کئے ہوئے عمیدوں وغیرہ قسم کے قیمتی آلات حکومت کا وجود اس وقت تک اسلئے ہے کہ انسان ابھی تک سب کے سب اپنے ضروری فرائض کے انتہائی بلند تصور تک پہنچے نہیں ہوئے ہیں، اور ہم ابھی تک اس جنت ارضی کے اندر داخل نہیں ہوئے ہیں جہاں طاقتور کمزور کی دیکھ بھال ہی کرتا ہے، جہاں چور امیر آدمیوں کی املاک کی حفاظت ہی کرتا ہے جہاں سفید فام استعمار پسند یا دھام کاٹا ریشمی کی بھلائی کے لئے ہی زندہ رہتا ہے۔ اور جہاں ستر تنگ اور مسٹر کو کھلے ہم سب کے بچلے کے لئے ہی کام کرتے ہیں۔

سیاست میں انسانوں کے اختتامی مفاد کا نہیں بلکہ فوری اور قریبی مفاد کا سوال ہوتا ہے۔

”انڈین ڈیلی نیوز“ نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے حق پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آزاد مقابلے سے سیاسی طور پر بیدار ہوتی ہوئی مسلمان قوم کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر نمائندگی کے معاملے میں آزاد مقابلے کا سوال ہی کیا ہے۔ کیا انگلستان اس سے مطمئن ہو جائیگا کہ میک کی بین الاقوامی عدالت میں جہاں قوموں کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ ہوتا ہے، انگلستان کے نمائندے آزاد مقابلے سے چنے جائیں اور انگلستان اس آزاد مقابلے میں ان یورپین قوموں کا مقابلہ کرے جو تعداد میں اس سے بڑی ہیں بحیثیت کوئٹلوں کی ممبری کوئی فائدے کی آسانی تو ہے نہیں۔ یہ تو ان سب

مختلف قوموں کی طرف سے جن کے مفاد جدا جدا ہیں اس قانون ساز جماعت میں اپنے نمائندے بھیجنے کا معاملہ ہے جسے ان سب کے لئے ان سب کی متحدہ خواہشوں سے قانون بنانے کا کام سونپا جاتا ہے۔ اس میں کمزور کو کچل دیا نہیں جاسکتا۔

”علمبرداران اتحاد کی ایک دلیل جداگانہ انتخاب کے خلاف یہ بھی ہے کہ اس سے مذہبی اختلافات بڑھ جائیں گے۔ ”یہ مذہبی اختلاف بڑھنے“ کی ترکیب بھی خوب ہے۔ کیا اختلافات پہلے ہی سے کافی نہیں بڑھے ہوئے ہیں؟ کیا گورنمنٹ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے اقلیت کی حفاظت کا بندوبست کئے بغیر علاقہ جاتی حق رائے دیدی گئی؟ ہم سب مذہبی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں نیک خواہشات پر نہیں بلکہ واقعات کی بنیادوں پر عمارت تعمیر کرنی چاہئے۔ سیاست نام ہے حقیقت کی بنیاد پر مثالی چیز بنانے کا۔ ہمیں گورنمنٹ کے ہر اس قدم کی مذمت کرنی چاہئے جو استحکام کو انتشار میں بدلتا ہو۔ اگر ہندو مچھلی کا اپنا پچھلا ریکارڈ اس سے مختلف اور بہتر نہ ہو تو مسلمان مچھلی کو گورنمنٹ کے ڈالے ہوئے چارے پر آگے لپکنے سے روکنے کا کیا فائدہ۔ صور متحدہ کے ایک سابق فلڈنٹ گورنر کی، جو اب دوسروں کی سیاسی غلطیوں کی مذمت کر رہا ہے، زبردست سیاسی غلطی ابھی ہمیں فراموش نہیں ہونی چاہئے۔ کیا اتحاد کے علمبردار اس مزید چارے کو خلق سے نیچے نہیں تار گئے تھے؟ اور کیا اس کے بعد انھوں نے اپنے لاڈلے اکبر اور اس کے جانشینوں کی شاندار لشکری زبان اردو کے ہر فارسی اور عربی لفظ کا بائیکاٹ شروع نہیں کر دیا تھا؟ انہوں نے عرب اور عجم کی ٹکسال کے وہ چمکدار سکتے خس و خاشاک کی نظر کر دیئے جن سے ہمارا متحدہ خزانہ مالا مال تھا۔ میری خواہش ہے کہ میرے ہندو بھائی اس تلخ مگر مفید حقیقت کو سمجھیں کہ جب الوطنی یا اتحاد تو سیدھے راستے پر چل کر ہی ہو گا دچاہے وہ راستہ کتنا ہی لمبا ہو، پگڈنڈیوں سے (راستہ قطع کر کے) نہیں ہو سکتا۔

”مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں اتحاد کے ایک اور تصور کا بھی چرچا ہے، جو

روحانیت پرستوں کا دیرینہ خواب ہے۔ اس تصور کا لب باب نروانہ ہے یعنی محدود فنا ہو کر
غیر محدود میں مل جائیگا۔ یہ ممکن ہے کہ ہمارے ہندو دوست اس تصور کو کسی قسم کے الجھے
ہوئے معنی پہناتے ہوئے اقلیت کا اکثریت میں نروانہ ہو جانے کی آرزو رکھتے ہوں مگر انہیں
یاد رکھنا چاہئے کہ جو اتحاد اقلیتوں کے خاتمے کے ذریعے سے کیا جاتا ہے، اس کا اکثریت پر
برابر عمل ہوتا ہے۔ اور بہر حال مسلمان عام طور پر زندہ رہنے پر مصر ہوئے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے
کہ مخلوط انتخاب چاہئے وائے ہر ہندو کی نیت خراب ہے اور وہ ہمیں پھانسی کر برباد کرنا
چاہتا ہے مگر ایک غیر محفوظ اقلیت اکثریت کے موجودہ لیڈروں کی نیک نیتی ہی پر تو بھروسہ
نہیں کر سکتی۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم صرف وعدوں پر نہیں رہ سکتے
مسٹر محمد علی آکسن کے بعد دیگر اہل رائے نے تقریریں کیں۔ مسٹر شیخ عبدالقادر بار ایٹ لا
ڈپٹی نے کہا ”ہم پر لا رڈ مارے کا شکریہ ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ مسٹر یعقوب سن مدراس نے
کہا ”مدراس کی صوبائی لیگ نے بھی اسی مضمون کا ریزولوشن منظور کیا ہے“ خواجہ گل محمد پٹیل
”میں شیخ عبدالقادر صاحب (ڈپٹی) کی تائید کی خواجہ احمد شاہ رئیس لدھیانہ مالک اخبار
اویزور نے کہا ”ریزولوشن نمبر دو اور تین کو منظور کر لیا جائے اور شکریہ لے کی تجویز اس وقت
تک کے لئے روک لی جائے جب اسکیم میں مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق تبدیلی ہو“
نواب وقار الملک نے کہا ”جو چیزیں مسلمانوں کو پسند ہیں صرف ان کے لئے شکریہ ادا کرنے
میں کیا حرج ہے“

خواجہ احمد شاہ نے ترمیم روک لی۔ تینوں تجویزیں منظور ہو گئیں متفقہ طور پر یہی
فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو ان تجویزوں کی بنیاد پر ایک ایڈریس تیار کر کے
وائسرائے ہند کی خدمت میں پیش کرے اور بہت جلد ایک وفد بھی لے جایا جائے
کمیٹی میں یہ اصحاب لئے گئے۔

نواب وقار الملک بہادر۔ دی آر نیل نواب ڈاکہ۔ دی آر نیل خان بہادر
سید نواب علی چودھری۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بار ایٹ لاڈ مسٹر فضل حسین بار ایٹ لا

خان بہادر میاں محمد شفیع باریٹ لاء شیخ عبدالعزیز ایڈیٹر "اوبزرور" ذوالنہیر حسین خیال
مسٹر یعقوب حسن (مدارس)، مسٹر مظہر الحق باریٹ لاء (دسکری کمیٹی) مولوی فیح الدین احمد
باریٹ لاء (مسٹر محمد علی بی، اے ڈاکسن) مسٹر نبی اللہ باریٹ لاء (مسٹر شیخ عبدالقادر مسٹر سید علی نام
(صدر کمیٹی) مسٹر عبدالسلام رفقی۔ خان بہادر خواجہ یوسف شاہ۔ خان بہادر شیخ غلام صادق
مسٹر عبدالعزیز باریٹ لاء (پشاور) حاجی محمد موسیٰ خان قائم مقام آنریری سکریٹری مسلم لیگ
اس کمیٹی کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ کے طرف سے ایک وفد انگلستان بھیجے جو وزیر ہند سے ملکر
ان کے سامنے مسلمانوں کی خواہشات اور ان کے سیاسی مطالبات کو زیادہ سے زیادہ وضاحت
اور زور سے پیش کرے۔

اس اجلاس کی دوسری تجویزیں | اس اجلاس میں کل ۱۴ تجویزیں منظور ہوئیں (۱)،
(۲)، (۳) کے علاوہ (۶) کا بھی ذکر اوپر آ گیا ہے۔

باقی تجویزوں میں سے (۴) میں ہندوستان بھر کے میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں
کے لئے نشستیں معین کروینے کا مطالبہ کیا گیا (۵) میں والٹر اے اور گورنران مدراس اور
بمبئی کی ایگزیکٹو کونسلوں میں مسلمان ممبر لینے کی درخواست کی گئی (۶) میں گورنر بمبئی سے یہہ
مطالبہ کیا گیا کہ وہ صوبہ بمبئی کی مسلم لیگ کے مطالبات پر توجہ کرے (۷) میں گورنر منڈ
آف انڈیا کے ذریعہ سے وزیر ہند کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ہندو لا اور محمدن لا کے صحیح
استعمال کے لئے پریومی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں ایک ہندو اور ایک مسلمان جج بھی
رکھا جائے (۹) میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا جائز حصہ طلب کیا گیا (۱۰) میں
حکومت سے اوقاف کی حالت کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے
کی درخواست کی گئی (۱۱) میں وقف کے بارے میں اسلامی قانون کو غلط سمجھے جانے
کی وجہ سے مسلمان خاندانوں پر جو برا اثر پڑتا ہے اسے روکنے کے لئے ایک ایسی قانون
کی ضرورت ظاہر کی گئی جس سے وقف واقف کے ورثا اور خاندان کو فائدہ پہنچا سکے
اور غبن و خیانت وغیرہ سے محفوظ ہو جائے (۱۲)، (۱۳) اور (۱۴) کا تعلق بنگال کی شہریت

اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں سے تھا۔

لیگ کے تیسرے اجلاس کی اہمیت | لیگ کا تیسرا اجلاس مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ اس اہمیت کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے اور ہر زاویہ نگاہ کے مسلمان اپنی قوم کے سیاسی مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کے لئے امرتسر اور کشمیر کے شالوں سے دہلی بنے ہوئے پنڈال میں جمع ہو گئے تھے بلکہ جو تجویزیں اس اجتماع میں منظور ہوئیں درتجویزوں کے حق میں جو دلائل اور پُرزور تقریریں کی گئیں ان سے حکومت اور ہندوؤں پر مسلمانوں کی خواہشات اور ان کا زاویہ نگاہ اچھی طرح واضح ہو گیا اور مسلمانوں کی رائے عامہ کی بھی رہنمائی ہو گئی۔

اجلاس کے فیصلے سے ہندوستان کے مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے لیگ کے مطالبہ کو سینکڑوں پلیٹ فارموں سے دہرایا۔ ہزار ہا مقامات پر مسلم انجمنوں اور جماعتوں کے زیر انتظام جلسے ہوئے ان جلسوں میں جداگانہ حق نیابت کی تائید میں تجویزیں منظور ہوئیں اور ان کی نقلیں وائسرائے اور وزیر ہند کو بھیجی گئیں۔ سینکڑوں مقامات سے حکومت کو یادداشتیں بھیجی گئیں مسلمانوں کی اس سیاسی سرگرمی سے ملک، قوم اور حکومت سب نے گہرا اثر قبول کیا۔

لیگ کا وفد لندن | اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ لیگ اپنے نمائندے لندن بھیجے اور وہ لیگ کے مطالبات کی وزیر ہند کے سامنے وضاحت کریں۔ یہ کام لیگ کی شاخ لندن کو سونپا گیا اور اس نے ایک وفد ترتیب دیا جس کے قائد سید امیر علی تھے۔ لندن کے وفد نے وزیر ہند سے ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ ہندوستانیوں کو ملکی حکومت میں حصہ لینے کا جو موقع دیا جانے والا ہے مشترکہ انتخاب رکھنے سے اس میں مسلمانوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وزیر ہند نے جواب دیا کہ میں مخطوط انتخاب پر زور نہیں دیتا۔ برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام میں وزیر اعظم برطانیہ نے بھی سود قانون

پر تقریر کرتے ہوئے یہی کہا کہ مسلمانوں کے لئے انتخاب میں ایک جداگانہ جبرٹر رکھا جائیگا مگر خود مسلمان اس معاملے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ایک گروہ کہتا تھا کہ مسلمانوں کو مشترکہ انتخاب کا اصول مان لینا چاہئے کیونکہ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل ملاپ اور اتفاق و اتحاد بڑھ گیا ورنہ وہ ہندوستان کی اکثریت رکھنے والی قوم سے دور رہ کر ترقی نہ کر سکیں گے۔ اس رائے کے اصحاب تعداد میں کم تھے۔ دوسرا گروہ یہ رائے رکھتا تھا کہ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کے مطالبے پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے جہاں تک ہندو مسلم اتحاد کی اسپرٹ کا تعلق ہے اس گروہ کے افراد بھی اسکے مخالف تو نہ تھے۔ مگر ان کا سیاسی عقیدہ یہ تھا کہ مشترکہ انتخاب سے ہندوؤں مسلمانوں میں ایسے جھگڑے پیدا ہو جائیں گے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

۱۹۰۹ء میں انڈین کونسل ایکٹ کے **انڈین کونسل ایکٹ اور مسلمانوں پر اس کی اثر** نام سے برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا اسی کو نٹو مارے ریفرنڈم بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ مسٹر مارے وزیر ہند اور لارڈ نٹو والسرائے ہند کی سعی و کوشش سے وجود میں آیا تھا۔ اس سے صوبوں کی کونسلوں کو حکومت کے انتظامی شعبے پر پہلے کی بہ نسبت زیادہ قابو حاصل ہو گیا۔ مگر کوئی انتظامی ذمہ داری ان پر اب بھی نہیں ڈالی گئی۔ عملاً ان کونسلوں کی حیثیت مشورے دینے والی مجلسوں سے زیادہ نہیں تھی۔ البتہ اس سے ہندوستان کی ایسی دستور سازی ترقی کی بنیاد ضرور پڑ گئی۔ ہندوستان کی قانون ساز کونسلوں کو اس سے پہلے ہی دعوت دی گئی تھی مگر اس مرتبہ جس طریقہ سے ان کو زیادہ وسیع کیا گیا اس کے بعض پہلو ایسے تھے جو ہندوستان کے سیاسی ارتقا کے لئے پر اہم اور قابل ذکر نشا نہاے راہ ہیں۔ ہندوستانیوں کو کونسلوں میں تجویزیں پیش کرنے، بجٹ پر بحث کرنے، سپلینڈر می سوالات دریافت کرنے کی اجازت ہو گئی۔ ہندوستانی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی بننے لگے۔

انڈین کونسلز ایکٹ سے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آئینی و دستوری طور پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق تسلیم کئے گئے۔ ریفا رمنز کے نتیجے کے طور پر آنریبل سید علی امام جو ایک زیر دست قانون داں اور اہل سیاست تھے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے۔ ہندوستان کی انتظامی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ہندوستانی شریک کار کے طور پر ایگزیکٹو کونسل میں وائسرائے کے ساتھ بیٹھا۔ یہی کونسل اپنے وجود کے لئے لارڈ منٹو کی کوششوں کی رہن منت تھی اور لارڈ موصوف کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں تھی کہ ان ہی نے پہلی بار اس کی صدارت کی۔ اسی طرح وزیر ہند کی کونسل میں بھی آنریبل مسٹر مرزا عباس علی بیگ ممبر بنائے گئے جس سے مسلمانوں کو وزیر ہند کی کونسل میں حصہ نمائندگی ملا۔ مگر مسلمانوں کو کچھ یاوہ سبیاں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ پنجاب میں انجینس امپرنیل دشاہی کونسل میں جداگانہ نمائندگی کا حق نہیں دیا گیا۔ صوبہ متوسط اور ہرار میں یسٹلینٹ کونسل قائم ہی نہیں ہوئی۔ اور وہاں کے مسلمانوں کے لئے امپرنیل کونسل میں نمائندگی کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔ تاہم بحیثیت مجموعی مسلمانوں نے ریفا رمنز کو قبول کر لیا۔

باب

مسلم لیگ کا نیامیدان عمل

ہندو مسلم اتحاد کی کوشش

دسمبر ۱۹۴۷ء میں دہاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام کل کی سی بات ہوتی ہے۔ مگر اس تاریخی واقعہ کو پورے تین سال گزر چکے ہیں۔ اپریل ۱۹۴۸ء اپنی تمام پیدگیوں اور بھینبیوں کو نازک حالات کے دامن میں لئے ہوئے ہندوستان کے مطلع زندگی پر نمودار ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے ان تین برسوں میں اپنی قومی تقدیر بنانے کے لئے جو زبردست جدوجہد کی ہے اس نے اپنے بیگانے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ صرف تین سال کے مختصر عرصے میں انھوں نے حکومت وقت سے ہندوستان میں اپنا جداگانہ قومی وجود تسلیم کرایا ہے اور ان کی قومی تنظیم حیران کن رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔

اس مرحلے کو طے کر لینے کے بعد مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ایک نئے میدان عمل میں داخل ہوئی۔ مطالبات تسلیم کرنے کے بعد مسلمان ہندوؤں سے اتحاد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اب وہ اس بات پر غور کرنے لگے تھے کہ اپنے ان حقوق کے علاوہ جو صرف ہماری قوم کے ساتھ مخصوص ہیں وہ ملکی مفادات کون کون سے

ہیں جو ہم میں اور ہندوؤں میں مشترک ہیں اور وہ کون سے میدان ہیں جن میں ہم اور ہندو ایک ساتھ کام کر سکتے ہیں۔ ۱۹۱۷ء کے آغاز ہی سے دونوں قوموں کے نمایاں رہبروں کی توجہ اتحاد کے ذریعوں پر لگی ہوئی تھی۔ انگلستان میں سر آغا اور صدر کانگریس سر ڈیو ویڈ برن میں ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں بات چیت بھی ہوئی اور ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی جائے اور ان سب باتوں پر گفتگو کر کے جو تنازعہ کی وجہ بنی ہوئی ہیں، کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیا جائے جس سے ہندو مسلم متحد ہو کر ملک کے فائدے کے لئے کام کر سکیں۔

۱۹۱۷ء کے آغاز میں ہندوستان کی حالت | انڈین کونسلز ایکٹ سے ہندوستان میں انگریزی راج کی تاریخ میں ایک

نیا باب شروع ہو رہا تھا۔ ہندو مسلمان ایک نئے دور کی پوکھٹ پر کھڑے تھے۔ انکا خیال تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کو انگریزوں نے اہم اور قیمتی مراعات بخشی ہیں اور وہ مغربی لائسنس پر اس مشرقی ملک کو قدم بقدم چلا رہے ہیں۔ مگر ان مراعات کے باوجود فضا میں شدید بے چینی موجود تھی۔ ملک ابھی تک ہلچل اور انقلاب کے دور سے گزر رہا نہیں چکا تھا۔ بغاوت کے اثرات برابر اپنا کام کر رہے تھے۔ کئی انگریزوں کی جائیں، مہبازوں اور تشدد پر عقیدہ رکھنے والے ہندوستانی نوجوانوں کے ہاتھوں ضائع ہو چکی تھیں۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں کشیدگی تھی۔ دونوں طرف کے بعض اخبارات اور جماعتیں برابر اختلاف کی آگ کو ہوا دیتی رہتی تھیں آریہ سماجی اخبارات اس کام میں بہت پیش پیش تھے۔ مگر مسلمان ان اختلافات کو فراموش کر کے ملکی ترقی کے مطالبات میں ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے پر آمادہ تھے۔ وہ نئے ایکٹ کے تناسب سے نمائندگی سے مطمئن تھے اور ان ہندوؤں اور کانگریسیوں (جیسے آر بیل مسٹر سہنا اور سرفراز شاہ پٹنہ) کے بھی ممنون تھے جنہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی اس لئے تائید کی تھی کہ اس طرح نظام حکومت میں مسلمانوں کی صحیح نمائندگی ممکن تھی۔ ان دنوں مشتعل

کا طوفان بھی اٹھا تھا۔ مسلمان قوم کو اس قسم کے حملوں سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں میں مزید تعلیم پھیلائی جائے اور ان میں پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ سیاسی بیداری پیدا ہو۔ اس وقت تک لیگ کی صوبائی شاخوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور جو شاخیں تھیں ان میں اور مرکزی مسلم لیگ میں کوئی مضبوط رشتہ نہ تھا۔ لیگ کو یہ کام بھی انجام دینا تھا۔ قانون وقت علی الاولاد کے جو معنی برطانوی عدالتیں نکال رہی تھیں اور ان کی روشنی میں وقف کے مقدمات کا جس طرح فیصلہ کیا جا رہا تھا اس سے بہت سے مسلمان خاندان تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اس آفت کا دفعیہ بھی ضروری تھا۔

لیگ کا تیسرا اجلاس دہلی ۱۹۳۱ء لیگ کے دونوں گذشتہ سالانہ اجلاس دسمبر ہی کے مہینوں میں ہوئے تھے۔ مگر ۱۹۰۹ء میں اجلاس

دسمبر میں نہ ہو سکا بلکہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۱ء کو دہلی پورے ایک ماہ بعد دہلی میں سنگم تھیٹر میں ہوا جسے آج کل نشاط سینما کہتے ہیں۔ اس جلسے میں تین سو ڈیڑھ گھنٹہ اور تقریباً چار ہزار وزیٹروں کے لئے گنجائش رکھی گئی تھی۔ مگر شرکاء اس کثرت سے آئے کہ سنگم تھیٹر کے وسیع اور خوشحال میں تل دہرنے کو جگہ نہ رہی۔ اس اجلاس کے صدر منتخب آنریبل سر غلام محمد علی خاں بہادر شہزادہ ارکات تھے جو کرناٹک کے مسلمان حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر دہلی کے نامور رئیس حافظ المکرم حکیم حافظ محمد علی تھے جو بعد کو ملک کے سب سے زیادہ باوقار سیاسی رہبروں میں شمار ہوئے۔ ہندوستان کے تمام گوشوں سے مسلمان قوم کے ہر طبقہ و خیال کے نمائندہ اور چیدہ افراد اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے آئے تھے۔ دہلی والوں نے بھی اجلاس سے اتنی دلچسپی لی کہ مقررہ وقت تک ہال، دالانچیاں، پرآمدہ اور زینہ غرض چپے چپے پر آدم ہی آدم تھا۔ اجلاس کی سیاسی اہمیت یہ تھی کہ حکومت برطانیہ کا اس بنا پر شکریہ ادا کرنے کے لئے کہ اس نے ان کے سیاسی حقوق کا اعتراف کر لیا اور ہندوستان کی دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کے جائز مفاد سے ہمہ ردی اور اشتراک عمل کا عندیہ اس بنا پر ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ان کے ہموطن تھے

مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو حکومت اور ہوطنوں کے روبرو اپنے سیاسی عقیدے کا اظہار کرنا تھا۔ یہ اجلاس اس وجہ سے بھی اہم تھا کہ اب سے پہلے تو لیگ کا اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے ساتھ ہی ہوا کرتا تھا مگر اس اجلاس سے لیگ کے جداگانہ وجود کو تسلیم کر لیا گیا جو مسلمانوں کی سیاسی بیداری کی نمایاں علامت تھی۔

سر آغا خان ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر | سر آغا خان نے جو لیگ کے مستقل صدر تھے ایک افتتاحی ایڈریس پڑھا۔ وقت کا اہم ترین مسئلہ

ہندو مسلم اتحاد تھا۔ اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا: اب جبکہ ہمیں جداگانہ انتخاب حاصل ہو گیا ہے، مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ دونوں ہمسایہ قوموں کے افراد کے درمیان ایک مستقل سیاسی ہمدردی اور ایک حقیقی ملاپ ہو گا..... مجھے اس بات پر زور دینے میں کوئی تاثر نہیں ہے کہ جب تک ہندو اور مسلمان ان تمام امور میں جو اس ملک کی نشوونما سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک عمل نہ کریں گے، دونوں میں سے کوئی ایک بھی اپنے جائز دعوؤں کو پوری طرح نشوونما نہ دے سکے گا اور نہ ان کے امکانات کے لئے پوری گنجائش نکلیے گی۔“

دی ایئرٹ انریبل سید امیر علی کلہا سہت افزا پٹنجا | انریبل سید امیر علی نے جو مسلمانوں کے

مسلمانوں کا کام کر رہے تھے حاضرین اجلاس کو یہ پیغام بھیجا تھا: مجھے خلوص کے ساتھ بھروسہ ہے کہ وہ دونوں بڑی بڑی قومیں جس پر ہمارے مز کا اثر سب سے زیادہ پڑے گا اپنے مشترکہ ملک کے لئے یکجا نکت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کریں گی۔ حکومت خود اختیاری کے خواب کی نشوونما اور تکمیل ان دونوں کے اشتراک عمل پر منحصر ہے۔“

سر آغا خان نے اپنے ایڈریس میں عوام کے لئے مفت ابتدائی تعلیم کی ضرورت زراعت کے ترقی دینے کے سائل اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی حالت پر بھی بحث کی اور مسلمانوں کے لئے ایک مسلم یونیورسٹی کے قیام کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

شہزادہ ارکاٹ کا خطبہ صدر | اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی رہبری میں

سر آغا خان اور رائٹ آزیمل سیرامیر علی بہت پیش پیش تھے۔ اس لحاظ سے اس اجلاس کی صدارت کا تاج عورت سیرامیر علی صاحب کے سر پر رکھا جانا چاہئے تھا۔ مگر وہ اصلاحات کی رو سے انگلستان میں پریوی کونسل کی چوڈیش کمیٹی میں لے لئے گئے۔ اور ہندوستان نہ آ سکے۔ ستر سنہا کو وائسرائے کی انتظامی کونسل میں نامزد کیا گیا تھا۔ اس لئے شہزادہ ارکاٹ نے اپنے خطبہ صدارت میں ان کے صدر نہ بننے پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ میری جگہ وہ زیادہ مناسب ہوتے۔

جداگانہ نیابت پر کمیٹی کے چینی جواب | بعض حلقوں میں اصلاحات کی اس بنا پر مخالفت کی جا رہی تھی کہ اس میں جداگانہ انتخاب اصول

تسلیم کر کے ہندوستان کی قوموں کے درمیان آمنی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ شہزادہ ارکاٹ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا "صرف جداگانہ نیابت ہی دو مختلف وزنوں کی قوموں کے درمیان اس کھینچا تانی کو کم کر سکتا ہے جو مختلف نسلوں اور مذہبوں کے امیدواروں کے ایک ہی اعزاز کو حاصل کرنے کی کوششوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ حال ہی کے لیجسلیٹو کونسلوں کے انتخاب میں بعض ایسی جگہوں پر جہاں مخلوط انتخاب ہے مسلمان چناؤ میں آگئے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود جو ہمارے ہندو بھائی کہتے ہیں غیر جانبدارانہ طور پر حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہیں محض اتفاقی طور پر کامیابی حاصل ہو گئی ورنہ ہندوؤں نے عموماً اپنی ہی پسند کے امیدواروں کو رائیں دیں۔ ہندوؤں کا پروپیگنڈا کرنے والا طبقہ ان اتفاقاً کامیاب ہو جانے والے امیدواروں کے انتخابات کو ہی مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی مذمت کے لئے استعمال کر رہا ہے۔۔۔۔۔ میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر کبھی ہندوستان میں اتحاد ہوا تو وہ ہمارے بعض ہمنظموں کی اختیار کردہ اس تنگ نظرانہ پالیسی سے نہیں ہو گا کہ ہر اعتبار سے دھڑوں کو اپنا ہمارے بنایا جائے اور ان آراء اور جذبات کی اہمیت کو کم کیا جائے جو ہماری رائے

کے مطابق ہوں بلکہ وہ فراخ دلی کے ساتھ اختلافات کو ماننے اور ملک کی بہتری کے خیال سے سب کو ان کا جائز حصہ دینے کی پالیسی سے ہو گا۔ آپ نے ہر صوبے میں ایک انگریزی اخبار جاری کیا جانے اور مسلم یونیورسٹی کے لئے تحریک شروع کرنے اور اردو کو ترقی دینے کی ضرورت بھی ظاہر کی تقسیم بنگال کے خلاف ایچیٹن پھر شروع ہو گیا تھا۔ شہزادہ ارکاٹ نے یلے ظاہر کی کہ حکومت اپنے وعدوں کے مطابق تقسیم کو منسوخ نہ کرے گی۔

اجلاس کی تجویزیں | انڈین کونسل ایکٹ پر اظہارِ اطمینان کیا گیا۔ تجویز کی تائید کرنیوالوں میں جوکرٹی صدارت کی طرف سے پیش ہوئی تھی آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع لاہور آنریبل سید نواب علی چودہری بنگال، اور سید وزیر حسن صاحب وغیرہ تھے۔ ناسک، کلکتہ اور احمد آباد وغیرہ میں بمبارنوجوانوں نے کئی انگریزوں کو مار ڈالا تھا، اس پر انارکسٹ تحریک کی مذمت کی گئی۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تناسب کے مطابق سرکاری نوکریاں دے۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ مسلم لیگ صرف سیاسی جماعت ہونے تک محدود نہ رہے بلکہ یہ مسلمانوں کی معاشرتی، صنعتی اور اقتصادی اصلاح کا کام بھی شروع کرے۔ ہندو مسلم اتحاد پر بھی بار بار زور دیا گیا۔

ہر شعبہ حکومت تک جداگانہ نیابتیں | اس اجلاس میں جو تجویز آنریبل مولوی رفیع الدین احمد باریٹ لاہور نے جداگانہ نیابت کو حکومت کے ہر شعبے میں رائج کرنے کے بارے میں پیش کی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ آئندہ ایک مدت تک اس تجویز کو دہرایا جانا رہا تجویز کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک تو حکومت کے تمام خود اختیاری شعبوں میں جداگانہ نیابت کا اصول رائج کر دیا جائے دوسرے مرکزی اور صوبائی کونسلوں میں مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کر دی جائیں تاکہ ریفارمز اسکیم کامیابی سے عمل میں آسکے اردو کے خلاف جو کوششیں کی جا رہی تھیں ان پر اظہارِ افسوس کیا گیا۔ مسٹر محمد علی بی۔ اے (داکسن) نے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں سے

ہمدردی کی تجویز منظور کرائی وہاں رنگ اور نسل کا امتیاز قائم کر کے یوروپین ان پٹلم کر رہے تھے
 مسٹر منہری ایس پولک بھی جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے اجلاس
 میں موجود تھے۔ انہوں نے ایک محرکہ آرا تقریر کر کے وہاں کے حالات بتائے۔ علیگڑھ کالج سکو
 یونیورسٹی بنادینے کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ ہنرمانس سر آغا خاں اور امیر علی صاحبان کی خدمات
 کا اعتراف کیا گیا۔ سر آغا خاں کو مزید دو سال کے لئے لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ انھوں نے
 آل انڈیا مسلم لیگ کو چار ہزار اور اس کی شاخ لندن کو ڈیڑھ ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا۔ اور دوران
 اجلاس میں ان کے اپیل کرنے پر دوسروں نے بھی معقول عطیات دینے کے وعدے کئے یہ سارا
 چندے کی آمدنی سولہ سو روپے ہو گئی۔ تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار کی رقم اس کے علاوہ اسی وقت
 اکٹھی ہوئی۔ وقار الملک بہادر لیگ کے سکریٹری تھے۔ مگر وہ سبکدوش ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ
 میر سید حسن بلگرامی سکریٹری بنے۔ وہ انگلستان چلے گئے کیونکہ وہاں ان کو مجوزہ ریفرنسز کے
 بارے میں بہت کچھ مفید کام کرنا تھا۔ اب ان کی جگہ مولوی محمد عزیز صاحب آئری سیکریٹری
 بنائے گئے۔ وہ ایک طویل مدت تک ریاست حیدرآباد کے جوڈیشل پولیس اور جنرل سیکریٹری
 کے عہدے پر کام کر کے اب وہاں سے سبکدوش ہوئے تھے۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب
 (علیگڑھ) اور سیار وزیر حسن صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی، لکھنؤ مان کے جو انٹ سکریٹری بنے
 اب تک لیگ کا صدر دفتر علیگڑھ میں تھا۔ آئندہ کے لئے لکھنؤ کو صدر مقام بنایا گیا۔ اور
 یکم مارچ ۱۹۱۷ء کو وہاں صدر دفتر کھلا۔

مسلمانوں کے اوقاف کی حفاظت کا سوال | لیگ کے اس اجلاس میں دو تجویزیں
 اوقاف کی حفاظت کے سلسلے میں بھی پیش ہو کر منظور ہوئیں پہلی تجویز میں حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ اوقاف کی حالت کے بارے
 میں تحقیقات کرے۔ دوسری میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قانون بنایا
 جائے۔ ان تجویزوں کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ پریوی کونسل کی جوڈیشل عدالتی
 کمیٹی نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ کسی شخص کا اپنے خاندان یا ورثہ کے لئے زمین یا جائیداد

وقف کرنا محمد بن لاہ (اسلامی قانون) کا جز ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اسلام سرمایہ داری کا تو یقیناً مخالف ہے اور وہ دولت کی مساوی تقسیم پر بھی زور دیتا ہے مگر اس نے جائیدادوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بائبل تباہ ہو جانے سے بچانے کے لئے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ ایک شخص اپنے خاندان یا ورثہ کے حق میں زمین یا جائیداد وقف کر سکتا ہے۔ اس سے صد ہا مسلمان خاندان تباہی و بربادی سے محفوظ چلے آتے تھے۔ بعض زمیندارسی تھیں جو صرف اس اصول کی وجہ سے مسلمانوں کے آغاز حکومت کے زمانے سے اب تک دستبردار یا م سے محفوظ رہی تھیں۔ مگر پریومی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے سے فائدہ اٹھا کر مفسدہ پرداز لوگوں نے اوقاف کو عدالتوں کے ذریعے سے تڑوانا اور مسلمان خاندانوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ قانون انگریزی کی رو سے بھی جائیداد خاندان یا ورثہ کے نام چھوڑی جاسکتی ہے۔ مگر مسلمانوں پر چونکہ صرف اسلامی قانون نافذ ہوتا ہے اس لئے مروجہ انگریزی قانون کے ماتحت جائیداد وقف کرنے کا انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قانون کے اصول وقف کو نہ ان کر پریومی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے ایک مسلمان کو اپنے خاندان کے نام جائیداد وقف کرنے کے حق سے کلینٹا ہی محروم کر دیا۔

وقف علی الاولاد کا مفہوم

رسول پاک صلعم کی وفات کے بعد اسلامی قانون کی اساس قرآن ہند رسول احادیث اجماع اور قیاس پر پڑھی بعد کو اسلامی قانون کے بارے میں مسلمانوں میں چار گروہ ہو گئے۔ برطانوی ہند اور تمام عالم اسلام میں ان میں سے حنفی عقیدے کو ولایت حاصل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگردوں حضرت ابویوسف اور حضرت امام محمد نے اسلامی قانون کو بڑی قابلیت سے منظم کیا اور ان کے بعد سب جگہ اسی کو مستلہ اسلامی قانون سمجھا گیا۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک وہ چیز وقف ہے جس پر مالک کا اختیار ختم ہو جائے اور جو خداوند کریم کی راہ میں دے دی جانے کے بعد اسی کی ہو جائے اور اس کا فائدہ اس کے بندوں کو پہنچے۔ جائیدادیں وقف کرنے کا رواج سب قوموں میں ہے۔ مگر اسلامی قانون کی رو سے وقف

کو فروخت نہیں کیا جاسکتا، نہ اسے تحفہ یا بطور وراثت کسی کو دیا جاسکتا ہے۔ ساری جائداد کسی ایک وارث کو نہیں دی جاتی بلکہ اس سے تمام ورثا کی پرورش ہوتی ہے۔ یہ اسلام کی نظر میں واقف کا کارثواب ہے جس کا اسے اجر ملیگا۔ ہر اس ملک میں جہاں اسلامی قانون ہے اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ فرقوں کا اختلاف بھی اس کی تعمیل میں مانع نہیں آتا۔ بریوی کونسل کی جو ڈیش کمیٹی کو لفظ خیرات سے مغالطہ ہوا حالانکہ اسلامی قانون کی رو سے خیرات صرف غیروں ہی کو نہیں اپنوں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ خود پائی اسلام صلعم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اپنے ورثا اور عزیز واقربا کو دینا بھی اتنا ہی ثواب کا کام ہے جتنا غربا یتامی، محتاج اور مساکین کی امداد کرنا ہے۔ بریوی کونسل کی جو ڈیش کمیٹی نے اول بار ۱۸۸۹ء میں یہ سوال اٹھایا کہ وقف از راہ خیرات نہیں ہونا چاہئے۔ سر سید احمد خاں نے جو وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے فوراً جو ڈیش کمیٹی کے اس فیصلے کے خلاف آواز بلند کی اور اس بارے میں وہ ایک مسودہ قانون سامنے لے آئے مگر سرکاری حلقوں سے مدد نہ ملنے کی وجہ سے وہ مسودہ نامنظور ہو گیا۔ ۱۸۹۴ء میں جو ڈیش کمیٹی نے اپنے ۱۸۸۹ء کے فیصلے کو نہ صرف دہرایا بلکہ یہ بھی قرار دیا کہ خاندان کے نام جائداد نہ چھوڑتے ہوئے اس وقف کرنا یہ یعنی سہیات ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جائداد کو اس طرح وقف کرنا کہ تاحین حیات اس کی آمدنی واقف کو اور اس کی وفات کے بعد اس کے ورثا کو ملتی رہے ہندوستان میں قانوناً ناممکن ہو گیا۔ اور سارے سابقہ اوقاف ٹوٹ گئے۔ کلکتہ کی محمدن ایسوسی ایشن نے سر سید احمد خاں کا مسودہ قانون حکومت کو بھیجا۔ مگر اس نے یہ جواب دیا کہ ایسا قانون بنانے سے خراب نتائج برآمد ہوں گے مسلمانوں کو حکومت کے اس رویے پر یہ اعتراض تھا کہ اس نے معاملے کی اصلیت پر غور ہی نہیں کیا۔ ہم حکومت سے یہ درخواست نہیں کرتے کہ وہ مسلمانوں پر کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو اسلامی قانون کا جزو نہ ہو بلکہ اصول وقف علی الاولاد کو جو اسلامی قانون کا جزو ہے جو ڈیش کمیٹی کے کہنے پر عمل پذیر ہونے سے باز نہ رکھا جائے۔

باب

نئے میدان عمل میں چند قدم

نئی فضا میں، نئے ارادے | مسلم لیگ کا بنیادی مقصد تو یہی تھا کہ مسلمانوں میں سیاسی

بیداری پیدا کی جائے۔ مگر اس دور کے مسلمان رہسوروں
 بالخصوص سر آغا خاں اور سید امیر علی صاحبان نے اجلاس ۱۹۱۱ء کے موقع پر قوم کو پیشورہ
 دیا کہ تمام کوششوں کو محض سیاست کے لئے وقف کر دینے سے مسلمان قوم کی ذہنی اور
 اقتصادی ترقی کو نقصان پہنچے گا اور مسلمان صرف ایچیٹر دشورش کرنے والے، بن کر
 رہ جائیں گے، اس لئے کام تقسیم کر لینا چاہئے۔ اس کام کے چار شعبے ہوں (۱) سیاسی
 (۲) تعلیمی (۳) اقتصادی (۴) معاشرتی۔ اجلاس کے بعد جب عزیز مرزا صاحب نے
 حیثیت آزریری سکرٹری مسلم لیگ کی تنظیم کا کام سنبھالا تو انھوں نے سب صوبائی
 لیگوں کو اس جدید حیات بخش پروگرام کی طرف متوجہ کیا۔ پنجاب کی مسلم لیگ نے
 اس پر کامیابی کے ساتھ عمل شروع کر دیا۔ اب لیگ کے صدر دفتر کے فالوئرز اس
 کی ذمہ داریاں بڑھنے لگیں۔ عمل بڑھایا گیا۔ خط و کتابت کا کام وسیع کیا گیا۔ گزشتہ سال
 میں دفتر سے صرف ۳۳۷۸ خطوط گئے تھے مگر اس سال ۶۷۳۰ خطوط گئے۔ مسلم لیگ
 کا صدر دفتر اب براہ راست حکومت ہند سے خط و کتابت کرنے لگا۔

سرکاری ملازمتیں اور جداگانہ نیابت | مسلمانوں کو ان کے تناسب اور قومی
 وقار کے لحاظ سے سرکاری دفتروں

میں ملازمین ملنے کے بارے میں جو تجویز اجلاس دہلی ۱۹۱۸ء میں منظور ہوئی تھی اس کی نقل حکومت ہند کو بھیجی گئی۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر کر دیتی گئی کہ ہم حکومت سے کوئی غنایت نہیں چاہتے مگر جب اہل مسلمان مل سکتے ہیں اور موجود ہیں تو ان کے مطالبات پر کیوں توجہ نہیں دی جاتی۔ حکومت کی طرف سے یہ ہمدردانہ جواب موصول ہوا کہ جن جن صوبائی حکومتوں میں مسلمانوں کی اس بارے میں حق تلفی ہو رہی ہو ان کے سامنے مسلمان اپنی شکایتیں رکھیں اور اگر حکومت ہند کے سامنے اس سلسلے میں کوئی یادداشت رکھی جائے گی تو وہ اس پر پوری ہمدردی کے ساتھ غور کرے گی اس کے بعد محکموں کے بڑے افسروں کی ہمدردی حاصل کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان امیدواروں کی درخواستوں پر زیادہ ہمدردی طریق سے غور کیا جانے لگا۔ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جداگانہ نیابت کے بارے میں ماہ مارچ ۱۹۱۸ء میں صدر دفتر لیگ نے مسلمانوں کی خواہشات سے حکومت کو مطلع کیا اور حکومت نے جواب دیا کہ شاہی کمیشن کی سفارشات ابھی زیر غور ہیں۔

مسٹر جناح کا وقت بل پیش کرنا کارادہ | مسلم لیگ کی طرف سے حکومت پر قانون وقت بنانے کے لئے زور دیا گیا تو حکومت نے کہا کہ وہ صرف جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے کو توڑنے کے لئے تو کوئی قانون بنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ البتہ مسلمان اپنی طرف سے کوئی معینہ تجویز رکھیں تو حکومت اس کی امداد کرے گی۔ یہی جواب حکومت نے امپیریل کونسل میں جناح صاحب کو بھی دیا تھا جنہوں نے اس ضمن میں سوال اٹھایا تھا۔ اس پر لیگ نے یہ تجویز سوچی کہ جناح صاحب کونسل کو ایک مسودہ قانون وقف علی الاولاد کے مضمون پر بھیج دیں۔ جناح صاحب پہلے ہی اس مسئلے میں سید دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے ایک مسودہ قانون تیار کرنے کا ارادہ کر لیا تاکہ کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش ہو سکے۔

اردو زبان کیلئے کوششیں | ہندوؤں کے بعض سرکردہ لیڈر صوبائی متحدہ

پنجاب اور بہار میں اردو کی بیخ کنی کے لئے زبردست کوششیں کر رہے تھے۔ اور اس کی جگہ دیوناگری کو رائج کرنا چاہتے تھے۔ لیگ نے بتایا کہ ہم آپ کے ہندی کو پھیلانے کے ارادوں کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر اردو پر جو چھپے حملے کئے جاتے ہیں ان پر لیگ لٹکارے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ مذہب کے بعد اردو زبان ہی ایک ایسی چیز ہے جس نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک رشتے میں باندھ رکھا ہے۔ صوبائی لیگوں کے سکریٹریوں کو لیگ کے صدر دفتر سے برابر یہ ہدایت ہوتی رہی کہ وہ دیکھتے رہیں کہ اردو زبان بولنے والوں کو فہرست مردم شماری میں اردو بولنے والا دکھایا جا رہا ہے یا نہیں۔

اس زمانے میں کئی صوبوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہوئیں جیسے پرما، صوبہ متوسطہ و برار، مشرقی بنگال اور آسام وغیرہ۔ اور اس کے ممبروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ جا بجا مسلمانوں نے کلب قائم کئے۔ صوبائی مسلم لیگوں نے ان کلبوں کے قیام میں خوب امدادی۔ مسلمانوں کے ذہنوں کی سیاسی تربیت کے لئے کافی مقدار میں سیاسی لٹریچر شائع کیا گیا۔ اور مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد واضح طور پر لوگوں کو بتائے گئے۔

مسلم لیگ کا چوتھا سالانہ اجلاس ناگپور ۱۹۲۸ء
 ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ناگپور کے

اجلاس منعقد ہوا۔ ناگپور کے ایک دور افتادہ مشہر ہونے کے باوجود اجلاس میں لوگ بکثرت شریک ہوئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے ذہنی غفلت دور کر دی ہے اور وہ دوسری قوموں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ لکھنؤ کے مشر فی الدین بیسٹ کو اس اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ وہ مسلمانوں میں چوٹی کے بیسٹروں میں شمار ہوتے تھے۔ ایک قایم خاندان میں جنم لینے کے باوجود وہ علیگڑھ کالج کے سب سے پہلے داخل ہونے والے طلباء میں سے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس اور اردو ہندی ایچی میٹن میں انہوں نے بڑی سرگرمی سے کام کیا تھا۔ مشر فی الدین نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے ہی کو سب سے پہلے چھیڑا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہوئے ہندوؤں کو یقین دلایا

کہ ملازمتوں اور اردو ہندی کے سوالات کے علاوہ باقی کوئی ایک ملکی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ متفق نہوں۔ اور یہ مشورہ دیا کہ ہندو مسلمان رہبروں کو گاہ بگاہ کسی ایک جگہ مجتمع ہو کر آپس میں تبادلہ خیالات کرنا چاہئے تاکہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ انہوں نے سرولیم ویڈرن کی اس عاقلانہ تجویز کا خیر مقدم کیا کہ ہندو مسلم لیڈروں کی ایک کانفرنس اتحاد کی بات حیت کے لئے طلب کی جائے۔

وقت کے اہم مسائل پر بحث تازہ ریفارمز اور ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے کے علاوہ اس وقت مسلمانوں کے سامنے چند دیگر اہم مسائل بھی تھے، جیسے

اردو ہندی کا جھگڑا، پریوی کونسل کی یہ غلط فہمی کہ شریعت اسلامی کی رو سے وقت چھوڑنا درست نہیں ہے، مسلمانوں کے لئے لازمی ابتدائی تعلیم، ریفارمز کے مطابق ملازمتوں میں مسلمانوں کو ان کا حصہ دلوانا، حکومت کے ان تمام اداروں میں جہاں خود اختیاری رائج کی جا رہی تھی مسلمان کے لئے جہاگانہ نیابت و انتخاب۔

اردو ہندی کا سوال اردو ہندی کے جھگڑے کے سلسلے میں اجلاس کی تیسری نشست میں شیخ ظہور احمد باریٹ لالہ آباد نے اردو کو اس

کے دیرینہ مقام سے ہٹائے جانے کی مخالفت کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کی تاکہ کزنیالوں میں مسٹر محمد یعقوب دمراد آبادی ازبیل مولوی فریح الدین احمد اور مسٹر محمد علی بی، لے (آکسن) تھے۔ مجوز نے اپنی تجویز پر ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ املاک ہے۔ ۱۸۶۷ء میں پہلی بار یہ کوشش کی گئی تھی کہ اردو کی جگہ ہندی یا ہندوستانی کو ہندوستان کی قومی زبان بنایا جائے۔ اور ہندی کے حامی جو بہت محدود تعداد میں تھے حکومت کو ترغیب دیکر بعض صوبوں میں اپنے مطلب کی تجویز میں منظور کرا لینے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ مگر ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں اس کے خلاف زبردست طوفان مخالفت اٹھا۔

”ہندی زیادہ سے زیادہ رعایت کے ساتھ بھی زبان نہیں کہی جاسکتی۔ یہ مقامی بولیوں

کابلے ترتیب مجموعہ ہے۔ نہ ہندی میں مستند زبان ہے، نہ مستند ادب ہے اور نہ مستند
 ہتجہ ہیں۔ ہر شخص اسے اپنی مرضی کے مطابق لکھ سکتا ہے اور اکثر خود اپنی تحریر کو پڑھنے میں
 وقت محسوس کرتا ہے اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اس کے پڑھنے کے سات طریقے ہیں۔ ہندی
 کے حامیوں کا وہ گروہ جو خود کو سرگرم محب وطن قرار دیتا ہے اس مقامی بولیوں کے مجموعے
 کو جس کی زبان تلفظ اور ہتجہ تک ٹھیک نہیں ناگرمی کا خوشنما لباس پہنا کر اردو یا ہندوستانی
 زبان کی جگہ رکھ رہا ہے۔ وہ اردو و ناگرمی کے مقابلے میں کہیں زیادہ فائق، کہیں زیادہ بوج اور
 بچک کی مالک ہے اور ناگرمی سے زیادہ بہتر حروف رکھتی ہے، صرف اسلئے زندگی سے
 محروم کی جا رہی ہے کہ ہمارے بعض ہندو بھائی اردو یا ہندوستانی زبان کو بدیسی خیال
 کرتے ہیں اور یہ دکھانے کے لئے بے چین ہیں کہ انھیں مسلمانوں کی حکومت سے کچھ بھی
 نہیں ملا۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ اردو اس ملک کی زبان نہیں ہے۔ یہ ان زبانوں کے میل
 کا نتیجہ ہے جو آریہ نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے براہ راست نہ سہی بالواسطہ
 ہی سہی یہ ہندوستان کی سرزمین سے وابستہ ہے۔ جو لوگ صرف اس لئے سنسکرت ملی
 ہوئی ناگرمی کو از سر نو رواج دینا چاہتے ہیں کہ ویدوں کی مقدس کتابیں اس زبان میں ہیں، وہ مٹی
 کی ہوئی ایک لاش کو انسانی پھونکوں سے زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس حقیقت
 کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں کہ اس کام میں صدیوں لگیں گی تب کہیں ان
 کی لاڈلی زبان وہ مرتبہ حاصل کرے گی جو اردو کو اس وقت حاصل ہے۔ ہندی کے محب وطن
 حامی اپنے مقاصد کو کتنا ہی چھپائیں مگر میں ملک کے مستند لیڈروں سے یہ پوچھنا چاہتا
 ہوں کہ آیا یہ قدم متحدہ ہندوستان کے نصب العین کی جانب اٹھ رہا ہے؟

اردو ہندی سوال پر مولانا محمد علی کی تقریر | مولانا نے تجویز کی تائید میں کہا: ہم
 ایک ایسے دور کا آغاز کر رہے ہیں

جو امن و امان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی کا دور ہے، ہم کھلے ہوئے
 دماغ لیکر آباد جا رہے ہیں، اس پر خلوص امید کے ساتھ کہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں

کے تعلقات پیشتر کی بنسبت بہتر ہو جائیں گے۔ دونوں فرقیوں میں کسی ایک کا اس بات پر اصرار کرنا تو حماقت ہی ہو گا کہ وہ دوسرے کے تمام اجزائے عقائد کو تسلیم کرے۔ مگر دونوں اس پر اصرار کر سکتے ہیں کہ اتحاد اور موافقت کے جذبات کی کوئی یقینی نشانی سامنے آتی چاہئے۔ اور صرف اصرار کر ہی نہیں سکتے بلکہ انہیں اصرار کرنا چاہئے۔ اردو کے سوال کو میں ہندوؤں کے خلوص کی کسوٹی سمجھتا ہوں۔ ایک ایسی سرزمین میں جہاں ہر چیز متضاد تھی، جہاں نسلیں، مذاہب، رواج، شعیبہ ہائے معاشرت اور انداز فکر و عمل وغیرہ تہہ میں تضاد تھا ایک مشترک چیز ملک کی لنگا فراں کا اردو تھی۔ یہ اس زبان کی نشوونما اور اس کا تمام ممکنہ ذرائع عربی، سنسکرت اور انگریزی سے مضامین لیکر اپنا ذخیرہ بڑھانے کی خاصیت ہے جو مستقبل کی ہندوستانی قومیت کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں میں لسانی تعصب کا کہیں نام بھی نہیں ہے۔ فارس میں انھوں نے فارسی کو قائم رکھا اور اسے ترقی دی۔ ترکی میں انھوں نے سلطنت عباسیہ کو بر باد کرنے والوں تک کی زبان کو برقرار رہنے دیا۔ ہندوستان میں انھوں نے اسی سرزمین کی زبان کو اپنا لیا۔ کیا وہ اردو عرب یا فارس یا افغانستان سے لائے تھے؟ نہیں۔ بلکہ اسے انھوں نے ہندوستان کی لشکر گاہوں اور اس کی منڈیوں میں پایا اور اختیار کر لیا۔ ان الفاظ میں سے جو ان کے روزانہ میل جول میں استعمال ہوتے تھے اسی فیصدی الفاظ ایسے تھے جو ایک عرب یا ایرانی، یا ترک یا افغان کے لئے بے معنی تھے۔ مگر اس کے باوجود میں یہ دیکھتا ہوں کہ ایک صوبے میں جس سے ایک ہزار برس تک مسلمانوں کا سب سے زیادہ قریبی تعلق رہا ہے، فارسی اور عربی کے الفاظ کو بدیشی کہہ کر زبان کے ذخیرے سے خارج کرنے کے لئے زور لگایا جا رہا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک مہاجن چاندی اور سونے کے اس ذخیرے کو کوڑی پر پھینک دینا چاہتا ہو جس پر عرب اور فارس کی مہر لگی ہوئی ہو۔ کوئی ہندو مہاجن اصلی سونے اور اصلی چاندی کو صرف اس لئے نہیں پھینکے گا کہ وہ کسی بدیشی حکمسال کا ڈھلا ہوا ہے۔ مگر صوبجات تھی

اور پنجاب کے ہندوپی کر رہے ہیں۔ ایک ایسی قوم کا جو اپنی کفایت شعاری کے واسطے مشہور ہے، یہ طرز عمل حیران کن ہے مگر واقعہ یہی ہے۔ میں اس سال کانگریس کے اجلاس میں ایک وزیر اور جرنلسٹ (اخبار نویس) کی حیثیت سے شریک ہوا تھا اور میں نے آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ کی ایک تقریر سنی جس کی بابت پروگرام میں لکھا تھا کہ وہ ہندی میں ہوگی۔ وہ تقریر مسلمانوں کی سمجھ میں بالکل نہ آئی اور مالویہ جی کے صوبے کے ہندو بھی اس کا کچھ حصہ ہی سمجھ سکے۔ میں نے تجزاتی اور مرہٹی میں جتنی تقریریں سنی ہیں اس تقریر میں ان سے بھی زیادہ سنسکرت زبان کے الفاظ تھے اسی کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے الفاظ کو بڑی سختی کے ساتھ تقریر سے خارج کیا گیا تھا۔ جہاں ضرورت تھی وہاں بھی انھیں نہیں لایا گیا۔ مگر ایسے چند ایک عربی فارسی الفاظ تقریر میں داخل ہی ہوئے۔ سنسکرت کے مترجموں نے فوراً ان کے وجود پر اعتراض کیا۔ اور پھر ان کو زبردستی نکالنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد میں نے ایک تقریر سنی جو میری ہی درخواست پر کانپور کے ایک ہندو صاحب نے کی تھی۔ یہ تقریر بقول مقرر اردو زبان میں تھی۔ اس تقریر میں نہ صرف پیچیدہ اصولوں میں سنسکرت الفاظ استعمال کئے گئے تھے بلکہ صیغے تک ویدک زبانوں سے درآمد کئے گئے تھے۔ ایک تیسری تقریر کراچی کے ایک ہندو صاحب نے کی۔ پروگرام میں یہ لکھا تھا کہ یہ تقریر ہندی میں ہوگی۔ اس تقریر میں عربی، فارسی کے بہت سے مشکل اور ادق الفاظ تک تھے۔ جب تین ہندو کانگریس میں ہندی زبان کو تین طرح بولتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مردم شماری کرنے والوں کے کہے پر کچھ زیادہ اعتماد کرنا حماقت ہوگا۔ کم سے کم صوبہ متحدہ میں اردو پر قابل افسوس اسپرٹ میں حملہ کیا جا رہا ہے۔ دوسرے صوبوں میں اس پر ہندی کا لیل چسپاں کیا جا رہا ہے مجھے لیل کی اتنی پرواہ نہیں ہے۔ مگر چیز کی بڑی فکر ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے میں اردو کے سوال کو خلوص کی کسوٹی پر سمجھتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ

الہ آباد کی کانفرنس کا سب سے بڑا نتیجہ اردو کی ترقی ہو گا جو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دوسرے صوبوں میں بھی اردو کو برقرار رکھنا مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً صوبہ بمبئی میں ان پرائمری اسکولوں میں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اردو ہی میں تعلیم ہونی چاہئے۔ اردو کی بیخ کنی کر کے اردو کے مخالفین اس تنہا ذریعہ کو مٹا دیتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے لئے رہ گیا ہے۔

اوقاف کا مسئلہ | بمبئی کے قاضی کبیر الدین باریٹ لانے مسئلہ اوقاف پر ایک طویل اور جامع تقریر کی۔ اور پریوی کونسل کو اس کی غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اوقاف کی حفاظت کے لئے حکومت قانون بنائے قاضی صاحب کی تقریر مسئلہ اوقاف پر معلومات کا ایک خطیرہ اندھنی۔ پہلے آپ نے مسئلے پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی۔ پھر شریعت اسلامی کی مستند کتابوں سے حوالے دے دے کہ اوقاف کی صحت کو ثابت کیا اور یہ امپراطری کی حکومت مسٹر جناح کے اس بل کو منظور کرے گی جو عنقریب شاہی کونسل میں پیش ہونے والا ہے۔ اوقاف کی حالت کی تحقیقات کا مطالعہ بھی کیا گیا۔

دیگر تجویزیں | مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کرنے اور مقامی خود اختیار حکومتی اداروں میں انھیں جگہ گاہ نہایت دینے کی تجویز منظور ہوئی۔ اس مرتبہ بھی یہ تجویز مولوی رفیع الدین احمد باریٹ لاپونا نے پیش کی سیّد طفیل احمد فتح پور نے اس کی تائید کی۔ پرائمری تعلیم کو مفت اور لازمی کر دینے کی ضرورت جتائی گئی۔ اس پر زور دیا گیا کہ مسلمانوں کو ان کے وقار اور تعداد کی نسبت سے سرکاری ملازمتیں دی جائیں۔ ٹرانسوال میں جو ہندوستانی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی گئی اور مسلمانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ ان کی مالی امداد کریں۔ آئی ٹی اے ایس کے امتحان کی عمر میں ایک سال گھٹا دینے

پراٹھارا فسوس کیا گیا۔ انگلستان کی قانونی تعلیم کی کونسل نے یہ شرط لگا دی تھی کہ جو ہندوئی بیرسٹری پاس کرنے آئیں وہ کم سے کم گریجویٹ ہوں اور اپنے علاقے کے ڈسٹرکٹ ججسٹریوں سے چال چلن کے سرٹیفکیٹ لائیں۔ اس پر احتجاج کیا گیا۔ صوبہ متحدہ اور برار کے مسلمانوں کیلئے شاہی کونسل کے لئے ممبر بھیجے کا حق طلب کیا گیا۔ اس اجلاس کے وقت شہنشاہ ایدورڈ ہفتم کا انتقال ہوا تھا۔ اس پر اٹھارا فسوس کرنے کے ساتھ نئے شہنشاہ جارج پنجم کو تخت نشینی پر مبارکباد دی گئی۔ لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ مٹو ولسن اس ہند اپنی ملازمت کی مدت ختم کر کے سبکدوش ہوئے تھے۔ ان کی قیمتی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

اتحاد کانفرنس ۱۹۱۱ء | اجلاس ختم ہونے کے بعد سر آغا خاں کی قیادت میں چیدہ چیدہ مسلم لیڈروں کا ایک وفد نائیپور سے الہ آباد کو روانہ ہوا۔ جہاں کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ نوروز کے دن اتحاد کانفرنس ہوئی۔ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے سول لیڈر شریک ہوئے۔ ہندوستان کے چوٹی کے سبھی رہنما تھے۔ ساٹھ لیڈر ہندوؤں کی طرف سے تھے۔ جن میں سر نیر ناتھ بھرجی، گوکھلے، سر سندر لال، پنڈت مدن موہن مالویہ، سر تیج بہادر پٹیل، پنڈت موتی لال نہرو۔ لارڈ سنہا، مہاراجہ درجنگ، قابل ذکر ہیں۔ مسلمانوں کی طرف کے چالیس رہبر تھے جن میں سر آغا خاں، وقار الملک بہادر، سر ابراہیم رحمت اللہ، مسٹر محمد علی جناح، مسٹر حسن امام، مسٹر محمد علی راکسن، حکیم اجمل خاں، مسٹر شفیع احمد بارایٹ لا، مولوی ضیع الدین احمد بارایٹ لا، کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ سر آغا خاں اور مسٹر وڈربرن کی اختتامی تقریروں کے بعد ان تمام امور پر بحث ہوئی جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سبب تھے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی بنادی جائے جو ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے راہیں نکالے۔ اس کمیٹی کا پروگرام یہ تھا۔

(۱) ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کرانے والی پچاسیتیں اور کچھریاں قائم کرے (۲) مقدمہ بازی کو کم کرائے (۳) ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بائیکاٹ کرنے سے روکے (۴) اردو ہندی کے جھگڑے کو گھٹائے (۵) میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کے ممبروں کی مقررہ تعداد اور مسلمانوں کی نمائندگی کا خیال رکھے (۶) سود کی شرح میں کمی کرائے (۷) رہن رکھی ہوئی جائدادوں کے جبریہ فروخت کر دیئے جانے کا طریقہ بند کرے (۸) آریہ سماج کی اشتعال انگیز تحریک کی روک تھام کرے (۹) گاؤ کشی اور باجے کے جھگڑوں کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ملاپ کرائے۔ (۱۱) ہندوؤں کو کسی ایسے مسئلے پر زور دینے سے باز رکھے جو مسلم لیگ کی رائے میں مسلمان اقلیت کے لئے مضر ہو۔ یہ پروگرام ہندو مسلم اتحاد کے لئے بہت مناسب تھا مگر دونوں طرف کے انتہا پسند کانفرنس کے کئے ہوئے کام کو برباد کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ پنڈت مالویہ نے جو کانفرنس میں شریک اور اس کے فیصلوں کے پابند تھے، امپیریل کونسل میں کونسل ریگولیشنز پر ایک ریزولوشن پیش کر دیا۔ اس پر ایک ایسی جھٹ ابھی جو ہندو مسلمانوں کے تعلقات خراب کرنے کا سبب بنی۔ بریلی اور کلکتہ میں پنڈت بشن ناراین ورنے اپنی صدارتی تقریر میں جی بھر کے مسلمانوں کے سیاسی اغراض کو ہدف ملامت بنایا۔ انہوں نے ہندوؤں کو ہر جگہ ناگری رائج کرنے کا مشورہ دیا اور انھیں سمجھایا کہ ہندو ریاستوں میں اردو کو نکال کر ہندی چلا دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مسلمانوں کے جائگاہ انتخاب کے مطالبے کو مسلمان قوم کی تنگ نظری قرار دیا۔

مگر متعصب ہندوؤں کی اس قسم کی اتحاد شکن
کانگریس کے مخالف مسلمان | کوششوں کے باوجود مسلم لیگ دونوں
 قوموں کے مستند اور ستمیذروں سے معقولیت کے برتاؤ کی توقع کرتی رہی

اور اسے ہر حال میں یہ پرجوش امید رہی کہ معمولی درجے کے اختلافات سے ہندو کو ہندو مسلمان اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ پیدا کرنے میں کوشاں ہوں گے۔

لیگ کے اس طرز عمل پر جس میں پنڈت مانو یہ جیسے ہندو لیڈروں کے طرز عمل کے باوجود کوئی تبدیلی نہ ہوئی، بعض مسلمانوں کی طرف سے نکتہ چینی شروع ہوئی لیگ کے حلقوں میں ان لوگوں کی رائے کو غیر مآل اندیشی پر مبنی قرار دیا گیا۔ مگر ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو اس رائے کو حقیقت سے بالکل ہی متحرانہ سمجھتا تھا۔ اس طبقے کا اعتراض یہ تھا کہ مسلم لیگ کانگریس کمیٹی کی کارروائیوں میں حصہ لے کر اپنے وقار اور رفتار میں کو صدمہ پہنچا رہی ہے۔ مسلم لیگ کی پالیسی کے حامی اس طبقے کی رائے کو "جلد باز" بلکے افراد کی رائے، کہہ کر نظر انداز تو کرتے تھے مگر اتنی بات وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ مسلم لیگ کا کانگریس جیسی جماعت سے وابستہ ہو جانا اور ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ہندو مسلم اتحاد کی خواہش کا یہ مطلب کبھی نہیں ہو سکتا کہ لیگ کانگریس میں جذب ہونے پر آمادہ ہے۔

آگے چل کر جب تقسیم بنگال کی فسوخی سے نظام حکومت میں زبردست تبدیلیاں ہوئیں اور مسلمانوں کو ان کی چوٹ سہنی پڑی تو مسلم لیگ کانگریس سے اور بھی قریب ہو گئی۔ مگر لیگ کے ذمہ دار عہدیداران نے اس وقت بھی یہی کہا کہ جب تک ہمیں اچھی طرح یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کانگریس ہمارا خیر مقدم کس جذبے کے ساتھ کرے گی ہم لاابالیا نہ طور پر اس کے آغوش میں جا پڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ مسلمانوں کی سابقہ پالیسی میں کچھ نہ کچھ ترمیم ضرور ہونی چاہیے مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی عام تھا کہ مسلم لیگ کو خود اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے اور مسلم عوام کی سیاسی ذہنی تربیت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

سابقہ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ایک دروچ سے زیادہ شدت کیساتھ محسوس ہو رہی تھی

حکومتِ مسلم حقوق کے معاملے میں متذبذب
 نئے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کا

خیال یہ معلوم ہوتا تھا کہ منٹو مارلے
 ریفارمز سے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا جو حق ملا ہے وہ ہندوؤں کے لئے مضر ہے
 مثلاً یہ پوچھا جانے لگا تھا کہ میونسپل بورڈوں میں مسلمانوں کو جداگانہ نیابت دینے
 کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ جہاں تک صفائی، روشنی اور دیگر انتظامات شہر کا تعلق
 ہے سب ممبروں کو ان میں یکساں دلچسپی ہوگی خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ اس
 کے جواب میں سلمان یہ کہتے تھے کہ اپنی مشکلات کو وہی شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے
 جسے ان سے پالا پڑتا رہتا ہے۔ کیا اس قسم کی مثالیں موجود نہیں ہیں کہ سپلک مفاد کی
 آڑ میں میونسپلیٹیوں نے ہمارے قبرستانوں کی زمینیں ہتھیالیں اور قانون
 حصول آرائشی کے ماتحت سب سے پہلے مسلمانوں کی جائدادوں اور عمارات
 پر ہاتھ صاف کیا گیا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آبادی کے ان حصوں میں جہاں
 مسلمان بستے ہیں صفائی اور روشنی کے انتظامات اطمینان بخش نہیں ہوتے؟
 کیا یہ غلط ہے کہ میونسپل اسکول عام طور پر شہروں کے ان حصوں میں بنائے جاتے
 ہیں جہاں ہندوؤں کی گنجان آبادی ہے؟ کیا گوشت کی دکانوں کو میونسپلیٹی کی
 حدود سے زیادہ سے زیادہ دور کے فاصلہ پر پھینک کر مسلمانوں کو پریشان نہیں
 کیا جاتا؟ ان کا دعوے تھا کہ یہ ان بہت سی شکایات میں سے چند شکایات ہیں
 جو لوکل بورڈوں میں مسلمانوں کو جداگانہ حق نیابت نہ ملنے سے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ
 کہتے تھے کہ ان صوبوں میں جہاں سلمان خاص طور پر دوسری قوموں سے پیچھے ہیں
 (جیسے بنگال) وہاں ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈوں میں جداگانہ نیابت ملنے ہی
 سے ان کی شکایات کا ازالہ ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے نمائندے مسلمانوں کے حقوق
 کی ترجمانی کر سکیں گے اور اگر اس طریقہ سے ان کے حقوق محفوظ نہ کئے گئے تو اور کسی
 دوسرے طریقے سے انصاف نہیں ہو سکتا۔ حکومت کے افسران کو نامزدگی کا

حق ضرور حاصل ہے۔ اور اس حق نامزدگی کا یہی مصرف ہے کہ جن جن قوموں کی نیابت میں کسر رہ جائے اسے افسران اس حق کے استعمال سے پورا کر دیں مگر افسران اسے سوچ سمجھ کر کم ہی استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی شکایات باقی رہ جاتی ہیں۔ ہم برٹش ایمپائر دولت برطانیہ میں دوسرے شہریوں کے مساوی حقوق شہریت رکھتے ہیں۔ اس لئے اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ہمارے دعوے کو تسلیم کرنا چاہئے۔

باب مسلمانوں میں سیاسی چین کی آغاز

تقسیم بنگال اور جنگ طرابلس

۱۹۱۱ء شروع ہے، سیاسی اعتبار سے
نئی بیداری اور اس کے ترجمان مسلمان روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں
 مسلم لیگ ایک زبردست طاقتور ادارہ بن گئی ہے تعلیم یافتہ نوجوان نسل جذبہ عمل اور
 خدمت قوم کے دعوے سے ہر شاعر ہو کر آگے بڑھ رہی ہے مسلمانوں کا جوش و خروش روز
 بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ان کی سیاسی بیداری روز بروز ترقی پر ہے اور قوم راہ عمل میں
 قدم رکھ کر سیاسی ترقی کی طرف بڑھنے کے لئے بے چین ہے۔ سیاست میں نرمی برتنے کا اصول
 ترک کیا جا رہا ہے۔ چٹھے دار تقریریں اور تحریروں کی بجائے اب آتشیں عمل کی ضرورت محسوس
 کی جانے لگی ہے مسلمانوں کی سیاسی دنیا میں ایک تازہ روح پیدا ہو رہی ہے، گو کانگریس
 لیگ سے اتنی زیادہ پرانی ہے، مگر اس نے اس وقت تک اتنی ترقی نہیں کی جتنی لیگ نے
 صرف تین چار سال میں کر لی ہے مسلمانوں میں نئی طاقتیں پیدا ہو چکی ہیں اور قوم کی
 آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں، ان نئی طاقتوں میں جو مسلمانوں کی ذہنی دنیا بدل رہی ہیں
 مولانا محمد علی اور ان کا انگریزی کا اخبار کامریڈ، ڈاکٹر سید محمد اقبال اور ان کی ہنگامہ آفریں

نقلیں، مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کا اخبار اہلال اور مولانا ظفر علی خاں اور ان کا اخبار زمیندار وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔

اخبار کامریڈ سے جو انگریزی زبان میں ہفتہ وار نکلتا تھا اور ۱۹۱۱ء ہی سے نکلتا شروع ہوا مسلمانوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوئی کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا وسیع الاشاعت اور ذی اثر اخبار نہ تھا جس سے رائے عامہ کو متاثر کیا جاسکے یا جس کے ذریعے سے حکمران طبقے تک اپنی آواز پہنچائی جاسکے۔ کامریڈ مسلمانوں کا سیاسی ترجمان بن گیا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر مسٹر محمد علی نے جنہوں نے علیگڑھ کالج میں سرسید کے آغوشِ ترقی میں تربیت پائی تھی اور جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے، بیگ کے حلقوں میں اپنی پر زور مدلل اور مدبر صغ تقریروں سے پہلے ہی قابلِ توجہ تعارف حاصل کر لیا تھا۔ کامریڈ نکالنے کے بعد جب وہ میدانِ سیاست میں اترے اور اس کے صفحات پر اپنی بے نظیر ادبی و سیاسی قابلیت کے جوہر دکھائے تو یہ معلوم ہونے لگا کہ اب مسلمانوں کی سیاسی دنیا ایک نئے انما ز سے تعمیر ہو رہی ہے۔ وہ ایک نہ بردست انشا پرداز اور نہ تہ رس مدبر ہی نہ تھے بلکہ انہیں خدمتِ اسلام کا جذبہ بھی تھا۔ جس کی سونٹیں پر جوش و ذوق عمل سے جا ملتی تھیں وہ بڑی بڑی تنخواہوں کے غمہ دل کو ٹھکر کر مسلمان قوم کی خدمت کا جذبہ لئے ہوئے میدانِ عمل میں اترے تھے۔ مسلمانوں کی وہ مہری نہ بردست سیاسی طاقت مولانا ابوالکلام آزاد تھے جو کلکتہ سے ایک بلند پایہ ہفتہ وار اردو اخبار اہلال نکالتے تھے مولانا ابوالکلام مستند عالم دین اور کامل فنِ انشا پرداز تھے۔ مذہب کے ساتھ ادب و انشا کی چاشنی نے انہیں ایک بے پناہ جادو و اثر شخصیت کا مالک بنا دیا تھا۔ ان کا قلم بہت بیباک تھا اور مسلمانوں کی رگِ حمیت اور احساس کو چھیڑتے وقت وہ نشرِ تب جاتا تھا۔ ان کی تحریروں میں دردِ اور اثر ہوتا تھا۔ جنگِ بلقان کے زمانے میں جس کا ذکر گئے آئینا ان کی تحریروں نے ہندوستان کو ہلا ہلا دیا۔ ان کی آواز دیوں کو جھنجھوڑنے کی طاقت رکھتی تھی۔

شاہی دربار اور تقسیمِ بنگال کی منسوخی ۱۹۱۱ء کی ہندوستانی سیاست کی ابتدا

شہنشاہ جارج پنجم کے دربار تاجپوشی سے ہوئی ہے۔ انھوں نے دہلی تشریف لاکر نطقِ شہانہ سے ایک اعلان کیا جس نے ہندوستان کے سیاسی حالات پر کئی پہلو سے دور رس اور گہرا اثر ڈالا۔ شاہی اعلان سے تقسیمِ بنگال کے احکامات واپس لے لئے گئے جس کے لئے بنگالی ہندو خصوصاً اور ہندوستان بھر کے ہندو عوام نے اس سے ایجنڈیشن کر رہے تھے۔ ہندوؤں میں اس سوخوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کانگریس کے لیڈروں نے فصیح و بلیغ تقریریں اور بیانات کے ذریعے سے حکومتِ برطانیہ کے اس احسان کا شکریہ ادا کیا۔ مشر امیکا چین موزمبیق اس دور کے نمایان ترین کانگریسی لیڈروں میں سے تھے۔ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ ہم میں سے ہر شخص کا دل تاجِ برطانیہ کی وفاداری کے جذبہ سے مست ہو کر رقص کر رہا ہے اور ہم میں سے اکثر تو کبھی برطانیہ کی طرف سے مایوس ہوئے ہی نہیں تھے۔

مسلمانوں کو اس فوری جھٹکے سے بڑی زبردست تکلیف
مسلمانوں میں بے چینی محسوس ہوئی جس میں تعجب اور بے چینی کے جذبات بھی شامل تھے۔ انھوں نے گورنمنٹ سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ مشرقی بنگال کو ایک جداگانہ صوبہ بنا دیا جائے۔ نہ انہوں نے تقسیمِ بنگال کیلئے کوئی ایجنڈیشن کیا تھا۔ (گو اس سے انہیں مشرقی بنگال میں ترقی کے مواقع حاصل ہو گئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ہندوؤں سے بگاڑ کر حکومت کے خلاف کئے جانے والے ایجنڈیشن میں شرکت نہیں کی تھی) حکومت نے خود ہی انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ تقسیمِ بنگال مسلمانوں کے فائدے کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اور حکومت اسے کبھی بھی منسوخ نہیں کرے گی۔ لارڈ کرزن خود ڈھاکہ پہنچے تھے اور وہاں انہوں نے مسلمانوں کو سمجھایا تھا کہ اس تقسیم سے جو ایک جداگانہ اسلامی صوبہ بن گیا ہے وہ قائم رکھا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے مشرقی بنگال کے مسلمانوں سے مشرقی بنگال والوں کے خلاف کام بھی لیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ یہ وعدے نبھانے کا انوکھا طریقہ ہے کہ جب ایجنڈیشن برداشت نہ ہوا تو خود گورنمنٹ نے ایجنڈیشن کرنے والے بنگالی ہندوؤں سے فوراً صلح کر لی اور مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو ان ہی لوگوں کے رحم و کرم پر

چھوڑ دیا جن کے خلاف انہیں استعمال کیا تھا۔

منسوخی تقسیم بنگال سے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انگریزوں کے وعدوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ صرف طاقت اور ایجنسیشن کے آگے جھکتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو کسی غیر طاقت پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لے کر خود اپنے پانوں پر کھڑا ہونا چاہیے۔ اس بھینپی میں طرابلس اور ایران کے سانچوں سے مزید اضافہ ہوا۔

اس وقت مسلمان تمام دنیا میں اپنی زندگی کے

عالم اسلام کی سیاسی حالت

تھے۔ آئے والے تاریخی اہمیت کے سانچے ان کے سامنے اپنا سایہ ڈال رہے تھے۔ اور تمام اسلامی دنیا انتظار و توقع کے پتھوں پر ایک ایک کمر حالات کی دیوار کے اس طرف یہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ زمانہ مستقبل کی جھولی میں ہمارے لئے کیا لارہا ہے۔ انسانی آنکھ نوشتہ تقدیر کو پڑھنے میں بہت کمزور دکھی گئی ہے۔ مگر یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسلامی حکومتوں کی پرانہ اور غیر منظم حالت کو یورپ کی حکومتیں لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں اور وہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں بہت جلد یہ ظاہر بھی ہو گیا کہ انکو اراوے کیا ہیں۔

اٹلی نے ترکی کے ایک مقبوضہ طرابلس پر اس بہانے سے

اٹلی کی طرابلس چڑھائی

یورش کردی کہ طرابلس کے اٹالین باشندوں کے ساتھ ترک نامناسب سلوک کرتے ہیں۔ اٹلی کا یہ حملہ بالکل غیر حق بجانب اور بین الاقوامی قانون کی شدید خلاف ورزی تھا۔ اگر ترکی حکومت طرابلسی اٹالینوں کی بے انتہا قلیل تعداد پر ظلم کر رہی تھی تو اٹلی کو بین الاقوامی ضابطے کی اس خلاف ورزی کے خلاف سختی سے احتجاج کرنا چاہئے تھا اور اگر مظالم اتنے شدید تھے کہ احتجاج کافی نہیں تھا تو اسے ٹیک کی سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے تھا کہ طرابلس کے اٹالینوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے اور ان کے نقصانات کا حرجانہ ادا کیا جائے۔ مگر اس نے ایک خود مختار حکومت کے اندرونی انتظام میں مداخلت کی

اور طرابلس پہنچ کر کشتی کو دی کیونکہ اسے یورپ کی دوسری استعمار پرست حکومتوں کے امدادوں اور ترکوں کی اندرونی انتظامی کمزوری کا علم تھا۔ اٹلی کے اس ٹیڑھے پن کے منافیہ سب سے ڈپلومیسی کا وہ باریک نقاب اس کے چہرے سے اتر گیا جس سے اس نے اپنے لوٹ کے منصوبوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ یورپ کی قہر بربیت بالکل غریباں ہو گئی اور اس کے جسم کے مادی پس اور مجرمانہ انحصار بالآخر کے گھنارے وار غباگل صاف صاف نظر آنے لگے۔

مسلم لیگ میں عمل | مسلمان ہند کے دلوں میں پھیلنے کی آگ بجھ کر اٹھی۔ وہ اسلام کے عالمگیر رشتہ اخوت کی وجہ سے ترکوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ترکوں کا سلطان مسلمانوں کا خلیفہ اور مسلمانوں کے مصلحتا مقدسہ کا محافظ بھی تھا۔

یورپ کی ایک حکومت کا اس کی سلطنت پر اس قدر وسیع و پوری کیسا تھ جیسا مارنا تمام دنیا کے اسلام کے دلوں پر جو خلیفۃ المسلمین کے احترام و عقیدت سے لبریز تھے، ایک تیز نشتر چھونے کے برابر تھا۔ ترکوں پر اس درست دماغی سے سارے اسلامی ہند میں پھول چرخ گئی تھی۔ ہر مسلمان کا دل ترکوں کے لئے دروند اور اس کی زبان خلافت اسلامی کے نگہبانوں کیلئے ہر وقت دعا و دعا تھا۔ مسلمان قوم کے بچے جو ان اور بوڑھے سبھی بے چین و مضطرب تھے، ان میں شہید جوش نمودار ہو گیا۔ اٹالیوں کے ہاتھوں ترکوں پر ہونے والے مظالم کی ہر تازہ خبر مسلمانوں کے دلوں میں شعلے و نفرت کی ایک برقی لہر دوڑاتی تھی۔ ان اندیا مسلم لیگ نے فوراً اگر ٹنٹے آن دنیا کو متنبہ کیا کہ وہ برطانیہ کے دفتر خارجہ سے درخواست کرے کہ اٹلی پر اس کی روش کی برائی ظاہر کر دی جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں نے اٹلی کی بنی ہوئی چیزوں کا بالکل کٹا بھی شروع کر دیا۔

مسلمان ہند کی برطانیہ کی توقعات اور پالیسی | مسلمانوں کو برطانیہ سے یہ توقع تھی کہ چونکہ اس کی سلطنت میں سب سے زیادہ تعداد میں مسلمان بستے ہیں، ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے برطانیہ کی پالیسی

اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے گا۔ اور اٹلی اور ترکی میں کوئی ایسا سمجھوتہ کر دینا جو دونوں کو قبول ہو اور اس کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ ہوں گی مگر برطانیہ نے عجیب طرز عمل اختیار کیا۔ جب مصر کے راستے سے ترک اپنے صوبے کی نافرمانی کے لئے سپاہ اور سامان رسد بھیجنے لگے تو برطانیہ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔

انگلستان کی پالیسی پہلے ہی سے ترکوں کے خلاف تھی۔ وہ خود ترکوں سے دوستی ہی میں مصروف تھا۔ اور شہزادہ کی مدد اور ترکی کی جنگ میں معاہدہ اسٹیفانو کے وقت معاہدہ کی شرطوں کو ترکوں کے لئے نرم کرانے کے معاوضہ کے بہانے سے جزیرہ قبرص جیسا اسم جزیرہ دیا جیٹھا تھا۔ اسی طرح جب عہد نامہ برلن ہوا تھا اور اٹلی کے وزیر اعظم نے انگلستان کے وزیر اعظم کو لکھا تھا کہ اٹلی کا قبضہ ہونا چاہئے تو انگلستان کے وزیر اعظم نے یہ جواب دیا تھا کہ اس وقت موقع نہیں۔ بہر حال تعاقب اس وقت کرنا چاہیے جب وہ زخمی یا لنگڑا ہو جائے۔ اب اٹلی ترکی کے سنگڑے بہرہ کا صرف تعاقب نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کے جسم کا ایک ضروری عضو کاٹ رہا تھا جس سے بحیرہ روم میں ترکی کے اقتدار پر کاردی ضرب لگتی تھی اور انگلستان اس کے لئے تیار نہ تھا کہ زخمی بہرہ کو بچانے کیلئے کوئی مصر کی سرزمین سے گزرے۔ یہ وہی مصر تھا جو کبھی ترکوں کی ملکیت تھا اور انگلستان اور ترکی سلطنت کی دوستی کے دور میں اس کے ہاتھ سے نکل کر انگلستان کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔

روس کے گولے مشہد مقدس ایران میں روس کے مظالم سے بھی مسلمانان ہند کو
تو روس کی حکومت کے مقابلہ میں بالکل ہی کمزور تھا شخصی حکومت کا خاتمہ ہونے کے بعد سے
وہ مستبد بادشاہ محمد علی شاہ کا عہد حکومت ایران پر بہت ہی بُرا گذر آیا۔ یہ کہ اس دور میں
ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ ایرانیوں کی کمزوریوں اور ان کے زوال سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے روس نے اپنے پنجہ استبداد کو ان کے گلوں پر اور بھی زیادہ کسنا شروع کر دیا تھا
انگلستان چاہتا تو روس کو اس روش سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر انگلستان کے اس دور کے وزیر خارجہ

سریاڈورڈ گریس کو یہ خبر سنہ تھا کہ کہیں روس ماراض ہو کر جرمنی کی گود میں نہ جا بیٹھے کیونکہ جرمنی برطانیہ کے حریف کی حیثیت سے روز بروز ہاتھ پاؤں نکالتا جا رہا تھا اور برطانیہ روس کو خوش کر کے اسے جرمنی سے نہ ملنے دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو چکا تھا۔

مسلمانان ہند برطانیہ پر شکمہ و فدا داری کئے بیٹھے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ برطانیہ کی پالیسی اس معاملے میں بہت ہی گول مول ہے اور ایران کو ایشیا کے نقشہ سے مٹا دینے کی تیاریاں ہیں تو وہ چین ہو کر تڑپ اٹھے۔ کھلم کھلا ظلم ہو رہا تھا اور انگلستان جس کی رعایا میں مسلمانوں کا اتنا بڑا حصہ تھا اپنے دہن سیاست پر ڈیڑھ بیسی کی مہر خاموشی لگائے بیٹھا تھا۔ روسی شمالی ایران میں مسلمانوں کو گناہ جرمی کی طرح فروج کر رہے تھے۔ انہوں نے مشہر مقدس تک پر گولہ بادی کی۔ ادب اور معاشرت کے اعتبار سے ہندوستان اور ایران کے مسلمانوں میں بہت بڑی حد تک یک رنگی ہے۔ فارسی زبان مسلمانوں کی محبوب و مرغوب زبان ہے۔ ایران کے کلچر سے اثرات کے چیکر ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی تہذیب معاشرت کے گلستان کو سمایا ہے۔ پھر ایرانی دینی بھائی بھی ہیں۔

ترکوں اور ایرانیوں پر دو سفید فام حکومتوں کی ان دراز دستیوں اور نظام سے مسلمان بہت بے چین ہوئے۔

دہلی و بارہ تقسیم بنگال، اٹلی کے طرابلس پر حملے، روس کے ایران میں مظالم کے علاوہ اس سال بعض دیگر اہم اور دور رس نتائج رکھنے والے واقعات بھی ظہور میں آئے۔

۱۹۱۱ء کے بعض دیگر اہم واقعات

تحریک مسلم یونیورسٹی

ملک معظم نے تعلیم عوام کیلئے ہندوستان کو پچاس لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ بہار اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور کو ملا کر ایک نیا صوبہ بنایا گیا۔ دارالخلافہ کالکتے سے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ علی گڑھ کالج اور بنارس کے ہندو کالج کو مسلم یونیورسٹی اور ہندو یونیورسٹی بنائے جانے کے لئے ایک ساتھ یہ جوش تحریکیں اٹھیں۔ ان کے رہبر سر آغا خاں اور مہاراجہ ورجنند تھے۔ اول

ادل یہ اندیشہ تھا کہ اس سے ہندو مسلم اختلافات بڑھیں گے مگر تحریک کے سرکردہ افراد کے صلح جو یا نہ کرنے سے ایسا نہیں ہوا۔ مسلم یونیورسٹی کا تصور پیدا تو سر سید ہی کے ذہن میں ہوا تھا مگر یونیورسٹی کی تحریک کو اٹھانے کا سہرا نہ آغا خاں کے سر ہندو جہنوں نے دسمبر ۱۹۰۵ء میں ولایت سے واپس آنے کے بعد مسلمان قوم سے اپیل کی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نجات اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں ہے اس لئے ان کی اپنی ایک یونیورسٹی ہونی چاہئے۔ اس اپیل کا قوم نے بڑی سرگرمی سے خیر مقدم کیا۔ کلکتہ میں تحریک کا آغاز ہوا اور جب سر آغا خاں مسلم یونیورسٹی فنڈ کے لئے کلکتہ سے لاہور کی جانب روانہ ہوئے تو ہر جگہ ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا اور روپیہ برسنے لگا۔ مارچ ۱۹۰۸ء میں ہزبائٹس انگلستان واپس گئے۔ اس وقت تک مسلم یونیورسٹی فنڈ میں پچیس لاکھ روپیہ جمع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا اس سال کا تمام وقت یونیورسٹی کی تحریک ہی نے لے لیا۔ اور مسلم لیگ کے کارکن اس تحریک میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے لیگ کے معاملات کی طرف کوئی توجہ نہ کر سکے۔

سرکاری ملازمتوں اور جدگانہ نیابت پر مسلمانوں کی اصرار | تحریک یونیورسٹی اور دیگر امور نے مسلم لیگ کے کارکنوں کو اپنے اندر الجھا کر رکھا تھا۔ مگر سرکاری ملازمتوں اور جدگانہ نیابت کے سلسلے میں لیگ بے ابر کام کرتی رہی۔ لیگ کے گذشتہ اجلاس میں اس مسئلے پر جو تجویز منظور ہوئی تھی اسے ایک پرنس در خط کے ہمراہ لارڈ ہارڈنگ کی حکومت تک پہنچایا گیا اور اسے صوبوں کی حکومتوں کے غیر ہندو راءروستاء اور مسلمانوں کی دشواریوں سے باخبر کیا گیا تاکہ نقصانات کی تلافی ہو حکومت نے لارڈ منٹگو کی حکومت کے وعدوں کی نصیحت کی اور یہ صلاح دی کہ مسلم لیگ صوبوں کی حکومتوں کو آگاہ کرے کہ نقصانات کا ازالہ کرائے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے صوبوں کی حکومتوں کو اس سے مطلع کیا۔

مگر اس قسم کی کارروائیوں سے زبانی اعتراف کے سوا اور کچھ فائدہ نہ آیا۔ لیکن مسلم لیگ نے ایک ملازمت دولت والا محکمہ کھولا۔ اور حکام پر مسلمانوں کو ملازمتیں دینے کے لئے مختلف

طریقوں سے زبردوانا۔ لارڈ ہارڈنگ کا یہ خیال تھا کہ سینیٹ کی کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں جداگانہ نیابت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں مفاد مشترک ہو تا ہے مگر مسلمانوں نے بتایا کہ بعض مفادات ایسے ہیں جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے اور غیر مسلم خواہ وہ کتنے ہی معقولیت پسند ہوں، ان مفادات کا تحفظ صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے سینیٹ میں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بھی جداگانہ نیابت ہونی چاہئے۔ اور ہر جگہ مسلم لیگ کی شاخوں نے اس پر ایجنڈیشن کیا۔

مسٹر گوگھالے کا ابتدائی تعلیم کابل
اور مسلم لیگ کی تائید

سے اس کی بڑی زبردست تائید کی مگر مذہبی تعلیم، اردو زبان اور سکولوں کے انتظامی بورڈوں میں مسلمان ممبر لئے جانے پر بھی زور دیا۔

اسلامی اوقاف کا مسئلہ | اسلامی اوقاف کے بارے میں حالات معلوم کرنے کیلئے سرکار کی تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرانے کے لئے لیگ نے اس سال بھی بڑی کوشش کی مگر حکومت اس پر راضی نہ ہوئی۔ البتہ وقف علی الاولاد کے معاملے میں لیگ کی کوششیں زیادہ پروان چڑھیں۔ کاننیل مسٹر جناح نے اس سلسلے میں جو سوڈہ قانون شاہی کونسل میں پیش کیا اس کی حکومت نے کوئی مخالفت نہیں کی اور ہندو ممبروں نے کھلے دل سے اس کی تائید کی جس کے لئے مسلمان ان کے بہت ممنون ہوئے مسلم لیگ نے مسٹر جناح کے سوڈہ قانون کی تائید میں فضا پیدا کرنے کے لئے زبردست ایجنڈیشن کیا اس کام میں ندوۃ العلماء سے اسے بڑی مدد ملی جس کے سکریٹری شہور مودرخ عسکرامہ شبلی لٹوانی تھے۔ سوڈہ قانون سلیکٹ رجیڈہ کمیٹی کے سپرد ہو گیا۔

۱۹۱۱ء میں لیگ کی مقبولیت بہت
 کافی بڑھ گئی۔ ناگپور کے سالانہ

لیگ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی

اجلاس کی کارروائی نہایت شاندار طریقے سے اردو انگریزی میں ایک مجلد کتاب کی شکل میں
 شائع کی گئی۔ ملک نے یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی۔ لیگ کے ممبروں کی تعداد میں معقول اضافہ
 ہوا۔ بنگال اور یو۔ پی میں لیگ خاص طور پر بہت مقبول ہوئی۔ لیگ کی کونسل کے اس سال
 آٹھ جلسے ہوئے حالانکہ لیگ والے تحریک مسلم یونیورسٹی میں بہت مصروف تھے۔ ان میں سے
 صرف ایک جلسہ کورم پورا ہونے کی وجہ سے ملتوی کیا گیا۔ دہلی میں ہر جلسے میں ممبران شریف اور
 سرگرمی سے شریک ہوئے۔ ۲۸ اگست ۱۹۱۱ء کو مسٹر گوگل کے تعلیمی بل پر غور کرنے کے لئے
 کونسل کا جو جلسہ ہوا اس میں تو اتنے ممبران موجود تھے کہ اس سے پہلے کونسل کے کسی جلسے
 میں اتنے زیادہ ممبران آئے ہی نہیں تھے۔ ہندوستان کے ہر گوشے تک ہر مکتب لوگ آئے۔

۳۱ مارچ ۱۹۱۲ء کو آل انڈیا
 مسلم لیگ پانچواں سالانہ اجلاس ۱۹۱۲ء

ٹاؤن ہال میں ہوا۔ اس اجلاس کیلئے نواب بہادر ڈھاکہ کو صدر منتخب کیا گیا تھا۔ وارانسی
 کے وہاں منتقل کئے جانے، تقسیم بنگال کی منسوخی اور مسلمانوں پر اس کے رنجہ اثرات، عالم
 اسلام میں ترقیوں اور ایرانیوں کے مصائب اور ان پر مسلمانوں کی بے چینی کی وجہ سے یہ اجلاس
 خاص اہمیت کا اجتماع بن گیا تھا چنانچہ ملک کے ہر حصے سے مسلم لیگ کے تقریباً سبھی ممبر
 شرکت کے لئے آئے تھے اور تماشائیوں کا بے انتہا جھوم بھی اجلاس کی فضا کو بارونق بنائے ہوئے
 تھا۔ ہندوستان کے ہر صوبے کے سربراہ اور مسلمان موجود تھے۔

مسٹر جناب بحیثیت مہمان لیگ میں
 اس اجلاس میں بحیثیت وزیر شریک

ہوئے۔ اس وقت تک آپ لیگ کے ممبر نہیں تھے۔ البتہ ۱۹۰۶ء سے کانگریس میں بڑی سرگرمی
 سے حصہ لے رہے تھے۔ وہاں پہلے ہی سال آپ نے وقف علی الاولاد کے قانون کی ضرورت پر

ایک عہدہ آراء تقریر کی تھی۔ اور اسی وقت سے آپ کی سیاسی دلچسپیاں برابر بڑھ رہی تھیں۔
۱۹۱۱ء کی اتحاد کانفرنس الہ آباد میں بھی آپ شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں ہندو مسلم
اتحاد کے وسائل پر جو بحثیں ہوئی تھیں ان میں آپ نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔

نواب دروڑھا کا خطبہ صدارت
تقسیم بنگال پر نکتہ چینی

صاحب صدر نے خطبہ صدارت میں تہیدی
الفاظ کے فوراً بعد ملک معظم کے دروہنارت
کا ذکر کر کے سنسکرتی تقسیم بنگال پر نکتہ چینی کی۔
آپ نے کہا: ”تقسیم بنگال کو ہم نے اپنے ہر

دکھ کا تنہا علاج تو نہیں سمجھا تھا مگر اس سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں میں زندگی ضرور پیدا
ہو گئی تھی۔ ہمارے بدخواہوں نے یہ تاثر لیا کہ تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے
ایک عرصہ سے محروم توجہ مطالبات ضروری طور پر سامنے آجائیں گے۔ ہمیں اس سے زیادہ
کچھ نہیں ملا جتنا حق سے ہمارا تھا مگر یہی تھوڑا بہت جو ہمیں ملا ان کے لئے ایک بڑا نقصان
تھا۔ بنگال کے ہندوؤں نے ایچی ٹیشن کیا اور وجہ یہ ظاہر کی کہ بنگالیوں کو دو مختلف نظام
حکومت کے ماتحت رکھ کر ان کے جذبات کو پامال کیا گیا ہے۔ ایچی ٹیشنوں نے مسلمانوں کو ملائی
ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بنگالی زمینداروں و کیلوں اور مہاجنوں کے ہاتھوں میں
ہونے کی وجہ سے مسلمان کتنے بے بس تھے مگر انہوں نے ضابطہ و قانون کی طرف توجہ نہ دے کر
میں بنگالی ہندوؤں سے بگاڑ کر اتنی زبردست قربانی کی کہ ایچی ٹیشن میں شامل نہ ہوئے۔
دفعۃً حکومت نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا۔ وہ کہہ تو یہی رہی ہے کہ انتظامی ضرورتوں
کی بنا پر ایسا ہوا ہے مگر دستور کی کشمکش سے نا آشنا عوام اس سے یہی سمجھے کہ حکومت ہار گئی۔
اس سے حکومت کے وقار کو سخت دھکا لگا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ عوام پر یہ اثر بھی
ہوا ہے کہ سازش اور بغاوت سے حکومت تک جھک سکتی ہے مشرقی بنگال میں بسنے والے
مسلمانوں کیلئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بہتری کے ان شاندار امکانات سے محروم کر دیے
گئے جو تقسیم سے حاصل ہوئے تھے۔ مگر اس نقصان سے زیادہ ہمیں اس طریقے پر افسوس ہے

جس سے تقسیم بنگال کو منسوخ کیا گیا ہے۔ نہ تو ہمیں متنبہ کیا گیا، نہ ہم سے صلاح لی گئی۔
 دھاکہ میں یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز بنگالی
دھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز | ہندوؤں کی طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور
 کہا جا رہا تھا کہ اس سے بنگالیوں کو زبان کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ آپ نے اس پر کہا
 مسلمان اس تجویز کا خیر مقدم اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ یہ صرف ان کے لئے ہوگی یا اس
 سے ہندو بھائیوں کو نقصان پہنچے گا بلکہ اس سے مشرقی بنگال تعلیم کے میدان میں سادے
 ہندوستان سے آگے بڑھ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی بنگال کو کوئی فائدہ پہنچنے
 کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہاں کے ۲۰ ملین باشندوں کو فائدہ ہوگا جو مسلمان ہیں مگر صرف اس
 بنا پر کہ بعض ہندو سیاست دان مشرقی بنگال کی سرزمین پر ۲۰ ملین مسلمانوں کی آبادی
 ہونے کے گناہ کی پاداش میں اسے ہمیشہ کیلئے معذرت کر کے جہنم میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں
 ان کے تصورات کو بدلنے کے لئے مسلمان اس سرزمین سے جو ان کی جہنم بھومی ہے، اپنا پورا یا
 ہندوستان باندھ کر رخصت تو نہیں ہو سکتے بلکہ مسلمانوں کو اس یونیورسٹی سے صحیح معنوں میں فائدہ
 اس وقت پہنچنا چاہیے انہیں خاص رعایتیں دینے کے لئے فائدہ ہو کیونکہ مسلمان غریب ہیں۔
جداگانہ یا فرقہ واریت کی ضروری ہو | فرقہ واریت ثابت کیوں ضروری ہو
 جا رہے تھے ان کے جواب بہادر نے مفصل جوابات دئے۔ انہوں نے کہا: ”کہا جاتا ہے کہ
 فرقوں اور مذہبوں کی بنا پر ہونے والا جداگانہ انتخاب برائش ایسا نہیں ہے اور کسی جگہ نہیں پایا
 جاتا اور اس سے ہندوستان میں نا اتفاقی کا ایک نیا عنصر داخل ہوگا۔ مگر یہ بات ہندوستان
 پر پوری نہیں اترتی کیونکہ جو حالات ہندوستان میں پائے جاتے ہیں وہ بھی تو ایسا ہی نہ کہ
 کسی اور حصے میں نہیں پائے جاتے۔ ہندوستان کو خیالی اصولوں کی بجائے اسی کے حالات
 سے جانچنا چاہیئے۔ جہاں تک جداگانہ انتخاب سے نا اتفاقی پیدا ہونے کا سوال ہے واقعات
 اس کے بالکل برعکس ثابت کر رہے ہیں۔ مخلوط انتخابات میں خون خرابے تک کی نوبت پہنچ چکی ہے

کیونکہ ہندو اپنے رسوم اور دولت کو جب مسلمانوں سے اپنے خاص آدمی کے حق میں دوٹو لینے کے لئے استعمال کر کے ان پر زور ڈالتے ہیں تو فریق مخالف کو مذہب کو درمیان میں لانا پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے۔ مولوی ڈوسٹر کٹ بورڈوں میں جہاد کا نہ نیابت کی ضرورت اس لئے ہے کہ یہ ادارے مولوی سیلف گورنمنٹ کی ابتدائی بیڑھیاں ہیں اور انہی کے ہاتھوں میں تقسیم صفائی اور دیگر اہم مقامی کام ہوتے ہیں۔

مسٹر محمد علی اور ان کے اخبار کا مرید کا تعارف صدر مجلس استقبالیہ نے اس اجلاس میں اپنے خطبہء صدارت

کے انجام پر مسلمان اخبارات کی کمی اور اس کے پالینکس پر مضامینات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایک سال کے اندہ اندر اردو انگریزی زبانوں میں جتنے اخبارات جاری ہوئے ہیں انہیں کا مرید بہت اہم ہے جس کی ادارت بیگم کے ایک نمایاں مجاہد مسٹر محمد علی بی۔ اے۔ آکسن کر رہے ہیں۔ آپ نہ صرف انگریزی زبان کے ایک صاحب طرز انشا پرداز ہیں بلکہ ایک بالغ نظریاستدان بھی ہیں۔ یہ اخبار بڑی قابلیت سے مرتب کیا جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق پر کسی قسم کا کوئی حملہ کئے بغیر مسلمانوں کے حقوق کی کامیابی کے ساتھ وکالت کرتا ہے۔

اہم ترین مسائل وقت پر بحث صدر کے خطبے کے بعد اہم ترین مسائل وقت پر بحث ہوئی ابتدائی رسمی تجویزوں کے بعد جن کا تعلق ملک معظم کے اردو ہند پر اظہار مسرت اور ڈاکٹر سید علی بلگرامی کی وفات پر اظہار ملال سے تھا۔ مسٹر محمد علی نے ان مسائل کے خلاف ایک تجویز پیش کی جو برطانوی نوآبادیوں میں گئے ہوئے ہندوستانیوں پر سفید فام قوموں کے ہاتھوں ان کے شہری حقوق غصب کرنے کے سلسلے میں ہو رہے تھے۔ اس ریزولوشن سے ہوا کا رخ معلوم ہوتا تھا کہ اب بیگم کس حد تک آگے بڑھ چکی ہے۔ ان مقامات پر ہندوستانیوں کو شہر کے ان حصوں میں نہیں رہنے دیا جاتا تھا جہاں یورپین آبادیاں تھیں۔ انہیں بانڈروں میں نہیں گھسنے دیا جاتا تھا اور انی درجے کے کام ان سے لیتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ہندوستانی سیاہ فام اور غلام تھے۔ مسٹر محمد علی نے

اپنی تجویز میں اس طرز عمل کے خلاف پُر زور احتجاج کیا۔ اس کے بعد کی دو تجویزیں مثال میں ہندوستانی مزدوروں اور سول سروس میں عمر کے تعین سے متعلق تھیں۔ دوسرے دن کی اہم ترین تجویز منسوخی تقسیم بنگال پر مسلمانوں کے رائج اور مایوسی کے اظہار کی تھی جسے مسٹر محمد علی نے پیش کیا۔

منسوخی تقسیم بنگال مولانا محمد علی کی پُر زور تقریر | مولانا محمد علی مالک و ایڈیٹر اخبار کا سرٹڈ نے اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے کہا ”تجویز پر بحث شروع کرنے سے قبل میت بتا دینا چاہتا ہوں کہ بنگال کا باشندہ نہیں ہوں اور یہ بات بڑی عجوبہ معلوم ہوگی کہ سب لوگوں میں سے میں ہی اس تجویز کو پیش کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ مگر یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ اس لیگ کے دستور اساسی کے مطابق ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے مفاد یکساں ہیں۔ ہم مختلف صوبوں کو مختلف ٹکڑوں کی طرح کاٹ ڈالے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر ہماری قوم کا ایک حصہ مصیبت میں ہو تو دوسرے حصے کو ضرور اس کی مدد کو پہنچنا چاہیے جب تقسیم بنگال کا اعلان ہوا تھا تو صوبائی سوال ہونے کے باوجود ہندوستان کی سب قوموں نے اس کی طرف توجہ کی تھی۔ اب اس کی منسوخی سے مایوسی اور پچھتاوا محسوس کیا جائے گا۔ کوئی شخص یہ بات کبھی بھی مثال میں نہیں لاسکتا کہ ایک ایسا صوبہ جس میں ۸ ملین انسان بستے ہوں ایک نظام حکومت کے ماتحت رہ سکتا ہے میں اس وقت اس مسئلے پر زیادہ کچھ بولنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ ہم سال میں صرف ایک مرتبہ ملتے ہیں یہ ہمارا فرض ہے کہ ان معاملات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کریں جن پر ہمیں مایوسی اور ملال ہو۔ بہر حال اب تقسیم کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک غلطی کی گئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو کچھ ملتا یا ہندو کو کچھ ملتا لیکن بہر صورت جب ایک مرتبہ یہ عمل میں آچکی تھی تو اب اس کی منسوخی ہونی نہ چاہئے تھی۔ ہم وہ قوم ہیں کہ باؤں کو محسوس تو کرتے ہیں مگر اس قسم کا ایکی ٹیشن کرنا پسند نہیں کرتے جیسا کہ تقسیم کے وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا حضرات میں سمجھتا ہوں کہ میرے دل میں ملک معظم کا احترام ان کی رعایا کے

کسی دوسرے فرد سے کچھ کم نہیں ہے۔ گو ریفرنٹ آف انڈیا پارلیمنٹ کے ماتحت ہے جو وزیر ہند کے ذریعے سے اپنے اختیارات استعمال کرتی ہے۔ اسی وزیر نے ملک معظم کو منسوخی تقسیم کا مشورہ دیا گو شعبہ انتظامی کو کوئی حق نہیں تھا اور اب اس شعبے کے ذمہ دار افسران رسمی منظوری حاصل کرنے کیلئے پارلیمنٹ میں مسودہ قانون پیش کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور اب یہ ایوان ارا پر موقوف ہے کہ وہ اسے منظور کرے یا نامنظور۔

”برطانوی دستور اساسی کی زد سے بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا۔ مگر ملک معظم سے یہ کام کر کے ان کے مشیروں یعنی وزیر ہند اور وائسرائے ہند نے خود کو اس غلطی کا ذمہ دار ضرور بنالیا ہے۔ اور یہ دونوں برطانوی قانون کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر غلطیا واقع ہوئی ہیں تو ان کا ذمہ دار کون ہے؟ ہم اس کو ناقابل تلافی نقصان سمجھیں گے مگر ان تمام مصیبتوں کے باوجود جو ہمیں برداشت کرنے پڑے ہیں میں صد قدی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمان گذشتہ کو بھول جانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ کچھ کہے بغیر انہیں سرنو تعلقات شروع کر سکتے ہیں بشرطیکہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو انہیں سرنو مصیبتوں میں پھنسا یا جائے جو وہ برداشت کر چکے ہیں اور منسوخی سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکجہت اور اتحاد بڑھے۔ صرف اسی حالت میں ہم منسوخی کو نعمت سمجھ سکتے ہیں اور صرف اسی صورت میں ہم لارڈ کرٹھ اور لارڈ ہارڈنگ کو اپنا دوست سمجھیں گے۔ لیکن اگر اس سے ان دونوں قوموں میں مزید نا اتفاقی بڑھے گی تو یہ ملک کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہوگی۔ یہ وقت ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے امتحان کا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ چونکہ ہم گزشتہ کو بھول جانے کیلئے تیار ہیں وہ آگے بڑھے اور ایسے قدم اٹھائے جن سے اس صوبے میں ہمارے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ مجھے بھروسہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی نعمت دی کے جذبے کی رو میں بہہ نہ جائیں گے اور خود کو مسلمانوں کے فائدوں کی طرف سے لاپرواہی برتنے کے گڑھے میں نہ گرائیں گے۔

”آخر میں حضرات میں آپ سے یہ باور کرنے کی درخواست نہیں کرتا کہ مسلمان ہندوؤں سے زیادہ ادبچے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ہماری اقلیت ہی تھی جس نے آٹھ سو برس تک

ہندوستان پر حکومت کی جہاننگ ہمارا تعلق ہے ہم نے کبھی بھی ہندوؤں کے خلاف جنگ شروع نہیں کی۔ اور میں کہتا ہوں کہ میں اپنے ہندو بھائیوں کی طرف نہ سستی کا ہاتھ بڑھانے کیلئے تیار ہوں۔ اور میرا ایمان داری کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہم نے نسلی تعصبات کو زندہ رکھا تو ہندوستان ترقی نہ کر سکے گا۔ ہمیں وسیع النظر افراد مل اور سب سے بڑے حکمران صاف پسند اور نصف مزاج ہونا چاہیے۔

”مجھے امید ہے کہ یہی روش ہمارے ہندو بھائی بھی اختیار کریں گے اور گذشتہ کو فراموش کر دیں گے۔ ہم انصاف پسند بننا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی انصاف کیا جائے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک کے نظام حکومت میں ایسی ملازمتیں دی جائیں جن کے ہم اہل ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کا خیال ہے کہ چونکہ ہم نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہے ہم پرانے ٹائپ کے لوگوں سے افضل ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تمہارا معیار قابلیت یہی ہے تو پھر ایک ایسا آدمی مقرر کرو جو ہمارے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لے۔“

سٹر شیخ ظہور احمد باریٹ لا۔ الہ آباد نے یہ بتایا کہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو تقسیم سے جو فائدہ پہنچا تھا وہ سبھی ہندوؤں اور مسلمانوں کا فائدہ تھا کیونکہ اس کے بغیر مشرقی بنگال کی ۱۱ فیصدی آبادی کبھی قومی زندگی میں حصہ لے سکنے کے قابل نہ ہوتی۔ جو لوگ اس بات سے نالاں ہیں وہ خود غرض ہیں۔

منسوخ تقسیم بنگال کی سرحدیں حسن کا پیر وراجیج ایل بی سکرٹری لیگ کی تقریریں
موضوعات پر سب سے زیادہ زور دار تھی۔ آپ نے کہا: ”منسوخ تقسیم کی خبر سے میرے ذہن میں مراثی کا حادثہ، ایران میں مسلمانوں کے مصائب اور طرابلس کی کشمکش کی یاد تازہ ہو گئی۔ ایسے نازک موقع پر یہ یقین تھا کہ ہم ایک تیز و تنہا راجی ٹیشن میں کود پڑتے۔ مگر ہم نے ایسا نہیں کیا ہم نے ایک کال پتھر کھایا اور ہو سکتا ہے کہ ہمارا نہ بخیرہ فرض و دوسرے کال پتھر کھانا بھی ہو

مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر آج حکومت ایک ایچی ٹیشن کے آگے ہتھیار ڈال سکتی ہے تو کل ایچی فزور اس کے آگے جھکے گی۔ ہم لیگ کے ذریعے سے حکومت تک یہ پیغام پہنچانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مفادات کے تحفظ پر پوری طرح آمادہ ہیں۔ ہم اس سوال پر ایچی ٹیشن کرنے سے صرف اس لئے باز نہیں رہتے ہیں کہ ہم محسوس نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم گورنمنٹ کو پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے ہیں اس کا صلہ ملنا چاہئے اور جس طریقے سے حکومت صلہ دے اس کے بارے میں ہم سے مشورہ ہونا چاہئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کے متعلق ہمارے خیالات کچھ ہی ہوں مگر میں زیادہ سے زیادہ صفائی کے ساتھ کہہ دیتا چاہتا ہوں کہ ہم اسے منسوخی تقسیم بنگال کے نقصان کے بدلے کے طور پر قبول نہیں کر سکتے۔“

ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کا غیر مقدم کیا گیا اور اوقاف کی حالت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے حکومت سے ایک کمیٹی مقرر کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ ریفارمز کے مطابق ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں اعلیٰ عہدے دے اور ان میں مسلمانوں کو بھی ان کا جائز حصہ دیا جائے۔ اسی طرح فرج میں بھی ہندوستانیوں کو عہدے دیئے جانے کا مطالبہ پیش ہوا۔

جداگانہ نیابت کی تجویز کی مخالفت | تمام حکومتی اداروں میں جداگانہ انتخاب کا اصول رائج کرنے کی تجویز جو سنہ ۱۹۰۷ء اور

سنہ ۱۹۰۸ء کے اجلاسوں میں منظور ہوئی تھی اس مرتبہ پھر مولوی رفیع الدین بارات پونانے پیش کی ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہم ہندوؤں سے الگ نہیں ہونا چاہتے یہ محض جدا باقی بات ہے کہ یہ تجویز ہندوؤں کے خلاف ہے مسلمان تو ہندوستان میں اپنے وہ حقوق مانگتے ہیں جو دوسروں نے غصب کر لئے ہیں اور جو حکومت بار بار تسلیم کر چکی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ دوسری قوموں کی لوکل بورڈوں میں انتخابات کے ذریعے سے سیاسی تعلیم ہو رہی ہے مسلمانوں کو اس سیاسی تعلیم و تربیت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔“ انریبل سی۔ نواب علی چودھری نے ان کی تائید کی۔ پٹنہ کے مشہور بیرسٹر ادرپتے کانگریسی مسٹر منظر الحق نے تجویز کی مخالفت کی یہ لیگ کے

پلیٹ فارم پر ایک نئی بات تھی کیونکہ اس وقت تک یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہوتی آئی تھی۔ انہوں نے کوئی ٹھوس وجہ ظاہر نہیں کی اور نہ اس ریزولوشن پر کوئی شکستہ چینی کی۔ صرف یہ کہا کہ اس وقت بیگ کی ایک زبردست اکثریت میرے خلاف ہے جو یہ بھی ماننے کیلئے نیا نہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ مگر ایک وقت آئے گا جب سب میری رائے سے اتفاق کریں گے۔ آنریبل میاں محمد شفیع بار ایٹ لاء نے بیان کیا کہ پنجاب کی تیرہ میونسپلٹیوں میں جداگانہ انتخاب کا اصول رائج ہے۔ میں خود ان میونسپلٹیوں میں سے ایک کا ممبر ہوں۔ وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت خورنگوار تعلقات ہیں۔ مسٹر محمد علی بی۔ اے (آگس، آف کامریڈ نے شریعت اسلامی کے قانون طلاق کی مانند جداگانہ نیابت کو ایک متفرانگیز ضرورت بتایا جسے رکھنا ہی ہو گا۔ جہاں جہاں مختلف فرقہ ہوں گے وہاں وہاں مخلوط انتخاب کا مطلب اکثریت کی حکومت ہو گا۔ قدرتی طور پر ہندو اپنی اجارہ داری کو قائم رکھنے کے حق میں ہیں۔ اس لئے اندرونی امن کیلئے اس ریزولوشن کو منظور کر دینا چاہئے۔ مولوی عبدالقاسم بی۔ اے کا کہنا تھا کہ میں ایک کانگریسی ہوں۔ مگر اس تجویز کی تائید کرتا ہوں۔ اس موضوع پر کانگریس نے جو تجویز منظور کی ہے اس میں اور اس تجویز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لکھنؤ کے مسٹر سمیع الدین بیگ نے بھی کانگریسی ہوتے ہوئے پوری طرح تجویز کی تائید کی اور کہا کہ اس سے باہمی نا اتفاق دو رہا ہو جائے گی۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے تائیدی تقریریں کیں اور تجویز منظور ہو گئی۔

مسٹر جناح کے وقف پر بحث
سید ظہور احمد بی۔ اے۔ ایل ایل دیکھو، نے ایک
وقف کو غلط قرار دینے میں غلطی کی ہے اور آنریبل جناح کے بل کے اصول سے اتفاق کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ اسے منظور کر لیا جائے۔ ذاب سرفراز حسین صاحب ریٹرنے نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ قانون وقف منظور ہو جانے سے وہ مسلمان خاندان فقیر ہونے سے بچ جائیں گے جو موقوف جائیداد کے قانون رراثت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ وی آنریبل مسٹر وصی احمد نے اس بنا پر تجویز کی مخالفت کی کہ اس حکومت

کو مسلمانوں کے پرنسپل لائیں دست اندازی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر جناح کا بل اصول کے لحاظ سے غلط راستہ پر ڈالتا ہے۔ اس سے ایک آدمی اپنی ایک اولاد کے لئے باقی سب کو محروم الارث کر دے گا۔ مسٹر محمد علی آف کامریڈ نے ایک ترمیم پیش کی کہ اس بل پر غور کرنے کا معاملہ آئندہ سال کیلئے ملتوی کر دیا جائے مسٹر وصی نے اس کی تائید کی۔ مجوز نے مسٹر وصی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت سے اسلامی قانون نافذ کرائیں۔ تجویز کا مقصد بل کے اصول کی تائید کرنا ہے اگر کوئی نقص ہوگا تو وہ سلیکٹ (جیدہ) کمیٹی میں دور ہو جائے گا۔ آنریبل منظر الحق نے کہا کہ یہ موقع بل کے منظور ہو جانے کے لئے بہت مناسب ہے۔ اس لئے تجویز ضرور منظور ہونی چاہئے ترمیم مسٹر وصی کی تجویز بہت بڑی اکثریت سے منظور ہو گئی۔

عالم اسلام سے اظہارِ ہمدردی | طلبہ میں اٹالینوں اور ایران میں روسیوں کے مظالم پر زبردست احتجاج کیا گیا۔ آنریبل میاں محمد شفیع بار ایٹ لا اور مسٹر غلام حسین بی۔ اے (ملکت) کی تقریریں جو اس سلسلے میں ہوئیں جوش اور فاصل اسلامی جذبہ اخوت سے سریز تھیں جنہوں نے سامعین کو تڑپا کر پا دیا۔ گو اٹالینوں کے مظالم کے خلاف احتجاج کی تجویز چوتھے اجلاس کے لئے رکھی گئی تھی۔ مگر اس تجویز کی نوبت آنے تک اجلاس کا سارا وقت ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی بیچینی اور جوش کا یہ عالم تھا کہ اجلاس کو نماز مغرب کے بعد تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس اجلاس میں سر آغا خاں کو تیسری مرتبہ لیگ کا مستقل صدر بنایا گیا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اور لیگ کے آنرییری سکریٹری اور جو آئنٹ سکریٹری کو بھی برقرار رکھا گیا۔ نواب وقار الملک اب لیگ کے نائب صدر تھے۔ انہوں نے استعفیٰ دینا چاہا۔ مگر وہ منظور نہیں ہوا۔ اور اس تجویز کو جوش و خروش کے مظاہروں کے درمیان منظور کیا گیا۔

باب

جنگ بلقان

اس باب میں واقعات کو تاریخ وار بیان نہیں کیا جائے گا۔ حالات کے کئی سلسلے ایک ساتھ چلتے ہیں۔ اگر تاریخوں کا لحاظ رکھا جائے تو ایک سلسلے کو کچھ دور تک لیجانے کے بعد اسے ناتمام چھوڑ کر دوسرا سلسلہ اٹھانا پڑیگا اور پھر اسے بھی کچھ دور تک لیجا کر ناتمام ہی چھوڑنا ہوگا اور ایک بار پھر پہلے سلسلے کو شروع کرنا پڑیگا۔ اس سے معلومات کا نقش پڑھنے والے کو دماغ پر زیادہ صفائی کے ساتھ نہیں جم سکتا۔ تجویز یہ ہے کہ پہلے اس باب میں لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ منعقدہ ماہ مارچ ۱۹۱۳ء تک کے حالات جنگ بلقان اور ان کے اثرات کا ذکر کر دیا جائے پھر آئندہ باب میں لیگ کے نظام عمل کی تبدیلی کی تحریک کا حال شروع کیا جائے اور اس سلسلے کو سالانہ اجلاس سے ملا دیا جائے۔

بلقانیوں کا حملہ اور برطانیہ کا طرز عمل | طرابلس کے شہیدوں کے خون کے دھبے بھی تہذیب یورپ کے دامن پر تازہ ہی تھے کہ

بلقان کی ریاستوں سرویا، بلغاریہ، مائٹی نیگرو اور یونان نے ترکوں کے یورپین علاقہ کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ ترکوں کو اس حملے کا کوئی گمان نہ تھا کیونکہ یورپ کی بڑی حکومتیں انھیں یقین دلا چکی تھیں کہ یورپ کا امن محفوظ رکھنے کے لئے بلقانی ریاستوں کو ترکوں کے یورپین مقبوضات پر حملہ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ حملہ ہونے پر ترکی دزیروں اور خود خلیفہ المسلمین نے ان سے اپیل کی کہ بین الاقوامی قانون کی اس خلاف ورزی کو

روکا جائے۔ مگر بڑی حکومتوں نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔ البتہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایسکوٹھ نے ایک اعلان شائع کیا کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو ترکوں کے یوروپین مقبوضات کی حدوں میں کوئی کمی بیشی نہ ہو سکے گی۔ ان کا اندازہ یہ تھا کہ ترک بلقانی ریاستوں کو شکست دیکر اپنی حدود سلطنت کو آگے بڑھالیں گے۔ مگر مدافعت کے لئے پوری طرح تیار نہ ہونے کی وجہ سے ترک جنگ پھرتے ہی شکستیں کھانے لگے۔ اب اعلان کے قایم رہنے سے ترکوں کا علاقہ شکستیں کھانے کے باوجود ان ہی کے پاس رہا جاتا تھا۔ مسٹر ایسکوٹھ نے فوراً ہی ایک دوسرا اعلان نکالا کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو فاتح کو اس کی فتح کے ثمر سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں میں بھینپی | برطانیہ کے اس جانبدارانہ طرز عمل سے مسلمانوں کے دلوں پر احساس کی ضرب لگی۔ یوروپ کی سب حکومتیں ترکوں کے خلاف ساز باز کئے بیٹھی ہیں! انگلستان کا بھی جس کی عملداری میں ستر بلین ہندوستانی مسلمان بستے ہیں اس میں ہاتھ ہے اور جنگ بلقان کو صلیب و ہلال، عیسائیت و اسلام کی جنگ بنایا جا رہا ہے! ان کے دلوں میں بھینپی کی آگ بھڑک اٹھی۔ علی برادران نے سارے ملک کا دورہ کر کے ہر گوشے تک ترکوں کی مصیبتوں کے درد انگیز افسانوں کو پہنچایا ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں ترکوں کی ہمدردی کا کبھی نہ سمجھ سکنے والا چراغ روشن ہو گیا۔ مولینا ابوالکلام آزاد کے اخبار الہلال اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار نے بھی مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انھیں برطانیہ کے اسلام دشمن طرز عمل سے واقف کرنے میں بڑا کام کیا۔

ترکوں کی شکستوں کی خبریں سنکر مسلمان تڑپ تڑپ اٹھتے تھے۔ ان کے ہر تازہ نقصان کی خبر سے وہ تھماتے تھے۔ اب انھیں گورنمنٹ برطانیہ پر کوئی بھروسہ نہ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ برطانیہ نے ترکوں کو بچانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اس طرز عمل سے ہندوستانی مسلمان رعایا کے دل ٹکڑے

ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت تمام عالم اسلام میں برطانیہ کی یہی روش تھی۔ انگلستان سے
 معاہدہ کرنے کے بعد فرانس نے مراقبہ مسلمانوں سے چھین لیا تو ریوٹر کی خبر رساں ایجنسی
 نے اس ظلم کی خبر تک شائع نہ کی۔ روس کے استبدادی پنجے میں ایران اپنی زندگی کے
 آخری سانس لے رہا تھا۔ شمالی ایران کو روس اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ ایرانی
 خود اختیار حکومت کے وزیروں کو روس نے کچھ بتی ہمار کھا تھا۔ ایران کی قوم پرست
 پارٹی کو ختم کیا جا چکا تھا۔ قوم پرست ایرانیوں کو کتوں کی طرح بیدردی سے مارا گیا تھا مگر
 انگلستان ان مظالم پر کوئی احتجاج کرنے کی بجائے روس سے دوستی کی پیکیں بڑھا رہا تھا
 ہندوستان کے مسلمانوں کی اپیلوں، درخواستوں، احتجاجوں اور خیم پکار پر برطانوی وزیر
 خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے ٹکاسا جواب دیدیا تھا کہ انگلستان روس کے معاملات میں
 مداخلت نہیں کر سکتا۔ انگلستان کا مشہور اخبار ٹائمز صاف کہہ چکا تھا کہ ہم ایران کی آزادی
 کو ایک انگہ پر سپاہی کے خون سے بھی کم قیمت سمجھتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کی شاخ
 لندن نے مسلسل کوششیں کیں تھیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی تھی۔ اسی طرح طرابلس کے معاملے
 میں یہ جواب مل چکا تھا کہ انگلستان ہندوستانی مسلمانوں کی خاطر یورپ کی دوسری حکومتوں
 سے اپنے تعلقات خراب نہیں کر سکتا اور اب وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایسکوٹھ، مسٹر لائیڈ ہاج
 اور اسٹرین کھلم کھلا بلقانیوں سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے۔ وزیراعظم نے سالونیکا
 ترکوں سے چھینے جانے پر عیوش ہو کر یہ ترانہ گایا کہ یہی وہ دروازہ ہے جس سے عیسائیت
 یورپ میں داخل ہوئی تھی، یورپ کی سب حکومتوں نے اعلانات تو یہی کئے کہ ہم بلقانی
 ریاستوں اور ترکوں کی اس کشمکش میں غیر جانبدار ہیں مگر ان حکومتوں کے تمام ذمہ دار وزرا
 ترکوں پر ہر قسم کے ناجائز دباؤ ڈال رہے تھے۔ ریوٹر کی خبر رساں ایجنسی ایک نے یہ تہہ کر لیا
 تھا کہ خبروں کو ایک خاص سانچے میں ڈھال ڈھال کر اس طرح دنیا میں مشتہر کیا جائے گا کہ
 ان سے ترکوں کے نفرت انگیز پردے پگنڈا ہو۔ بلقانی ریاستوں نے اب تک جن علاقوں کو فتح
 کر کے ان پر اپنا قبضہ جمایا تھا وہ تو ان کے ہو ہی چکے تھے۔ یورپ میں ترکی کے مقبوضات

کے غیر مفتوحہ علاقوں کے بارے میں بھی ترکوں سے یہ اصرار کیا جا رہا تھا کہ وہ یونہی بلقانی ریاستوں کے حوالے کر دو۔ یورپ کے تمام اخبارات یک زبان ہو کر یہ شور مچا رہے تھے کہ ترک یورپین قوموں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں انھیں زبردستی کی جھولی میں بھر کر آبنائے باسفورس کے اس پار اتار دیا جائے۔

ایڈریانو پچ ترکوں کی شکست | ایڈریانو پچ ترکوں کو جو زبردست اور حوصلہ شکن شکست ہوئی اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کو صدمے سے چور چور کر دیا۔ ہر مسلمان ملول اور بیچین تھا۔ ترکوں کی شکست خوردہ فوجوں اور مفتوح رعایا پر عیسائی فوجوں نے جس خوشخوارانہ طریق سے بھارت انتقام نکالا وہ بجائے خود ایک لرزہ خیز داستان ہے۔ البانیہ میں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی مانند ذبح کیا گیا۔ مقدونیہ میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ان کی نظیر تو تاریخ عالم کے کسی زیادہ سے زیادہ لہو آلود ورق پر بھی نہیں ملتی۔

ہندوستان سے ترکوں کی امداد کیے طبی فدا | ہندوستان میں علامہ اقبال کی قومی نظموں سے دلوں میں درد و رقت کی لہریں اٹھتی تھیں۔ اہللال اور کامیڈ مسلمانوں کو شانہ بھلا کر جھنجھوڑ رہے تھے۔ ترکوں کے خلاف یورپ کی حکومتوں کی سازش سے مسلمانوں کا جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ ہر مسلمان کا دل ان کے لئے بیچین اور زبان محافظین اسلام کی سلامتی کے لئے وقف دعا تھی۔ ان کی پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ایک طبی وفد زیر صدارت ڈاکٹر مختار احمد انصاری ترک مجروحین کی دیکھ بھال کے لئے ترکی بھیجنے کا ارادہ کیا گیا۔ وفد کی تجویز ڈاکٹر صاحب کے دماغ سے نکلی تھی مگر اس کی کامیابی کا سہرا مولانا محمد علی کے سر پر لکھنا کیونکہ تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرمائے کی ضرورت تھی جس کی فراہمی رسول کی کمی کی وجہ سے ڈاکٹر انصاری کے بس کی بات نہ تھی۔ مولانا محمد علی نے انجمن ہلال احمد دہلی سے بات چیت کی۔ مگر اس سے روپیہ نہ مل سکا۔ انہوں نے ہمت نہ

ہاری۔ کامریڈ میں ایک معرکہ آرا مضمون لکھا اور قوم سے اپیل کی۔ مضمون شائع ہوتے ہی روپیہ برسے لگا۔ اہلال کی اسپلوں نے بھی بڑا کام کیا۔ چند ہی دن میں کافی روپے سے وفد روانہ کر دیا گیا۔ مولانا ظفر علی خاں بھی ترکی پہنچے ہوئے تھے تاکہ ترکوں کی حالت معلوم کریں اور واپس آکر مسلمانوں کو بتائیں۔ وہ وہاں وفد میں شامل ہو گئے۔

اس وقت تک جنگ بلقان اپنے ابتدائی دور میں
لندن کی صلح کانفرنس تھی جبکہ ترک مدافعت کے لئے پوری طرح تیار

نہ تھے۔ مگر نشتلچہ کے مقام پر انھوں نے بلقانی اتحادیوں کی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور صلح کرنی چاہی۔ انگریزوں نے صلح صفائی کیلئے درمیان میں پڑنا منظور کر لیا۔

انگلستان نے ترکوں اور بلقانی ریاستوں کی کشمکش میں ترکوں کے ساتھ دشمنی کا جو رویہ اختیار کر رکھا تھا، اس پر ابھی تک ڈیپو میسی کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ اب حالات نے

اسے بھی پوری طرح اتار کر ”سب سے بڑی اسلامی سلطنت“ برطانیہ کے ارادوں کے چہرے کو بے نقاب کرنے کا بندوبست کیا۔ جنگ ملتوی ہوئی لندن میں ترکوں

اور بلقانی ریاستوں کے نمائندوں میں صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ مگر رخنہ یہ آپڑا کہ ریاست بلغاریہ ایڈریانوپل پر اپنا قبضہ چاہتی تھی اور ترک اس پر رضامند نہ تھے۔ برطانیہ

کے وزیر خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے بلغاریہ کے مطالبے کی تائید کی اور ترک نمائندوں پر زور دیا کہ ایڈریانوپل بلغاریہ کو دیدیا جائے۔ مگر ترک ان کے کہنے سے بھی ایسا کرنے

پر راضی نہ ہوئے۔ مسلمانوں کی نظروں میں دنیا اندھیر ہو گئی، ان کے دل ہموارونے لگے۔ ان دراز دستیوں سے ترک دنیا سے مٹ گئے تو خاکم بدھن) وہ دن دور نہ رہیگا

جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ لوگر اگر کھنڈروں میں تبدیل کر دیا جائے گا، اور عرب کی سرزمین پاک کی محرمت سفید فام قوموں کی ٹھوکروں سے پاش پاش ہو جائیگی۔

مسلمانان ہند کی نازک پوزیشن
مسلمانان ہند کے لئے جو گورنمنٹ برطانیہ کی پراسن رعایا کی حیثیت سے ہندوستان

کی سرزمین پر پُر امن زندگی بسر کرتے چلے آتے تھے یہ وقت پڑانا زک تھا، انگریزوں کی روش عام بے اعتمادی پیدا کرتی جا رہی تھی۔ وزیرِ برطانیہ کا غیر ذمہ دارانہ رویہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ برطانیہ ترکوں کے خلاف ایک طے شدہ پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ البتہ اس دور کے وائسرائے ہنرلارڈ ہارڈنگ نے مسلمانوں سے ضرور ہمدردی ظاہر کی جس کا مسلمانوں نے شکریہ ادا کیا اور یہ وائسرائے کی ہمدردی ہی کا اثر تھا کہ نزاکت حالات کے اپنی انتہا کو پہنچ جانے کے باوجود مسلمانوں کے لیڈروں نے انھیں یہی مشورہ دیا کہ وہ جوش و اضطراب سے بے قابو نہ ہوں، مالی جہاد کا جو راستہ ان کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی پر مردانہ وار مسلسل آگے بڑھتے چلے جائیں، مگر امن و امان کو درہم برہم نہ ہونے دیں۔

اس زمانے میں محمد علی اور ان کا اخبار کامریڈ مسلمانوں کی زبان اور ان کے جوش و جذبات کے ترجمان تھے

یہی پایہ ابوالکلام آزاد کے اہللال کا اردو میں تھا۔ کامریڈ میں ترکوں کی حمایت میں پُر جوش مضامین شائع ہوئے تھے جو پڑھنے والوں کے احساسات میں طوفان بیداری اٹھادیتے تھے۔ اس پُر جوش حمایت کی کامریڈ کو سزا بھگتنی پڑی۔ اس پر پریس ایجٹ کا وار ہوا۔ میسے ڈونیا مقدونیہ میں رہنے والے ترکوں پر بلقانی فوجوں نے شدید ظلم کئے۔ ان سے تنگ آکر اہل مقدونیہ نے ایک درو انگیز اپیل شائع کی جس میں برطانیہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ صرف عیسائی مذہب رکھنے کی وجہ سے ترکوں کی مخالفت اور بلقانیوں کی موافقت نہ کرے اور اسی کے ساتھ ساتھ ان تمام مظالم کو متاثر کن پیرائے میں بیان کیا گیا تھا جو عیسائی اہل مقدونیہ پر کر رہے تھے اس اپیل کا عنوان تھا "مقدونیہ میں آؤ اور ہماری مدد کرو" جو نہی یہ مضمون ہندوستان میں ایڈیٹر کامریڈ کو موصول ہوا انھوں نے کامریڈ میں پورا مضمون قسط وار شائع کیا۔ یہ بات حکومت ہند کو ناگوار گذری اور اس کے اشارے پر دہلی

کی مقامی حکومت نے اپنے حکم سے کامریڈ کے وہ تمام پرچے ضبط کر لئے جن میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ اور دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ مولانا نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔

مسلم لیگ کا ریزولوشن | مسلم لیگ سہلوان میں ابتدا ہی سے بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی تھی، اور قوم کی نمائندہ جماعت

کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندرونی خیالات و احساسات کو بے خوفی کے ساتھ حکومت تک پہنچا رہی تھی۔ یہ اس کا فرض تھا۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرتی تو قوم کا اعتماد کھو دیتی جب صلح کانفرنس میں یورپ کی بڑی حکومتیں ترکی پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ وہ دشمنوں کے غیر واجب مطالبات پر بھی تسلیم خم کر دے تو لیگ نے ایک اہم تجویز منظور کی جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم لیگ برطانیہ کے طرز عمل سے جو اس سلسلے میں اختیار کیا گیا ہے، مایوسی کا اظہار کرتی ہے۔ لیگ نے یہ امید ظاہر کی کہ برطانیہ اپنی ہندوستانی مسلمان رعایا کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے ترکوں کے خلاف ان کے دشمنوں کا ساتھ نہ دے گی۔ ”ڈٹا مٹا آف انڈیا“ اور دوسرے اینگلو انڈین اخباروں نے اس تجویز کو شدید یکجہتی کا نشانہ بناتے ہوئے مسلمانوں کو خوب برا بھلا کہا۔ مگر مسلم لیگ برابر ترکوں کے حق میں کام کرتی رہی۔ ہندوستان کے مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ آئندہ کے لئے ترکی صرف ایک ایشیائی طاقت بنا رہے اور یورپ کے سب مقبوضات سے دستبردار ہو جائے، ہندوستان میں برطانوی راج کی تاریخ میں مسلمانوں نے اس سے پہلے کبھی اس قدر جوش و خیمہ ظاہر نہ کیا تھا۔ اس سے ان میں نئی زندگی، نئی طاقت پیدا ہو گئی۔ پرانے سیاسی عقیدے بوسیدہ ہو کر گرنے لگے۔ ایسے مسلمانوں کو زیادہ توانا اور اونچے نصب العین کی تلاش تھی۔ عام طور پر ملک میں بھی ہر طرف بے اطمینانی اور بے چینی تھی۔

باب

لیگ کے بنیادی مقاصد میں تبدیلی

ہندوستان کی رقرار حالات | تقسیم ہنگال کی منسوخی سے ہندو خوش تھے۔ مگر ۱۹۴۷ء کا قانون السداد لغات، پریس ایکٹ (قانون مطابع) اور قانون ضابطہ فوجداری ان کی نظروں میں کھٹک رہے تھے جو اب سے پہلے حکومت نے کانگریسوں کو دبانے کے لئے بنائے تھے۔ مختلف صوبوں میں ریگولیشن ابھی تک باقی تھے ان کے ماتحت لوگوں کو نظر بند اور جلا وطن کیا جا رہا تھا۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ جو برا سلوک کیا جا رہا تھا اس پر بھی ملک میں بچینی تھی۔ حکومت نے ہندوستان کے بنے ہوئے مال پر محصول لگا دیا۔ اس سے صنعت پارچہ بافی پر بڑی کاری ضرب لگی۔ جدید حالات سے ہندوستان گہرا اثر لے رہا تھا۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء میں جبکہ منٹو مارلے اصلاحات کو رائج ہوئے پورے دو برس نہیں ہوئے تھے، والٹر کرٹین لارڈ ہارڈنگ حکومت انگلستان کو اپنا وہ مشہور تاریخی سرکاری مراسلہ بھیج چکے تھے جس میں انہوں نے فیڈریشن اور صوبجاتی خود اختیاری کا خاکہ پیش کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ شکل کا تنہا حل یہی ہے کہ صوبوں کو بترج حکومت خود اختیاری کے حقوق دیے جائیں یہاں تک کہ آخر کار ہندوستان ایسے خود اختیاری صوبوں کا مجموعہ بن جائے جو تمام صوبائی معاملات میں آزاد ہوں اور گورنمنٹ آف انڈیا کے ماتحت رہیں جسے بد انتظامی کی حالت میں مداخلت کرنے کا اختیار ہو۔ ہندوستان کی سیاسی فضا

صوبجاتی خود اختیاری، شاہی کونسل میں غیر سرکاری ممبروں کی اکثریت، اور کونسلوں میں زیادہ سوالات دریافت کرنے کے حق وغیرہ مطالبات سے گونج رہی تھی۔ سرکاری ملازمتوں کے بارے میں ایک شاہی کمیشن مقرر ہونے کی بھی خبر تھی۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ بہت جلد ہندوستانیوں کو نظام حکومت میں مزید حصہ دیا جائیگا۔

مسلم لیگ کوئی راہ عمل کی تلاش | ان حالات میں مسلم لیگ جیسے ترقی پرور سیاسی ادارے کا یہ فرض تھا کہ وہ

ہوشیار رہے تاکہ جب تغیرات کی رو آئے تو مسلمان سوتے نہ پڑے ہوں۔ اب تک اس کا کانسنٹی ٹیوشن (دستور اساسی) وہ ہی چلا آتا تھا جو ۱۹۰۶ء میں بنا تھا۔ منٹو مارلے ریفارمز کے نفاذ اور آئندہ سیاسی تبدیلیوں کے امکانات کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس پرانے نظام عمل کو ترک کیا جائے۔ مگر تند براور سیاستدانی کا تقاضا تھا کہ خود کو نئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اپنے عہد گذشتہ سے بھی تعلق قائم رکھے۔ گزشتہ سالانہ اجلاس کلکتہ میں نجی طور پر مسلم لیڈروں میں اس مسئلہ پر باتیں چلتیں ہوئی تھیں۔ اپریل ۱۹۱۲ء میں سید وزیر حسن صاحب نے بحیثیت سکرٹری تمام صوبجاتی لیگوں کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا اور ان سے نظام عمل کی تبدیلی کے سوال پر رائے طلب کی۔ عزیز مرزا صاحب مارچ کے مہینے میں انتقال کر چکے تھے۔ اور ان کی جگہ وزیر حسن صاحب سکرٹری بن گئے تھے۔ مراسلے کے جواب میں خطوط صرف صوبجاتی لیگوں ہی سے نہیں دوسرے نمایاں اہل رائے کی طرف سے بھی موصول ہوئے۔ بیشتر خطوط میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ لیگ کے موجودہ قواعد ضوابط کسی ایسی جماعت کے لئے ہی موزوں ہو سکتے ہیں جو بعض مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے بنائی گئی ہو۔ ان میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان خود اختیار سلطنت کے شہری بنا کر ان میں خود اختیاری کا جذبہ بھونکنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہمارا سیاسی نصب العین ایسا ہونا چاہئے جو ہمارے لئے مفید اور دوسروں کے نزدیک

قابل احترام ہو۔ بعض پرجوش مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ کانگریس کا درجہ نوآبادیات کا نصب العین ہی حرف بحرف مسلم لیگ کا نصب العین بنایا جائے۔ کانگریس نے یہ نصب العین ۱۹۱۲ء ہی میں مقرر کیا تھا۔ درجہ نوآبادیات کے نصب العین کے مخالف کہتے تھے کہ خود اختیار برطانوی نوآبادیوں کی حالت ہندوستان سے بالکل مختلف ہے۔ اور کنفیڈرل اور جنوبی افریقہ کے علاوہ ہر نوآبادی میں ایک قوم بستی ہے جبکہ ہندوستان میں قدم قدم پر مذہب، نسل اور زبان کا اختلاف موجود ہے۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے بارے میں عام طور پر یہ رائے تھی کہ ممبروں کی تعداد کم اور چندہ زیادہ رکھا جانے کی وجہ سے لوگ زیادہ تعداد میں شریک ہو کر اسے نمائندہ سیاسی جماعت بنانے سے باز رہتے ہیں۔ خط و کتابت کے ذریعہ رائیں حاصل کرنے کے علاوہ سرکاری لیگ نے ملک کا ایک طویل دورہ بھی کیا اور ہر جگہ کے نمایاں افراد سے ذاتی طور پر گفت و شنید کر کے لیگ کے بنیادی مقاصد کی تبدیلی اور اس کے آئندہ پروگرام کے بارے میں ان کی رائیں معلوم کیں۔

جدید بنیادی مقاصد کا مسودہ | تحریری رائیں معلوم کرنے اور ہندوستان کا دورہ کر کے نمایاں مسلمانوں کی ذاتی آرا سے

واقفیت ہم پہنچا چکنے کے بعد سید وزیر حسن نے لیگ کے نئے دستور اور جدید قواعد و ضوابط کا ایک تازہ مسودہ تیار کیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بارہ درمی قیصر باغ لکھنؤ کے وسیع و کشادہ ہال میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا جلسہ ہوا۔ قاعدے کی رو سے تو اس میں صرف ممبر ہی آ سکتے تھے مگر چونکہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کی خواہشات معلوم کرنی تھیں، لیگ کے ممبران اور باہر کے حضرات کو بھی جلسے میں آنے دیا گیا اور انھیں تقریر کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ اس جلسے کے صدر ہزاسٹنس سر آغا خان تھے۔ نمایاں رہبران قوم میں سے مسٹر محمد علی کامرڈی، راجایان محمود آباد و جہانگیر آباد، مسٹر مظہر الحق اور سید نبی اللہ موجود تھے۔ جلسے میں داخلہ مفت

نہ تھا بلکہ آٹھ آئیٹکٹ لگا دیا گیا تھا جس کی کل آمدنی انجن ہلال حمر کے فنڈ میں دیدی گئی مگر اس پر بھی ہال کچا کھج بھرا ہوا تھا۔ نئے دستور کی ایک ایک شق پر پوری پوری بحث ہوئی۔ ہر شخص کو بولنے کا اختیار دیا گیا۔ جلسے کی کارروائی پورے سات گھنٹے تک جاری رہی۔ آخر میں ایک دستور اساسی منظور ہو گیا۔

نئے دستور میں لیگ کا پہلا مقصد ”باشندگان ملک میں تاج برطانیہ سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا“ رکھا گیا۔ پہلے یہ مقصد ”مسلمانان ہند میں گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا“ تھا۔ ”مسلمانان ہند“ کی جگہ ”باشندگان ملک“ کی ترکیب رکھنے سے مقصد کا دائرہ عمل زیادہ وسیع ہو گیا۔ ”گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری“ ایک بے معنی سی ترکیب تھی کیونکہ انگلستان میں پارٹیوں کے عروج و زوال کے ساتھ گورنمنٹیں بنتی اور ٹوٹی ہیں۔ البتہ تاج برطانیہ ایک مستحکم چیز ہے۔ وفاداری کے مفہوم میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ اگر حکومت غلطی پر ہو تو ہم ذمہ دار افراد کو ملوث اور بشرط ضرورت ان کے افعال کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں۔ دوسرا مقصد ”مسلمانوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کی حفاظت و ترقی“ طے پایا۔ اس میں کوئی نئی چیز نہ تھی مگر یہ بات صاف کر دی گئی کہ مسلمانوں کو ملک سے علیحدہ رکھ کر ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان آہنی دیوار کھڑی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ان کے سینوں کو حب وطن کے جذبے سے خالی رکھنا ہے بلکہ مطالبہ صرف اتنا ہے کہ جیتک ہندوستان میں متحدہ قومیت کا ذریعہ خواہ حقیقت نہ بن جائے اس وقت تک مسلمانوں کو ملکی حکومت میں اپنے حقوق کا تحفظ کرنے دیا جائے۔ تیسرا مقصد ”مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں میں اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ پیدا کرنا“ تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دیا گیا کہ یہ اتحاد باوجود بعض اختلافی امور کے بھی ہو سکتا ہے۔ چوتھا اور اہم ترین مقصد یہ طے ہوا کہ مسلم لیگ کا نصب العین ”تاج برطانیہ کے ماتحت ہندوستان کے حالات کے مناسب خود اختیار حکومت حاصل کرنا“ مقرر کیا جائے۔

مناسب حال و اختیار حکومت؟ | جلسے میں زیادہ تر بحث اسی پر ہوئی کہ آیا مسلم لیگ مناسب حال خود اختیار حکومت

کے حصول کو اپنا نصب العین بنائے یا نہیں اور آخر کار اس کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ تمام اسلامی اخبارات (ماسوا ایک دو) نے اس نصب العین پر مسلم لیگ کی کونسل کے فیصلے کو سراہا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اہلال میں اس کی مخالفت کی اور مولانا شبلی نعمانی کی کئی نظمیں شائع کیں جن میں اس نصب العین پر نکتہ چینی کی گئی تھی۔ ہندو اخبارات نے لیگ کے اس اقدام کی تعریفیں کیں اور بعض اخبارات جیسے دکانگریس آرگن انڈیا نے تو اس پر صاف ہی کر دیا۔ لندن کی شاخ مسلم لیگ نے بھی اس نصب العین کو تسلیم کیا۔ اسی زمانے میں حکومت انگلستان نے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ تحقیقات کرنے کے بعد ملازمتوں کی حالت کا نقشہ اس کے سامنے رکھے اور بتائے کہ ہندوستانیوں پر اس سلسلہ میں ابھی تک کیا کیا پابندیاں ہیں۔ ہندوستان کے ہر طبقہ و خیال کے لوگوں نے کمیشن کے تقرر کا خیر مقدم کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے ذمہ دار افسروں کو اس سلسلے میں ایک طویل بیان بھیجا گیا جس میں بتایا گیا کہ ہندوستانیوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً کیا کیا پابندیاں ہیں اور اس بات پر زور دیا گیا کہ آئی، سی، ایس کے امتحانات انگلستان اور ہندوستان میں بیک وقت ہوا کریں۔

مسلم لیگ کا چھٹا سالانہ اجلاس کوئٹہ ۱۹۱۳ء | ایک کا یہ اجلاس جو ۲۲ مارچ ۱۹۱۳ء کو کوئٹہ میں ہوا دسمبر

۱۹۱۲ء میں ہونے والا تھا مگر اس نے ملتوی ہو گیا تھا کہ راست آنریبل سید امیر علی جہیں مسلمان صدر بنانا چاہتے تھے اس وقت انگلستان چھوڑ کر ہندوستان نہ آ سکتے تھے سید صاحب مارچ تک بھی فرصت نہ پاسکے۔ اس لئے خان بہادر میاں محمد شفیع کو صدر منتخب کر کے اجلاس منعقد کر دیا گیا۔ حاضرین کی جتنی تعداد اس اجتماع میں تھی

اتنی اس سے پہلے کسی جلسے میں نہیں دیکھی گئی تھی۔ اجلاس اپنی اہمیت کے لحاظ سے بے اتہا ضروری تھا۔ اس میں ان معاملات پر بحث ہونی تھی جن کا قوم کے مستقبل سے بہت قریبی تعلق تھا۔ سب سے بڑھ کر تو اس اجلاس میں لیگ کا نیا نظام عمل منظور ہونا تھا۔ حاضرین میں سے نمایاں ترین یہ تھے میٹر محمد علی کامرڈ، میٹر محمد علی جناح، خان بہادر میاں محمد شفیع، نواب کبچ پورہ، خواجہ یوسف شاہ، نواب محمد علی قزلباش، شیخ غلام صادق (پنجاب)، میٹر منظر الحق، خان بہادر فخر الدین دہلوی، میٹر اے رسول، میٹر سلطان احمد میٹر مجیب الرحمن، ایڈیٹر مسلمان دکن کتبہ، مولوی رفیع الدین احمد، نواب غلام احمد خاں کلامی (مدراں)، میٹر عبدالعزیز (مدراں)، ہمارا جہ محمد آباد، سید نبی القدر، میٹر سیٹھ محمد (الہ آباد)، میجر سید حسن بلگرامی۔ بعض ہندو حضرات بھی خاص دعوت پر آئے تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو بھی تشریف رکھتی تھیں۔

مسلم لیگ کے اس اجلاس کیلئے خان بہادر میاں محمد شفیع کا انتخاب صدارت اور اصل پنجاب کی شاخ مسلم لیگ کی اس پرزور اور انتھک

خان بہادر میاں محمد شفیع کا انتخاب صدارت
پنجاب مسلم لیگ کا اختتام

جدوجہد کا اعتراف تھا جو اس نے مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے سلسلے میں کی تھی۔ مسلمانوں کو حکومت ہند کے قانون ساز اداروں اور انتظامی محکموں میں ان کا حصہ دلوانے میں پنجاب مسلم لیگ کی جدوجہد کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ زور و ارتق سے حکومت کے سامنے اپنے مطالبات رکھے اور آزادی اور نیونی کے ساتھ موثر ذرائع سے اپنی آواز ذمہ دار افسران کے کانوں تک پہنچائی۔

اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے مدبرانہ انداز و موثر زبان میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کی صورت حال پر نظر ڈالی اور بڑی جرأت کیساتھ مسلمانوں

کو وہ راستہ دکھایا جس پر چلنے سے وہ حکومت اور ملک کی نظروں میں ایک قابل احترام طاقت بن سکتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے لیگ کے نئے نظام عمل پر بحث کی اور ترمیم شدہ دستور کے چاروں مقاصد کی تشریح کے یہ بتایا کہ لیگ جیسی ترقی پذیر سیاسی جماعت کے یہی مقاصد ہونے چاہئیں حکومت یا برادران وطن کو ان سے خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دنیائے اسلام کے رنجیدہ اور سرگرداز واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے برطانوی وزیر کے طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے مسلمانوں کے قلبی ہیجان کی ترجمانی کی۔ آپ نے ترکوں کے مصائب سے یہ نتیجہ نکال کر دکھایا کہ وہ باہمی اتفاق کی وجہ سے کمزور ہو کر غیروں کا شکار بنے، ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اہل رائے کو اختلافات کی بنا پر تخریبی نکتہ چینیوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ اشارہ محمد علی ابوالکلام، حسرت موہانی وغیرہ کی طرف تھا جو پرانے مسلمہ مدبروں پر سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے۔

مسلم لیگ کے نئے نصب العین پر بحث

سب سے بڑا معاملہ جس پر اس اجلاس میں بحث ہوئی نئے نظام عمل کی منظوری کا تھا جسے سید وزیر حسن آفریدی منکر ٹری مسلم لیگ نے تیار کیا تھا اور جسے لیگ کونسل نے اپنے ۳۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کے اجلاس میں منظور کر لیا تھا۔ اسی کی خاطر دو دور سے لیگ کے ممبر اتنی زیادہ تعداد میں شامل اجلاس ہونے کے لئے آئے تھے۔ ہر طبقہ و خیال کے مسلمان موجود تھے۔ ان کی تقریری کشمکش سے بحث میں اگر کمی بھی پیدا ہوئی مگر آرمیل میاں شفیع نے کسی وقت بھی حالات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیا۔ زیادہ تر بحث جو تھے مقصد یعنی نئے نصب العین پر تھی۔ اس معاملے میں دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ یہ قبل از وقت ہے۔ دوسرا گروہ جو اس کے حق میں تھا دو جماعتوں میں منقسم تھا۔ ایک جماعت درجہ نوابا دیات کی حکومت کی تائید کرتی تھی دوسری کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں ایسی خود اختیار حکومت ہونی چاہئے جو ہندوستان

کے لئے موزوں اور اس کے مناسب حال ہو۔ درجہ نوآبادیات کے سب سے بڑی حامی آئرلینڈ میں نظر الحق تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ ”موزوں حکومت خود اختیاری“ سے نصب العین واضح نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ ”درجہ نوآبادیات کے مساوی خود اختیار حکومت“ کی ترکیب رکھ دی جائے تو ایک معینہ سیاسی منزل مقرر ہو جاتی ہے۔ ہمیں نوآبادیاتی حکومت مانگنی چاہئے مگر یہ بھی کہہ دینا چاہئے کہ یہ نئے اس وقت جب ہندوستان اس کے قابل ہو جائے۔

اب جناب صاحب بھی لیگ میں سرگرم حصہ لینے لگے۔
جناب صاحب کی نئی تقریر | تھے۔ نئے نصب العین کی تحریک میں ان کا بڑا

ہاتھ تھا۔ انھوں نے آئرلینڈ میں نظر الحق کی مخالفت میں تقریر کرتے ہوئے کہا ”اس اجلاس کے سامنے جو سب سے پہلی چیز میں رکھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ ایک زبردست اور حیات بخش اہمیت کے سوال پر غور کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ملک کے ہر حصے سے آنکھیں آپ کی کارروائیوں کو دیکھ رہی ہیں۔ آج آپ یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ اپنی قوم کے لئے ایک نظام عمل بنائیں۔ یہ مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک ایسا لمحہ ہے جو بڑی سے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لیگ اپنے راستے سے ہٹا رہی ہے اور لیگ اور مسلمانان ہند کی رائے یہ پروگرام (جو زیر غور ہے) بہت زیادہ بھاری ہے۔ حضرات ہمیں یہ بات سامنے رکھنی ہے کہ لیگ ایک سیاسی جماعت ہے اور معتزضین کو میرا جواب یہ ہے کہ اس سیاسی جماعت کا ایک سیاسی پروگرام ہونا چاہئے۔ ایک ایسا پروگرام جو ملک کے بھلے کے لئے سب مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر دے۔ اگر آپ لیگ کا پرانا نظام عمل دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس میں کوئی مفید سیاسی پروگرام نہیں ہے۔ وہ ابطل، وہ جلیل القدر شخصیتیں جنہوں نے لیگ کی بنیاد رکھی تھی ہر حسین کی مستحق ہیں کیونکہ لیگ کے قیام اور اس کے وجود ہی سے مسلمانان ہند میں صحیح

سیاسی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہمارا سیاسی پروگرام کیا ہو؟ میرا جواب یہ ہے کہ خوف یا خطرے کے احساس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جنہیں اندیشے ہیں ان کو میرا ہی جواب ہے کہ جب تک وہ ہم پر اعتماد رکھتے ہیں انہیں خوف یا خطرہ محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو اعتراض کر رہے ہیں انہیں میرا جواب یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانان ہند اپنی عملی کارروائیوں کو ہمیشہ وقار کے ساتھ منظم کریں گے۔ جو لوگ ایسا خیال نہیں کرتے وہ میرے نزدیک بجا خوف کا شکار ہیں۔ جو لوگ اس کے خلاف کرنے کی صلاح دے رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ان کی صلاح پر عمل کیا گیا تو مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو جائیگی حضرات! آپ کے سامنے اس وقت سوال یہ ہے کہ آپ نوآبادیات جیسی حکومت چاہتے ہیں یا ہندوستان کے مناسب حال خود اختیار حکومت؟ مجھے افسوس ہے کہ میں مشر منظر الحق سے اتفاق نہیں کرتا۔ گزشتہ مرتبہ جب کونسل میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا تو میں نے وہاں بھی ان کی مخالفت کی تھی۔ میری دلیل یہ ہیں (۱) جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ہر نوآبادی کا دستور اساسی دوسری نوآبادی سے مختلف ہے (۲) نوآبادیاتی حکومت کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک ملک سے جا کر نوآبادیوں میں آباد ہو جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اسی ملک کے فرزند رہتے ہیں۔ یہ بات ہندوستان پر پوری نہیں اترتی (۳) خود اختیار حکومت کا مطلب ہے حکومت عوام برائے عوام۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سو برس بعد عوام کی کیا حالت ہوگی؟ ہم ہندوستان کی آئندہ ترقی اور حالت کا ابھی سے کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں؟

آنریبل مولوی رفیع الدین احمد باریٹ لادپونا، جو ہر اجلاس میں جدا جدا حق نیابت اور نشنوں کے تحفظ کے بارے میں ایک تجویز منظور کراتے تھے اس نصب العین کے مخالف تھے۔ انہوں نے کہا ”ابھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نصب العین سے مسلمانوں کا نقصان ہو گا۔ اگر آپ ہندوؤں سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں کیجئے مگر آگے بڑھ کر خیالات پیش کرنا اقلیت کا نہیں اکثریت کا کام ہے، ان کی تقریر کے دوران میں کئی مرتبہ ”نہیں نہیں“ کی صدا میں بلند ہوئیں۔ لیگ کونسل کا منظور کیا ہوا نظام عمل اور نصب العین

کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔

۱۹۱۳ء میں مسٹر جناح کا وقت بل منظور ہو کر مسلمان مسٹر جناح کا قانون وقف منظور

اس سے مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے مطابق اپنی املاک وقف کرنے کا اختیار مل گیا اور مسلمانوں پر سے ایک نقصان دہ قانونی پابندی اٹھ گئی۔ اس سلسلے میں رائٹ آرمیل سٹیڈیئر علی اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے بڑی سرگرمی سے کام کیا تھا مگر مسٹر جناح مسلمانوں کے خصوصی شکرے کے مستحق تھے کیونکہ انھوں نے بڑے سلیقے کے ساتھ اس کا مسودہ تیار کر کے شاہی کونسل میں حکومت سے اس کی منظوری حاصل کی تھی۔ لیگ کے اجلاس میں مسٹر جناح کا پُر زور شکریہ ادا کیا گیا۔ جنگ بلقان کے سلسلہ میں مقدونیہ میں یونانیوں نے نہتے شہریوں اور عورتوں اور بچوں پر جو مظالم کئے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور فرارے برطانیہ کے رجز عمل پر بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا۔ اس تجویز کو حکومت کے سربراہ مسٹر رسل نے پیش کیا جو اتنے زیادہ انتہا پسند تھے کہ کانگریسی بھی ان سے گھبراتے تھے۔ انھوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا "میں مسلم پلیٹ فارم سے اس مسئلے پر بولتے ہوئے بچتا رہا ہوں مبادا مسلمانوں پر کوئی ایسا الزام بھی لگا دیا جائے جو ابھی تک نہیں لگایا گیا ہے۔" مگر بعض جلسوں میں میں نے بعض مسلمان رہبروں کی ایسی تقریریں شنیں جو میری انتہا پسندی سے بھی دو قدم آگے تھیں، ان کا اشارہ علی یار داران اور مولانا ابوالکلام وغیرہ کی طرف تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی سیاست کس قدر تیزی سے بدل رہی تھی۔ اس اجلاس میں برطانیہ پر زور دیا گیا کہ وہ اپنا رسوخ استعمال کر کے روس سے شمالی ایران خالی کرائے۔ مولانا محمد علی نے یہ تجویز منظور کرائی کہ آئی، سی، ایس کے امتحانات انگلستان کی بجائے ہندوستان ہی میں لئے جانے کیلئے پبلک سروس کمیشن کو کوئی نظام قائم کرنا چاہئے۔ مسٹر مظہر الحق نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ آخری تجویز مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کے بارے میں تھی جو ہر سال پیش ہو کر منظور ہوا کرتی تھی۔

باب ۹

بھیننی کا سال ۱۹۱۳ء

لندن صلح کانفرنس | ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء سے مسلم لیگ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی ہیجان، حکومت سے بدظنی اور

ہندوؤں سے اتحاد کے رجحان کا دور ہے۔ لندن میں ترکوں اور بلقانیوں کے درمیان صلح کر دی گئی۔ مگر اس طرح کہ بلقانیوں کا پلہ بھاری رکھا گیا جس سے نہ ترک وطن تھے نہ ہندوستان کے مسلمان۔ برطانوی وزیر ابراہیم کہتے رہے کہ فاتح بلقانی ریاستوں کو ان کی فتوحات کے ثمر سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اس اثنا میں بلقانی ریاستوں میں مفتوحہ علاقے کی تقسیم پر آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ ترکوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انور پاشا کی قیادت میں ایڈریانوپل کو دوبارہ فتح کر لیا۔ اب برطانیہ کے دوسرے اعلان کے مطابق ایڈریانوپل ترکوں ہی کے پاس رہنا چاہئے تھا۔ مسٹر لیکوئٹھ نے ایک میسر اعلان شائع کیا کہ جہاں تک ترکوں کا تعلق ہے، ان کو ان ہی حدود کے اندر اندر رہنا پڑیگا جو لندن کانفرنس میں مقرر کر دی گئی ہیں۔ یہ کھلی ہوئی بے انصافی تھی۔ مسلمانوں کے دلوں کو جو پہلے ہی کافی مجروح تھے اس سے سخت اذیت محسوس ہوئی۔ زبردست سیاسی ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس ہیجان کے علمبردار مسلمانوں کے نوجوان پر جوش رہبر محمد علی، شوکت علی، وزیر حسن، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، ظفر علی خاں وغیرہ تھے۔ وہ مسلمانوں کے اس جذبے کے ترجمان تھے کہ انگریز عالم اسلام سے دشمنانہ رویہ اختیار کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود

کرنا چاہتے ہیں اور دھاکم بدھن، اب وہ وقت دور نہیں کہ عرب کی مقدس سرزمین کی حرمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ انجمن خدام کعبہ کی بنیاد مولانا شوکت علی اور مولانا عبد الباقی صاحبان نے اسی احساس کے ماتحت ۶ مئی ۱۹۱۳ء کو رکھی۔ اس کے ہر ممبر کو ایک اقرار نامے پر دستخط کرنے پڑے تھے جس کا مضمون یہ تھا کہ ”میں فلاں ابن فلاں اقرار کرتا ہوں کہ اگر کعبہ پر مخالفانہ حرف آئیگا تو اس کی حفاظت کے لئے جان و مال سے قربان ہو جاؤں گا“ مسلمانوں کے جذبات میں آگ بھڑک اٹھی۔ انہیں صاف صاف نظر آ رہا تھا کہ صلیب پر ہلال کی صد ہا سالہ فتوحات کا بدلہ لیتے ہوئے ترکی اور ایران کی اسلامی طاقتوں کو مٹایا جا رہا ہے۔ انجمن ہلال احمر اور اس کی شاخوں کے ذریعے سے انہوں نے ٹرکوں کو لاکھوں روپے بطور مالی امداد بھیجے۔ ترکی تمسکات کے ذریعہ ترکی حکومت کو قرضے دیئے۔ علی گڑھ کالج کے طلباء نے ایک وقت کھانا کھا کر روپیہ بچایا اور وہ ترکوں کو بطور امداد بھیجا۔ پریشانی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں پر خواب و غور حرام ہو گئے۔ غریب امیر سب پریشان تھے۔ ہر شخص کے دل میں درد، آنکھوں میں آنسو اور لب پر دعا تھی۔ اس بچینی اور ہیجان میں کانپور کے حادثہ سے مزید اضافہ ہوا۔

اگست ۱۹۱۳ء میں کانپور میونسپلٹی نے مسلمانوں کے منع مسجد کانپور کا معاملہ کرتے رہ جانے کے باوجود کانپور کے مچھلی بازار کی مسجد کا ایک حصہ سڑک کا خم دور کرنے کی غرض سے گرا دیا۔ کسی مسجد یا اس کے کسی حصے کو شہید کرنا مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی کھلی توہین ہے۔ ہندوستان بھر میں اس سے جینی اور غم و غصے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور حادثہ کانپور ایک آل انڈیا مسئلہ بن گیا۔ فوراً ہی آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اپنا ایک ضروری ہنگامی جلسہ کیا اور ایک اسلامی عبادت گاہ کی بحیر متی پر غم و غصہ کا اظہار کرنے کے بعد صوبہ متحدہ کی حکومت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ مسجد کے مسمار شدہ حصوں کو از سر نو تعمیر کرایا جائے۔ مولانا محمد علی نے بھی اپنے اخباروں میں مسلسل مضمون لکھ کر زوردار طریقہ سے آواز اٹھائی۔

کی حکومت نے اس پروٹسٹ کی طرف سے کان بند کر لئے۔ اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کیا کہ وہ کانپور میونسپلٹی کے اس کام سے متفق ہے۔ یہ زخموں پر نمک پاشی تھی مسلمان تلمیذ آٹھے۔

نہتوں پر گولیاں

۱۳ اگست کو وہ مسجد کے سامنے اس غرض سے جمع ہو گئے کہ اگر حکومت اس پر آمادہ نہیں ہے تو ہم خود ہی اپنی مسجد کے ہمارے حصے کی مرمت کریں گے۔ مقامی حکومت کی طرف سے پولیس موقع پر بھیج دی گئی۔ مگر وہ مجمع پر قابو نہ پاسکی۔ اب فوج بلا لی گئی۔ اس نے نہتے مجمع کو گھیرے میں لیکر مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ مسلمانوں کے پوری طرح بچپن ہونے میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ اس حادثے سے پوری ہو گئی اس وقت تمام دوسرے اہم مسائل حادثہ کانپور کی شدت کے سامنے ماند پڑ گئے یہاں تک کہ کچھ دن کے لئے مسلمانان ہند نے مسئلہ ترک کر کے بھی فراموش کر دیا اور ان کا سارا جوش و ہيجان شہادت مسجد کانپور پر مرکوز ہو گیا۔

صوبہ متحدہ کی حکومت نے پچھلی بازار کی مسجد کی دیوار گرائے جانے کی تائید کر کے مسلمانوں کے قلبی زخموں پر جو البانیہ و مقدونیہ کی مساجد کی بے حرمتی اور شہد مقدس پر روسیوں کی گولہ باری کی خبروں سے ناسور بن چکے تھے پر شیش کے آہنی پنجے سے قلب و جگر فوج لینے والی ایک ہوریز کھینچ لگائی۔ مولانا محمد علی اس معاملے کو لیکر بے خونی کے ساتھ آٹھے اور صوبہ متحدہ کی حکومت سے خط کتابت کی۔ مسلم لیگ نے وائسرائے سے اپیل کی کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے۔ وائسرائے نے امیڈا فرما جواب تو دیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مولانا محمد علی کو بھی خط کتابت میں کامیابی نہ ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں کی فریاد کو کامرئیہ کے ذریعے سے حکومت کے کانوں تک پہنچا کر خانہ خدا کی حرمت کے بارے میں مسلمانوں کے نظریے اور احساسات کو واضح کرنے کی کوشش کی مگر خداوندان اقتدار شس سے مس نہ ہوئے۔ جوں جوں حکومت کی خاموشی طول کھینچتی جاتی تھی مسلمانوں کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ مولانا محمد علی نے لندن پہنچ کر حکومت انگلستان کا دروازہ کھٹکھٹانے کا ارادہ کیا۔

مولانا محمد علی کے مقدمہ بچپنی میں ضدا

اس زمانے میں مولانا محمد علی کے مقدمات کے بارے میں بھی بڑی تشویش پائی جاتی تھی۔ جب کامریڈ سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی تھی تو مولانا نے حکومت دہلی کے اس حکم کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل دائر کر دی تھی۔ جن دنوں حادثہ کانپور ہوا یہ مقدمہ عدالت میں تھا۔ اس کی نوعیت عجیب تھی۔ یہ بات عدالت کو تسلیم تھی کہ کامریڈ کے ضبط شدہ مضمون میں کوئی ایسی باغیانہ چیز نہیں ہے جو تعزیرات ہند کی زد میں آسکے مگر اس کے باوجود عدالت نے یہ کہا کہ دفعہ ۴ کی زبان جس کے ماتحت کامریڈ کے پرچے ضبط کئے گئے ہیں اس قدر وسیع ہے کہ یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کونسی چیز اس کی زد سے باہر رہ سکتی ہے۔ ملزم کے خلاف ثبوت مہیا نہ ہونا بھی پریس ایکٹ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں کہنا بلکہ جرم کا ثبوت ملزم کا یہ ثابت نہ کر سکتا ہے کہ وہ جرم سے بری ہے۔ اسی الٹی دلیل سے اپیل نام منظور کر کے محمد علی سے دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی جو انہوں نے داخل کر دی۔ اس موقع سے بھی مسلمانوں میں گورنمنٹ کے خلاف جوش اور بدظنی میں اضافہ ہوا۔ مقدمے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد علی نے مسجد کانپور اور مسئلہ خلافت کی وکالت کے لئے روانگی لندن کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ کی مگر صوبہ متحدہ کے گورنر جیمز سٹن کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ پاسپورٹ حاصل کرنے میں مزاحم ہونگے۔ اس لئے مولانا نے اپنے اور لیگ کے سکرٹری سید وزیر حسن کے لئے خفیہ طور پر ایم علی اور ڈبلیو حسن کے ناموں سے پاسپورٹ حاصل کئے اور اس طرح ماہ اکتوبر میں لندن پہنچے۔ وہاں انھوں نے تقریروں اور مضامین کے ذریعہ سے اپنے موافق فضا پیدا کی اور مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لیکر ہی رہے۔ کانپور ایجنٹیشن کے قیدی رہا کر دیئے گئے اور مسجد کا وہ حصہ تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی جو مینو پلٹی کے حکم سے گرایا گیا تھا۔ دورانِ قیام انگلستان میں مولانا نے وزراء برطانیہ کو ترکوں کے متعلق مسلمانوں کے جذبات بھی بتانے چاہے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر دسمبر میں وہ ہندوستان واپس آ گئے۔

ٹرنر مار سین کی حجاز کی جاہ داری نیچے کے سرکاری دے | جنگ بلقان، حادثہ
کانپورا اور مقدمہ

کامریڈ کے علاوہ حکومت بمبئی کی اس تجویز سے بھی مسلمانوں کے ہیجان میں اضافہ ہوا کہ سفر فرج کے لئے لازمی واپسی ٹکٹ رکھے جائیں اور کم سے کم کرایہ سفر مقرر کیا جائے۔ اور سفر فرج کی اجارہ داری ٹرنر مار سین اینڈ کمپنی کو دیدی جائے۔ یہ تجویز بظاہر تو اچھی معلوم ہوتی تھی مگر جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے بہت مضر ہے۔ مسلم لیگ نے گورنمنٹ آف انڈیا پر مسلمانوں کی بھینپی کو ظاہر کیا اور لیگ کی کونسل نے حکومت بمبئی کی تجویز پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا کہ اس تجویز کو منظور نہ کیا جائے مگر حکومت نے اسی کمپنی کو ٹھیکہ دیا جس سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پھیلا۔ وقت کا ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ نظام حکومت کے عدالتی شعبے کو انتظامی شعبے سے جدا کیا جائے اس پر پہلے بھی کئی مرتبہ لیگ گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند کی توجہ مبذول کر چکی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں خود بعض بڑے بڑے انگریزوں نے وزیر ہند کو اس سلسلے میں ایک یادداشت بھیجی تھی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک ذمہ دار انگریز نے والس رائے کی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس طرح عدالت غیر جانبدار اور شبہ سے بالا نہیں رہ سکتی۔ مگر اس کے باوجود پانچ سال تک حکومت نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور ہندوستانیوں میں بھینپی بڑھنے لگی۔ آئرلینڈ سریندر ناتھ بنرجی نے اس سلسلے میں والس رائے کی کونسل میں تجویز پیش کی تو ایک غیر سرکاری ہندوستانی ممبر نے ان کی تائید کی۔ لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ کی کونسل نے بھی رائے عامہ کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت پر زور ڈالا کہ عدالتی شعبے کو انتظامی شعبے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ مگر حکومت نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

پریس ایکٹ کی مخالفت | اس زمانے میں اس ایکٹ سے جو ۱۹۰۸ء میں منظور ہوا تھا آزاد خیال اخباروں کا گلا دیا جاتا تھا۔ خاص کر مسلم اخبارات کے خلاف اسے بڑی سختی سے استعمال کیا گیا تھا۔ اہلال، کامریڈ، زمیندار

وغیر بہت سے اخبارات اس کا زخم اٹھا چکے تھے۔ مسلمان اس قانون کے سخت مخالف تھے۔ لیگ نے حکومت کو اس قانون میں مناسب ترمیم کرنے کی طرف بھی متوجہ کیا جنوبی افریقہ کے ہندوستانی آباد کاروں پر بڑے ظلم ہو رہے تھے انھیں وہاں معسومی حقوق شہریت بھی حاصل نہ تھے اور ان کے اور حکومت کے درمیان زبردست کشمکش ہو رہی تھی۔ ہندوستان کی سیاست پر جنوبی افریقہ کے حالات کا بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا اور لوگ جنوبی افریقہ کی یونین گورنمنٹ کے سخت مخالف تھے۔ لیگ کی کونسل نے بھی اس حکومت کے مظالم کے خلاف شدید احتجاج کیا اور حکومت پر زور دیا کہ وہ جوابی کارروائی کرے حکومت نے لیگ کی تجویز کو وزیر ہند تک پہنچا دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ | ان مصائب نے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا کر دی۔ اس سلسلہ میں لیگ نے سب سے پہلا قدم اٹھایا۔ آئرلینڈ

میاں محمد شفیع نے ذمہ دار اصحاب کو ایک نئی مراسلہ بھیجا اور سید وزیر حسن نے یہ تجویز کی کہ ہر صوبے سے دونوں قوموں کے نمایاں افراد کسی مقام پر جمع ہو کر ہندو مسلم اشتراک عمل کے ابتدائی امور کا تصفیہ کر لیں۔ دونوں قوموں کے لیڈروں نے اس کے بہت افزا جوابات دیئے، مدراس، بنگال، بمبئی اور آلہ آباد کی کانگریس کمیٹیوں نے تجویزیں منظور کر کے اس کی تائیدیں کیں۔ سید وزیر حسن نے نجی طور پر بھی بہت سے ہندو مسلم لیڈروں سے اس سلسلے میں گفتگوئیں کیں۔ ان سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ لوگ اتحاد و اتفاق کے لئے تیار ہیں۔ ان تمام کاموں کے علاوہ لیگ ۱۹۱۷ء کی تجویز کے مطابق مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں ان کا حصہ دلوانے کے لئے بھی برابر جدوجہد کرتی رہی۔

جدید الانی تحریک "رٹائرمنٹ آف لنڈن" | انگلستان کا مشہور اخبار "ڈی ٹائمز" نے "آف لنڈن" ہندوستان کو

خود اختیار حکومت دی جانے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے ہندوستان کے جمہوری دونوں کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا کہ نوجوان مسلمان رہبروں نے ایک نیشنل

طور پر چلی ہوئی تحریک کو ایک سیاسی ایجنٹیشن بنا کر مسلمانوں کے جائز مطالبات کو اگے نہ بڑھاتے ہوئے سازش کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں مسلم لیگ کے ترقی پسند گروہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ جب تک مسلمان بھیت پر کیوں کی طرح آنکھیں بند کر کے خود ساختہ گڈریوں کے بنائے ہوئے راستے پر چلتے رہے "ٹائمز" کے نزدیک ان کی روش دانشمندانہ رہی مگر جو بھی اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے لئے ایک عملی پروگرام بنایا ان پر سازشیں کھڑی کرنے کا الزام لگایا جانے لگا۔ مسلمان نشوونما کے راستے پر پڑ چکے ہیں اور ان میں پر خلوص صحبانی وطن کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو دوسری ہمسایہ قوموں سے اتحاد عمل کر کے ہندوستان کو زیادہ تیز رفتار سے آگے لیجانا چاہتے ہیں ٹائمز جیسے "دانشمند" اس نئی تحریک میں ایک ایسی زندگی متحرک دیکھتے ہیں جو وہ نہیں دیکھنی چاہتے۔

مسلم لیگ کا ساتواں سالانہ اجلاس گزرا ۱۹۱۲ء

دسمبر میں آگرہ میں لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا جو مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں مخصوص اہمیت کا اجلاس سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۱۲ء تک لیگ کے پنڈال میں صرف ایک ہزار آدمیوں کی گنجائش رکھی جاتی تھی۔ مگر اس مرتبہ مشن اسکول آگرہ کے احاطہ میں جو خوبصورت اور شاندار پنڈال بنایا گیا اس میں پانچ ہزار وزیٹروں کی نشست کا انتظام کیا گیا۔ ہندوستان کے ہر حصے سے مسلمان اپنی نمائندہ قومی انجمن کے اہم ترین اجلاس میں قوم کی تقدیر کا فیصلہ سننے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں آ رہے تھے۔ مسلمانوں کی آئندہ سیاسی راہ عمل کے بارے میں آخری فیصلہ ہونا تھا۔ ولولے اور جوش کا سمندر رہیں لے رہا تھا۔ صدر منتخب سر ابراہیم رحمۃ اللہ کو ان کی قیام گاہ ہوٹل میٹراپولس سے جلسہ گاہ تک جلوس کی شکل میں اس طرح لیجا یا گیا کہ گاڑی کے گھوڑے کھول کر لوگوں نے خود گاڑی کھینچی سر آغا خاں، جہا راجہ بہادر آف محمود آباد، مسٹر جناح، مسٹر مظہر الحق اور مولانا محمد علی

کے پینڈال میں داخل ہونے پر استقبال میں اتنے زور زور سے تالیاں بجائی گئیں کہ کئی منٹ تک فضا گونجتی رہی۔ سربراہ ایم رحمتہ اللہ اپنی صدارتی اسپیش پڑھنے کے لئے اٹھتے تو ایک بار پھر پینڈال پر زور چیز سے ہنگامہ زار بن گیا وہ اس وقت مسلمانوں میں اپنی قابلیت، آزاد خی رائے، صاف گوئی، دور بینی اور تدبیر کیلئے بہت مقبول تھے انہوں نے حادثہ کانپور کا ذکر کرتے ہوئے افسران کے پندار و وقار کو

سربراہ ایم رحمتہ اللہ کا خطبہ صدارت

اس کا ذمہ دار قرار دیا، گولی چلانے پر شدید نکتہ چینی کی، جنگ بلقان کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر اظہار مسرت کیا کہ بہر حال ترک یورپ سے نکلے نہیں اور ایڈمیاٹوپل پر ان کا پھر ریاڈا ہے، سرائیڈورڈگرے کے طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کر کے بتایا کہ کس طرح مسلمانوں نے ان کے غلط رویئے کے باوجود تحمل سے کام لیا، جنوبی افریقہ میں بستے والے ہندوستانیوں کی شکایات بیان کر کے حکومت کے رویئے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور پریس ایکٹ کو ٹلک اور حکومت دونوں کے لئے مضر قرار دیتے ہوئے حکومت پر اس کی نظر ثانی کیلئے زور دیا۔

خطبہ صدارت کا اہم ترین حصہ وہ تھا جس میں مسلمانوں کے سیاسی دستور العمل اور نصب العین سے بحث کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا: ہندوستان جیسا کوئی ملک ہمیشہ کے لئے بدیسی حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتا، چاہے وہ حکومت کتنی ہی فائدہ مند ہو اور گود ہندوستان میں، برطانوی حکومت بے شک فائدہ مندی اور کھلائی پر قائم ہے مگر یہ ہندوستان میں ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی، ہندوستان ہمارا وطن اور قابل فخر وراثت ہے، آخر کار ہمارے سرپرستوں کو اسے ہمارے حوالے کرنا ہی ہو گا۔ ہندو مسلمان مادر ہند کے دو سپوت ہیں۔ قدرت نے برطانیہ کو ان کا سرپرست بنایا ہے۔ خاندان کے چھوٹے بھائی، مسلمان، کو اپنی انفرادیت اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے احساس کے ساتھ سرپرست سے مؤدبانہ وفاداری

اور بڑے بھائی دھندو، سے پُر خلوص محبت کرنی چاہئے۔ مگر اس کا مطلب انہی تابعداری نہیں ہے۔ تمام ممکن آئینی ذرائع کو پوری طرح اور آزادی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے اپنی قوم کے مفاد کو ترقی دینی چاہئے اور حکومت کے کاموں پر سنجیدگی سے نگہ چینی کر کے بہتر قسم کی حکومت حاصل کرنی چاہئے۔“

لیگ کے اجلاس ۱۹۱۳ء کی سیاسی اہمیت | اجلاس ناقابل فراموش

اہمیت کا مالک ہے۔ اسی سال سے لیگ اپنی زندگی کے دوسرے دو ہیں داخل ہوئی جہاں جوش و عمل اور مسلمانوں کی اٹھا ہوا سیاسی بیداری اس کے استقبال کے لئے آمادہ کار کھڑی تھی۔ ملک کے مختلف حصوں سے جو لوگ اس سال لیگ کی شرکت کے لئے آئے وہ دماغ اور حیثیت کے اعتبار سے مسلم ہندوستان کا بھر تھے۔ ان میں ہر طبقہ و خیال کے لوگ تھے اگر ایک طرف میاں شفیع، مولوی رفیع الدین، سید رضا علی اور سید آل نبی وغیرہ تھے جو مسلمانوں کے حقوق کے حامی تھے تو دوسری طرف مسٹر جناح، مولانا محمد علی، مسٹر مظہر الحق اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ تھے جو ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ میں اس سال انتخاب جداگانہ کے حق میں تجویز منظور نہ کرائی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے کانگریس اور لیگ کے تعلقات بہتر ہو جانے کا امکان تھا۔

انتخاب جداگانہ کے خلاف وائے | انتخاب جداگانہ کی تجویز اجلاس میں آخری دن پیش ہوا

کودیکھتے ہوئے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اس پر ضرور تنازعہ ہو گا۔ حسب معمول مولوی رفیع الدین نے تجویز پیش کی کہ حکومت کے تمام خود اختیار اداروں تک جداگانہ نیابت کے اصول کو وسیع کیا جائے۔ مسٹر مظہر احمد یار میٹ لالہ آباد نے تائید کی۔ مسٹر مجیب الرحمن ایڈیٹر مسلمان ترمیم پیش کرنے کے لئے اٹھے کہ نیابت کے موثر اور مناسب ہونے پر زور دیا جائے

مسٹر عبدالقاسم درودوان نے تائید میں یہ کہا کہ نیابت کے جداگانہ ہونے کی مجھے اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی اس کے موثر ہونے کی ہے۔ اس اثنا میں صدر کو مولانا محمد علی کی طرف سے دوسری ترمیم کا نوٹس موصول ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ تجویز کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا ”ہندوؤں نے کانگریس میں اس سال مسلمانوں کے احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اس تجویز کو روک لیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی نیک نیتی کا یقین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ دونوں قومیں متحد ہو جائیں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی آگے بڑھ کر ہندوؤں سے ملیں“

مسٹر جناح کی تائیدی تقریر | مسٹر محمد علی جناح نے ہولینا کی ترمیم کی تائید میں کہا ”ہمیں اپنے فوری فائدے سے قطع نظر کر کے اپنے مستقبل پر غور کرنا ہے، اگر آپ میونسپل کمیٹیوں میں جداگانہ انتخاب مانگتے ہیں تو شاید اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کے لئے دو بالکل الگ الگ ناقابل گزر حلقے پیدا ہو جائیں گے۔ جب مسلم لیڈر ہنزہ یا سنس سرآغا خاں کی قیادت میں مصالحت کرنے کے لئے ناگپور سے وفد لیکر الہ آباد گئے تھے تو انہوں نے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ ہم مسلمان ہندوؤں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کانگریس والوں سے کہا کہ وہ صرف ہماری خاطر اس سال اپنے ریزولوشن کو چھوڑ دیں۔ جب انہوں نے یہ کر لیا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس سوال کو ملتوی کر دیں؟ سیاست میں مصلحت وقت کا خیال اشد ضروری ہے۔ میرے پاس بعض وجوہ ہیں جن کو میں پبلک میں پیش نہیں کر سکتا۔ آپ ہر وقت صاف بیانی کو کام میں لا سکتے ہیں آپ اس وقت ایک اصلی فائدے کو چھوڑ کر ایک مضموم فائدے پر تکیہ کئے ہوئے ہیں“

ہنزہ یا سنس سرآغا خاں نے کہا ”اصل سوال یہ نہیں ہے کہ ہمیں کوئی حق چھوڑنا پڑا ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ وقت اس ریزولوشن کے پاس کرنے کا ہے؟ اس سے زیادہ نقصان رساں کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم سال بہ سال ریزولوشن پر ریزولوشن

پاس کرتے چلے جائیں اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلے۔ اس سال نہیں چاہئے کہ اس اہم سوال کو ملتوی کر دیں۔ پھر کسی وقت اس سوال پر غور کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ اپنے ہمسایوں کے حق میں اپنی نیک نیتی اور فراخ دلی کا ثبوت دینگے تو وہ آپ سے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔

آرمیل سید رضا علی نے کہا: اس مسئلے پر اظہار جوش کی کوئی ضرورت نہیں ہے دوسرے صوبوں کی حالت سے اصول منطبق کئے جاتے ہیں اور اس صوبے پر حاوی کئے جاتے ہیں۔ ہم اس صوبے میں اور پنجاب میں ہندوؤں کے ہمسر ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے تعلقات کی پیچیدگیوں کو بھٹی اور دوسرے صوبوں کے لوگ نہیں سمجھتے۔ بڑا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ یگانگت و اخوت پیدا کی جائے۔ مگر اس کا طریقہ کیا ہے، اس پر کچھ نہیں کہا گیا۔ بہتر ہے کہ اہل تجویز کو پاس کر دیا جائے۔

مسٹر منظر الحق نے کہا: میں خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ گذشتہ سال جب یہ ترمیم پیش کی گئی تھی تو میرے سوا اور کوئی ترمیم پیش کر نیا والا بھی موجود نہ تھا مگر اس سال میرے حامی ایک خاص تعداد میں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سال بھی مجھے شکست ہوگی مگر سال دو سال میں ہم دکھا دیں گے کہ کامیاب ہم ہیں یا وہ۔ سیاسیات میں ہم ابھی نوآموز ہیں۔ مسلمانوں کا اصول زندگی یہ ہونا چاہئے کہ وہ تمام قوموں سے آگے بڑھے رہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مسلمانوں کی ترقی، ہندوؤں کی ترقی، ہمارے ملک کی ترقی اسی امر پر منحصر ہے کہ ہم دونوں میں اتحاد پیدا ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہو کر کام کرنا چاہئے۔

نواب اسد علی خاں (ددراس) نے ترمیم کے خلاف اور آرمیل نواب ذوالفقار علی خاں میجر سید حسن بگرامی نے اس کے حق میں تقریریں کیں۔ مولانا ابوالکلام نے کہا: میرا اس بحث میں شریک ہونا ارادہ نہ تھا۔ التوائے ریپزیلیویشن پر بحث نہیں ہے بلکہ ایک چیز مانگتے ہیں اور بار بار مانگ چکے ہیں۔ اگر اس دفعہ ہم نے اس کا مطالبہ کیا تو اس کے استحقاق پر کوئی اثر نہیں پڑیگا، رائیں لی گئیں تو اصل تجویز کو ۱۹۰۹ اور دوسری ترمیم کو چالیس رائیں ملیں اصل تجویز منظور ہوگئی۔ پریس ایٹ کی منسج، جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کیلئے حقوق شہریت، عدالتی

شعبے کی انتظامی شعبے سے علیحدگی، برطانوی فوج میں ہندوستانیوں کیلئے اعلیٰ عہدے، پنجاب کے چیف کورٹ کو ہائی کورٹ کورٹ (عدالت عالیہ) بنانے، صوبہ پنجاب اور صوبہ متحدہ کو انگریز کونسلوں کے تحت انتظامی کونسل ملنے، اور اوقاف کی حالت جاننے کیلئے ایک سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ فیض آباد میں بقرعید کے موقع پر ذبیحہ گاہوں میں مزاحمت کی جانے پر فساد ہو گیا تھا اس پر احتجاج کر کے حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ عبادت گاہوں کے تحفظ اور احترام کیلئے قانون بنائے۔

مسٹر جناح وزیر ہند کی مخالفت میں | مسٹر جناح نے ایک طویل تجویز پیش کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وزیر ہند کی تنخواہ

انگلستان کے خزانے سے دی جائے، وزیر ہند کی کونسل کے کل ممبروں، جن میں سے کم سے کم ایک تہائی انتخاب سے لئے جائیں اور انھیں وائسرائے کی کونسل اور صوبوں کی کونسلوں کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر منتخب کریں۔ نامزد ممبروں میں سے کم سے کم نصف اہل و رلاق پہلک میں ہوں جنکا ہندوستان کے نظام حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو اور باقی وہ افسران ہوں جو کم سے کم دس برس تک ہندوستان میں ملازمت کر چکے ہوں اور نامزدگی کی قیوت ۲۰ سال سے زیادہ عرصے تک ہندوستان میں رہے ہوں۔ وزیر ہند کی کونسل کو انتظامی اختیارات حاصل ہوں بلکہ اس کا کام مشورہ دینا ہو۔ کونسل کے ہر ممبر کی مدت ممبری پانچ سال ہو۔ اس تجویز سے مدعا یہ تھا کہ وزیر ہند کی اس حیثیت کو گھٹایا جائے جس سے وہ کسی مغل حکمران سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر "مغل غلام" بنا ہوا تھا۔ لے یل مسٹر فریج الدین احمد نے مسٹر جناح کی تجویز میں ترمیم چاہی کہ وزیر ہند کی کونسل میں تبدیلی یا توسیع کرتے وقت مسلمانوں کو متناسب نمائندگی کا سوا رکھا جائے مسٹر جناح نے اس ترمیم کو قبول کر لیا۔ اور تجویز منقطع طور پر منظور ہوئی۔ وائسرائے ہند کا شکریہ ادا کیا گیا انہوں نے لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ کے حکم کو منسوخ کر کے مسلمانوں کے نامی حق کو تسلیم کیا ہے مسلم لیگ کیلئے لاکھ روپیہ کا فنڈ قائم کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی سر آغا خاں مستقل صدر اسے استعفیٰ دیدیا تھا۔ مگر انہوں نے لیکے قواعد ضوابط کی تبدیلی تک صدر ہانڈ بنایا۔

مسٹر جناح مسلم لیگ میں | اس سال مسٹر جناح نے لیگ کی ممبری قبول کر لی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ

لیکڑائی طریقوں سے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دلانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی، انکا ارادہ ایکٹ پیش کر لیا لندن جانا تھا تاکہ ان کا لیگ کونسل کی تجویز عمل میں لائی جائے لیکن اس وقت تک وہیں سے واپس لوٹ کر آئے اور لیگ کونسل کے صدر بن گئے۔

باب جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے اثرات

ماہ جولائی ۱۹۱۴ء میں یورپ میں فوجوں کی لڑائی شروع ہوئی جسے تاریخ میں جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں ایک طرف جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور دوسری طرف انگلستان، فرانس، اور یورپ کی دوسری بہت سی حکومتیں تھیں۔ جنگ شروع ہوتے ہی اذیتوں، تکلیفوں، تباہیوں اور نقصانات کا تاتا بندھ گیا۔ دنیا ایک ہولناک مصیبت میں پھنس گئی۔ انسانوں کی وہ وحشیانہ قوتیں حالات کے شکافوں سے اُبھر پڑیں جو تہذیب و رنگ کے رزق برق پڑوں کے چھپے چھپی بیج تھیں، دنیا کے تین براعظموں کی رزمگاہیں، طاقت اور تباہی کے اکھاڑے بن گئیں۔ جدید لیوں سے سفید فام قومیں جس تہذیب کا تانا بانا بن رہی تھیں اب اس پر ایک کڑی ضرب لگنے کو تھی۔ برطانیہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا تھا اس نے اپنی تمام قوتوں کا رخ اس عظیم الشان کشمکش کی طرف پھیر دیا۔ وہ اپنی اور اپنے مقبوضات کی روپیہ، آدمی اور سامان کی تمام طاقت لیکر جرمنی کا راستہ روکنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ کوپا مال کرنے کے بعد فرانس کے دارالحکومت پیرس کا رخ کر رہا تھا۔ ہندوستان کو بھی جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ہوتے ہوئے جس کی مدد کرنا اس پر فرانس، ہندوستان نے اپنے تمام ذرائع برطانیہ کے لئے وقف کر دیئے۔

مسلمان اور برطانیہ | ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے برطانیہ کو خوف و مخالفت تھا اس لشکرِ بیوہ کی وجہ سے جو پچھلے تین چار برس میں

برطانیہ نے ترکی اور ایران کیساتھ اختیار کیا تھا مسلمان اس کی طرف سے بدول ہو گئے تھے۔ مسلم رہنماؤں میں سب زیادہ قوی اور ذی اثر محمد علی تھے۔ اُن کی آواز ملک کے ہر گوشہ تک پہنچتی تھی۔ اُن کی لنگار مسلمانوں کے دلوں میں عمل کا ولولہ لہریں لینے لگتا تھا اُن کی گرج سے آئین و حکومت کے ایوان لرزتے تھے اُن کی علمدانی، زور بیان، انداز تقریر و تحریر و لاعلم اصول سیاست کی سرور غریبی کے محکم اسباب تھے جن کے جاوید اثر ہو جیسے ان کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ جنگ بلقان کے زمانے میں انہوں نے جس بے جگری سے یورپ کے ترکی کو ہضم کر کے اراووں کو بے نقاب کیا تھا اس نے انہیں حکومت کی نظروں میں "خط ناک" بنا دیا تھا۔ اب کامریڈ کے ساتھ ساتھ اُن کا ایک اردو اخبار "مسرد" بھی نکل رہا تھا۔ مسلمانوں کی دوسری طاقت ابوالکلام آزاد تھے اُن کی شخصیت مسلمانوں کے لیے ایک زندہ باد تھی۔ محمد علی کی آواز ایک نقارہ تھی۔ آزاد کا قلم مسلمانوں کی رگ حیمیت احساس کے لیے نشتر سے زیادہ تڑپانے والی چیز تھا۔ مذہب کے ساتھ ادب کی چاشنی اور قاور الکلامی نے ابوالکلام کو ادب بھی زیادہ بے پناہ بنادیا تھا۔ جنگ بلقان کے دوران میں انہوں نے ہندوستان کو اپنی درد انگیز تحریروں سے میلدا دیا تھا جسے بیباکی اور جرأت گفتار کے سبب شمشیر برہنہ سے کم نہ تھے۔ طفر علی خاں کی ٹکتہ چینیاں دل و نگار تیروں کی مانند مخالف کو چیلنی کر دیتی تھیں۔

یہ سیاسی رہبر اور اُن کے پیرو انگریزوں سے مایوس و دل برداشتہ اور منتظر تھے۔ انہوں نے طرابلس و بلقان کی جنگوں کے زمانے میں بہتر قسم کی قربانیاں دیکر برطانیہ کے خلاف اور ترکوں کے حق میں آواز اٹھائی تھی مگر جنگ عظیم شروع ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ برطانیہ سے رشتہ تعاون توڑنا خلاف دانشمندی ہو۔ محمد علی نے کامریڈ میں اس موضوع پر لکھتے ہوئے انگریزوں کے گذشتہ ولد و طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا "اس سب سے قطع نظر ہمارے لیے اپنی موجودہ قومی و جماعتی ارتقا کی موجودہ منزل میں انگلستان کے زیر تربیت رہنا لازمی ہے ہم اس کے وفادار رہیں گے مگر حکومت

برطانیہ اپنے اس اندیشے سے دستبردار نہ ہوئی کہ اگر ترکی، برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں میں ضرور بے چینی پھیلے گی جو ہندوستان میں برطانوی راج کے استحکام پر ضرب لگا سکتی ہے۔

ترکی اور مسلمانان ہند کا تعلق | سلطان ترکی ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے خلیفۃ المسدین، سلطان الاسلام تھا وہ مسلمان تشریف دار و امام و ارث دین اور جانشین رسول تھا۔ اس کی سلطنت کو نقصان پہنچنا اسلام کی شہ رگ پر ضرب لگنے کے برابر تھا۔ اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ زندگی کا ایک مکمل عیناطبیاطظام ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو ایک ایسے سلسلے میں لے آتا ہے جس میں رنگ، نسل اور قوم کا فرق کوئی چیز نہیں۔ ہر مسلمان رشتہ اخوت کے ماتحت دوسرے مسلمان کا بھائی ہے خواہ اس کی ذات، حیثیت یا فرقہ کچھ بھی ہو۔ اسلام میں عبادتیں اور عملی و مذہبی لوازمات بھی ہیں مگر یہ مذہب صرف عبادتوں کا مجموعہ بن کر نہیں رہ جاتا۔ بلکہ مذہب کو سیاست کے ساتھ اس طرح ملاتا ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں رہتا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق دنیا کے لیے آئیڈیل (مثالی) انسان کا مکمل ترین نمونہ تھے، اس نظام کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جو آپ انکرام کو انجام تک پہنچائے تو مشیت ایزدی نے آپ کو دنیا کی آنکھوں سے چھاپ لیا اور یہ خدمت اپنے جانشین جنہیں مسلمان کثرت رائے سے منتخب کرتے تھے، انجام دیتے رہے، اسی کو خلافت کہتے ہیں۔

جس وقت جنگ عظیم شروع ہوئی، منصب خلافت سلطان ترکی کے زیر پوش تھا جو اس حیثیت میں اسلام کے مذہبی سرکرد مقامات مقدسہ کے نگراں و محافظ اور ان کی حرمت کے ضامن تھے۔ مقامات مقدسہ وہ ہیں جو جزیرۃ العرب کے اندر واقع ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک متبرک ہیں جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، مسجد اقصیٰ، نجف اشرف، کاظمین، کربلا بغداد و شریف وغیرہ۔ جزیرۃ العرب، لسان العرب اور قافوس حبشی مستند عربی ڈکشنریوں کے

نزدیک وہ علاقہ ہے جو طرابلس سے شام تک اور عرضاً مدہ سے عراق کی زراعتی نشی سرزمین تک ہے۔ صدیوں سے ترک ان مقامات اور اسلام کی حفاظت کے لئے جنگ کے میدانوں میں بیدار رہے اپنا خون بہاتے آئے تھے۔

مسلمانان ہند ہندوستان میں انگریزوں کے محکوم تھے اور تقریباً ایک صدی سے برطانیہ کے زیر سایہ پُر امن زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے مگر خلافت اور ترکوں کے متعلق اُن کے جذبات بہت گہرے تھے ترکوں سے ان کی ہمدردی مذہب کی بنیاد پر قائم تھی۔ یہ اُن معنوں میں کوئی سیاسی تحریک نہ تھی جن میں یورپ والے اور یورپ والوں کے اثر زدہ لوگ اس ترکیب کو استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک مذہبی جذبہ تھا۔

ترک طانیہ کے خلاف میدان جنگ میں | جنگ عظیم کے آغاز کے وقت ترکوں کی حالت بہت خراب تھی دوسری

یورپ میں حکومتوں کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ اگر ترک اس لڑائی میں غیر جانبدار رہیں تو اتحادی انہیں مزید دس سال تک اپنا وجود قائم رکھنے کی طمانیت دلا سکتے ہیں جو ترکوں کی سیاسی ہستی کو ایک چیلنج تھا۔ ترکوں میں دو جماعتیں تھیں جو جماعت انگریزوں کے خلاف تھی اس چیلنج سے اس کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور ترکی برطانیہ کے مخالف کی حیثیت سے جنگ میں کود پڑا۔ جنگ سے پہلے ایک تہ سے ترک اپنی کمزوریوں اور روس کے پیچھے استبداد کو اپنے گلے کی طرف بڑھتے دیکھ کر انگلستان اور فرانس سے یہ درخواستیں کر رہے تھے کہ ہمیں ساہیہ عاطفت میں لے لیا جائے مگر انگلستان روس سے سمجھوتہ کر چکنے کی وجہ سے ان درخواستوں پر توجہ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ترکوں کے سامنے جرمنی کا ساتھ دینے کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہ رہا۔

مسلمانان ہند کا اضطراب | گذشتہ تین چار سال میں مسلمانان ہند میں سیاسی بحالی ہوئی تھی۔ انکی نظر عالم اسلامی کی سیاست کی طرف اٹھی ہوئی تھیں وہ نہایت اضطراب کیساتھ دیکھ رہے تھے کہ یورپ کی حکومتیں

ترکوں کے ساتھ ہر قسم کی نا انصافی کر گزرنے پر کمر بستہ ہیں۔ انگریزوں کی طرف سے ان کے دلوں میں خصوصیت کے ساتھ غم و غصہ تھا۔ مسلمانان ہند کی خواہشات اور ان کے احتجاجوں کو ٹھکراتے ہوئے انگریز مسلسل ترکوں کے خلاف ریشہ دو انیاں کر رہے تھے اور دیگر یورپی سلطنتوں سے مل کر انہوں نے یورپ میں منصوبوں کا ایسا جال بچھا دیا تھا کہ ترکوں کی شکست یقینی ہو گئی تھی۔ یہ خبر سن کر کہ ترکوں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کروا دیا ہندوستان کی اسلامی دنیا میں اس سرے سے اس سرے تک تشویش کی ایک برقی رو دوڑ گئی۔ مسلمان دو متضاد مگر سخت قسم کی کششوں سے کھینچے جانے لگے۔ اگر وہ ترکی کے خلاف برطانیہ کی امداد کا خیال کرتے تھے تو مذہب مانع آتا تھا۔ اور اگر حکومت برطانیہ کی امداد سے پہلو ہٹا کر دیتے تھے تو فریضہ محکومیت کی تعمیل نہ ہوتی تھی۔

لارڈ ہارڈنگ کا تاریخی اعلان اسکاتلڈ

لارڈ ہارڈنگ اس سرے سے ہند نے حکومت ہائے انگلستان و فرانس و روس کی طرف سے ہند میں یہ اعلان کیا کہ برطانیہ عظمیٰ اور ترکی میں جنگ چھڑ جائے کو پیش نظر رکھ کر جس کے بارے میں برطانیہ عظمیٰ کو مال ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے غیر الشہداء، اور بالارادہ عمل سے جبکہ کوئی چھڑ چھاٹ نہیں کی گئی تھی ہوئی ہے، نہر مجبٹی کی گورنمنٹ ہزار چیلنجی و اس سرے کو عریض مقدس مقامات کے بارے میں، جن میں مزارات شام، بندرگاہ جدہ بھی شامل ہیں، ذیل کا اعلان شائع کرنے کا اختیار دیتی ہے تاکہ نہر مجبٹی کی گورنمنٹ کے طرز عمل کے بارے میں جس کی بنا پر کوئی مذہبی قضیہ نہیں ہے غلط فہمی نہ ہو۔ یہ مقامات مع جدہ برطانیہ کے بحری بیڑے اور افواج کے حملہ و تاراجی سے اس وقت تک محفوظ ہوں گے جب تک مقدس مقامات اور مزارات کے ہندوستانی حجاج اور زائرین کے ساتھ کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ نہر مجبٹی کی گورنمنٹ کی درخواست پر حکومت ہائے فرانس و روس نے بھی اسی قسم کے یقین دلائے ہیں۔

اس سے مسلمانوں کو یقین آگیا کہ اگر جنگ میں ترکوں کو شکست بھی ہوگی تو وہ سرزمینیں

جن پر مقامات مقدسہ واقع ہیں ترکوں کی سلطنت سے جدا نہ کی جائیگی اور خلافت اسلام کے پارہ پارہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

کامریڈ اور سپرد کی ضمانت ضبط | آغا جنگ کے زمینے میں جبکہ ترکوں جنگ میں برطانیہ کے خلاف شامل

ہونیکا فیصلہ کیا تھا، انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز آف لندن نے جوائس آف دی ٹرکس ترکوں کا انتخاب کے عنوان سے ایک لیڈنگ آرٹیکل راقشاچی مقالہ میں ترکوں کو دیکھی دی کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو برطانیہ کے خلاف جنگ میں شریکیت ہوں یہاں تک یونان برٹش قدسی کریں۔ محمد علی اس مضمون کو پڑھ کر غصہ اور جوش سے بے قابو ہو گئے۔ اور چالیس گھنٹے کی مسلسل نشست میں اسی وقت اس مضمون کا ترکیبی جواب اسی عنوان سے لکھا۔ مضمون چھپا تو کامریڈ کے بائیس کالموں پر پھیل گیا۔ اس میں پوری تنقید سے بتایا گیا تھا

کہ اسلامی ممالک میں برطانیہ نے کن کن چالوں سے وہاں کی حکومتوں کی طاقت اور ان کے دقا کو ہرا دیا ہے اور برطانوی وزراء نے کس طرح ترکی کے سلطان اور مسلمانوں کے خیمہ کو زوال اور تباہی کے غار کی طرف دھکیلنے کے لئے یورپ کی دوسری حکومتوں کے ساتھ سازشیں کی ہیں۔ یہ مضمون کسی اخبار کا وقتی یا ہنگامی مضمون نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں برطانوی استبداد کی ریشہ و اینٹوں کا مکمل افشاء تھا جس حکومت برطانیہ کے اراکے اور مقاصد بالکل بے نقاب ہو جائے تھے۔ حکومت نے اس مضمون کو شائع کرنے کی یاداش میں سپرد اور کامریڈ کی ضمانت ضبط کر لی۔ مولانا نے اپیل کی جو نامعلوم ہو گئی۔ کامریڈ ختم ہو گیا مگر اس نقصان کے باوجود جو ذاتی نقصان بھی تھا اور قومی بھی، محمد علی نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ وہ صبر کریں اور آئین کی حدودوں سے باہر نہ چلیں۔ انہوں نے لکھا: "مسلمانان ہند ان وعدوں پر نہ جویں سے مقامات مقدسہ اور مذہب کے سلسلہ میں انگریزوں اور ان کے اتحادیوں نے کئے ہیں، پوری طرح اغماور کھتے ہیں۔ مگر حکومت کو یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ جزیرۃ العرب پر حملہ نہ کیا جائے نہ مقامات مقدسہ کی حفاظت

کو خطرہ میں ڈالا جائے جو کامل آزاد اسلامی طاقت کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ ریوٹر کے نمایندہ کو بیان دیتے ہوئے انہوں نے کہا "میں تو پہلے بھی ایک مضمون میں پیش گوئی کر چکا تھا کہ اگر ترکوں سے جنگ چھڑ گئی تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان اپنی وفاداری پر قائم رہیں گے اور اب جبکہ جنگ چھڑ گئی ہے۔ میں مکرر کہتا ہوں کہ وفاداری اب بھی قائم ہے"

ہندوستان کی سیاسی توقعات

غرض ہندوستان کی ہر قوم اور فرقہ نے یکساں مستعدی و جان نثاری کیساتھ جنگ میں برطانیہ کی امداد کی۔ یہ کوئی تجارتی سودا نہیں تھا۔ بلکہ ہندوستانیوں نے اسے اپنا ایک افلاتی فرض سمجھا۔ البتہ وہ یہ ضرور دیکھ رہے تھے کہ ان زبردست تبدیلیوں کے بعد جو اس عظیم الشان اور عالمگیر جنگ میں ہو رہی ہیں، دنیا چکے سے اپنی زندگی اور خیالات سے پرانے گھوٹلوں میں واپس نہ چلی جائے گی۔ بلکہ اس کو بلند تر مقام پر آشیانہ بنانے کا موقع حاصل ہوگا۔ سیاسی اور معاشرتی ترقی کا جو سرمایہ دینا نے اس وقت تک صدیوں کی جانکاه محنت و مشقت سے جمع کیا تھا وہ خون اور آگ کی رو میں بہا چلا جا رہا تھا۔ ہندو کا سارا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ روایات، رولز، معاشرتی نظام، ان سب کو جو چھ ہر ملک نے آثارِ چین کا تھا کیونکہ اسے دشمن کی گولی کی زد سے پھرتی کے ساتھ ہیٹ کر اپنی جان بچانی تھی۔ انتقام اور خون کی تھنٹی میں جل کر دنیا کا کھوٹا دور ہو رہا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ جب یہ ہولناک زلزلہ گزر جائے گی تو انسانیت کی آمد اور روح زندگی کا نیا نقشہ بنائے گی۔ دینا نے انداز سے تعمیر ہوگی۔ آسودگی اور آزادی کے میدان کو زیادہ وسعت دیکر پہلے سے کہیں زیادہ سرسبز و شاداب بنا دیا جائے گا۔ آسودگی اور طمانیت کے بڑے بڑے عالیشان قصران پُرانی اور بوسیدہ عمارت کی جگہ آسمان کی نیلی فضا کے مقابل خضر و ناز سے اپنے اپنے سراٹھائے کھڑے ہوں گے۔ ان کے ولیہ اور بمیاب محارم زندگی کی عمارت کو نئے ڈھب سے اٹھائیں گے جس پر آزادی اور آسودگی نثار ہوگی۔ جو جنگ میں فتح مند ہونے کے بعد ان کو غلام بنانے کا ارادہ رکھنے والوں کو

ختم کیجئے ہوں گے وہ دوسروں کو بھی جو زبردست ہیں آزاد کر کے فتنے میں اڑنے کی اجازت دیں گے۔ ہندوستان خود کو اس نعمت کا سب سے بڑا حقدار سمجھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ جنگ میں بے دریغ امداد کرنے کے صلہ میں برطانیہ اسے خود اختیار بنا دیگا۔

ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت

مگر ہندوستان کے مطالبات اسی حالت میں اثر دار ثابت ہو سکتے تھے جب ہندو مسلمان مل کر کام کرتے ہندو مسلم اتحاد ایک ملکی ضرورت بن گیا۔ ۱۹۰۹ء میں منٹو مارے ریفارمز کی شکل میں خود اختیار حکومت کی ایک قطعی تھی۔ اسی کے سلسلہ کی دوسری قطعہ نے کے لیے سوائے حکومت کو ہندوستان کے حالات پر تحقیقاتی نظر بھی ڈالنی تھی۔ ہندو مسلم رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ہم اس وقت تک ہندو مسلم زاعی مسائل کا تصفیہ کر کے متحد ہو جائیں اور حکومت کے سامنے اس خود اختیار حکومت کا ڈھاپہ خود ہی بنا کر پیش کر دیں جو ہندوستان کے لیے طلبہ کردہ ہے تو یقیناً حکومت متحدہ مطالبہ کو تسلیم کر کے مطلوبہ حکومت خود اختیاری دینے پر مجبور ہو جائے گی۔ مسلمان اپنے جداگانہ حقوق کا قانوناً تحفظ ہو جانے کے بعد ہندوؤں سے اتحاد کر کے نئے نئے ہاتھ بڑھا رہے تھے مسلم لیگ میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا جو اس پر زور دیتے لگاتار کہ مسلمان ہندوؤں سے جداگانہ حقوق پر زیادہ اصرار نہ کریں بلکہ آگے بڑھ کر ملک کی ترقی میں حصہ لیں۔ اس پر لیگ کے زیادہ پرانے کارکنوں اور اس طبقہ میں جو زیادہ تر پرچوش نوجوانوں پر مشتمل تھا کچھ اختلاف رائے بھی پیدا ہو گیا تھا۔ پرانے کام کر نیوالوں کے سرگروہ سر آغا خاں اور رائٹ آرمیل سپید امیر علی تھے۔ نوجوان طبقے میں زیادہ نمایاں مشرطہ الحقی مشرطہ علی اور مشرطہ وزیر حسن تھے۔ مگر لیگ کے ان دونوں بازوؤں کا اختلاف ناگواری اور تلخی کی حد تک نہ بڑھا۔ مسلم لیگ کے پیٹ فارم سے ملکی ترقی اور مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کے تحفظ و دونوں کے لئے کام ہوتا رہا۔

کانگریسی سیاستدان بھی مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے پر مائل دکھائی دیتے تھے۔ اول تو وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری روز افزوں ترقی پر ہے اور مسلمان عملی سیاست

میں بھی روز بروز آگے بڑھ کر زیادہ کار آمد و کر بٹے جا رہے ہیں۔ دوسرے سلسلہ میں ہندوستانیوں کو ہندوستان کی حکومت میں زیادہ حصہ دینے کیلئے نئی قسط اصلاحات ملنے والی تھیں۔ اس کے سلسلہ میں ہندوستانیوں کے مطالبات اسی وقت موثر ہو سکتے تھے جب ہندو مسلمان متحدہ طور پر متفق اللفظ ہو کر اپنے قومی حقوق مانگتے۔ کانگریس نے ماہ مئی ۱۹۱۷ء میں انڈیا کونسل کی تجاویز اصلاحات سے اختلاف ظاہر کرنے اور ان پر ہندوستانیوں کا عدم اعتماد ظاہر کرنے کے لئے اپنا ایک وفد بھی لندن بھیجا تھا جس کے ممبر آریبل مٹھر مٹھر الحق مٹھر جناح، مٹھر ایس سہنا اور لالہ لاجپت رائے تھے۔ اس وقت کانگریس کا مٹھر جناح پر بڑا زبردست اعتماد تھا۔ اس وفد کے ممبروں میں مٹھر جناح ہی کو کانگریس کی ترجیحی کا اختیار دیا گیا تھا۔

قاصد اتحاد جناح کی سعی و کوشش | جولیڈر ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرگرم جدوجہد کر رہے تھے ان میں بھی مٹھر جناح کا نام سب نمایاں ہے۔ اس وقت سب کی نظریں مٹھر جناح کی طرف اٹھی ہوئی تھیں بقول کانگریسی جی بکچے کی زبان پر ان ہی کا نام تھا۔ ہندو مسلمان سب ان سے اس کا نام کے متوقع تھے کہ وہ بہت جلد ہندوؤں اور مسلمانوں کے نئے مشترکہ متحدہ سیاسی میدان تیار کر دیں گے مٹھر جناح اور دوسرے اتحاد پرور رہنماؤں کی ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کو کامیاب دیکھنے کی آرزو مسلمانوں کے سینوں میں بھی موجود تھی۔ عالم اسلام کے مصائب نے انہیں سیاسی عقلیت کے خواب سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا تھا۔ کانگریس نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے اصول کو مان لیا تھا۔ اس کو تسلیم کئے بغیر ۱۹۱۷ء کی اصلاحات میں ہندوستانیوں کے مطالبات پورے ہونے مشکل تھے۔

محمد علی نظر بند | کامریڈ کی ضمانت کی منطی کینال محمد علی نے عدالت عالیہ الہ آباد میں اپیل کی تھی۔ اپنی طرف سے وکیل نہ کھڑا کرتے ہوئے انہوں نے خود ہی مقدمے میں بحث اور جرح کی اور ایسی قابلیت اور ذہانت کا ثبوت دیا کہ وہ تمام وکلاء و بیرٹ

اور تماشائی، جن سے کمرۂ عدالت بھرا ہوا تھا، عیش و عشرت کر اٹھے مگر ضمانت کی ضبطی کا حکم بحال رہا جس سے کامیڈ بند ہو گیا۔ اس دن سے محمد علی دیگر سب کاموں کو چھوڑ کر سیاست ہی کے ہو رہے۔ جنگ عظیم میں برطانیہ کی روش مسلمانوں کے لئے روز بروز زیادہ اندیشہ ناک ہوتی جا رہی تھی۔ عرب پر حملہ ہوا۔ شریف مکہ نے اتحادیوں کی شہ پاکر ترکوں سے بغاوت کی۔ عربوں نے اتحادیوں کے اس وعدے پر یقین کرتے ہوئے کہ انہیں آزادی مل جائے گی، ترکوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ وہ وعدے ٹوٹنے لگے جو اتحادی حکومتوں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کئے تھے۔ مسلمانوں کی بے چینی بڑھی۔ محمد علی کی بغاوت کی حد تک پہنچنے والی مخالفتانہ سرگرمی بڑھی۔ حکومت کا قانونی پتہ آگے بڑھا۔ خطرناک لوگوں کے لیے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (قانون تحفظ ہند)، بنایا گیا۔ یہ ہنگامی قانون ہے جس سے مقامی حکومت کو دوران جنگ میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے غیر معمولی اور خصوصی اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۱۵ء کو دہلی کے مجسٹریٹ کے حکم سے محمد علی شوکت علی نظر بند کر دیئے گئے۔

مسلم لیگ کا احتجاج مسلم لیگ کے ایک بڑے طبقہ کی ہمدردیاں شدت کیساتھ محمد علی شوکت علی سے وابستہ تھیں۔ ۲۶ جون کو لیگ کی کونسل کا ایک ہنگامی جلسہ ہوا۔ اس میں محمد علی شوکت علی کی نظر بندی کا مسئلہ زیر غور آیا۔ نوجوان طبقہ کی رائے حکومت کے سخت خلاف تھی۔ اور وہ حکومت کے خلاف ایگیشن کرنے کا خواہشمند تھا۔ مگر زیادہ آزمودہ کار لوگوں نے انہیں یہ سمجھایا کہ دوران جنگ میں حکومت کے خلاف ایگیشن کرنے سے حالات نازک شکل اختیار کر سکتے ہیں لیگ کی ٹینگ میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور اسے ملتوی کر دیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ حکومت جلد ہی نظر بندی کی پابندی ہٹا لے گی۔

مسٹر جناب ہندو مسلم اتحاد کی کوشش میں کیا مسٹر جناب اور دوسرے ہندو مسلم نہیں کی ہندو مسلم اتحاد

کوشش پھیل لائی۔ باہمی سمجھوتے کے آثار بالکل قریب دکھائی دینے لگے۔ دسمبر ۱۹۱۵ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہونے والا تھا۔ مگر جنرل نے مسلم رہنماؤں کو یہ صلاح دی کہ اس سال مسلم لیگ کا اجلاس بھی بمبئی میں منعقد کیا جائے تاکہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہندو مسلم رہنماؤں میں تبادلۂ خیالات ہو سکے۔

اس سال سالانہ اجلاس منعقد کرنے کے بارے میں لیگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک کہتا تھا کہ جنگ عظیم جاری ہے اور ترک برطانیہ کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اس لئے سالانہ اجلاس منعقد نہیں کرنا چاہیے۔ مبادا کسی ایسی بات کا اظہار ہو جو مشکلات پیدا کر دے۔ اس گروہ میں ایسے قابل ذی حیثیت اور آزمودہ کار لوگ تھے جو اپنی گذشتہ خدمات کی وجہ سے یقیناً سنے جانے کا حق رکھتے تھے۔ مگر یہ لوگ بہت قلیل تعداد میں تھے۔ دوسرے گروہ میں بھی دو پارٹیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی یہ رائے تھی کہ اجلاس بمبئی میں نہیں ہونا چاہیے۔ لیگ کانگریس سے اس قدر قریب ہونا اس کی زندگی کے لئے مضر ثابت ہو گا۔ دوسری پارٹی پر جو سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد کرنے کے حق میں تھی، یہ پارٹی الزام لگاتی تھی کہ وہ لوگ لیگ کی آزادی سلب کر کے اسے کانگریس میں جذب کرنے کے خواہشمند ہیں۔

لیگ ایک عرصہ یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ **صوبہ متحدہ کو کونسل ملنے پر احتجاج** | صوبہ متحدہ کو گورنر کا صوبہ بنایا جائے۔

۱۹۱۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں اس کے لیے تجویز پیش ہوئی مگر دارالامراء کے ممبروں نے اپنے خصوصی اختیار سے اسے نامنظور کر دیا۔ لیگ کی کونسل نے اس پر سختی سے احتجاج کیا حکومت نے علی برادران کو بلاوجہ نظر بند کر رکھا تھا اور مسلمانوں کی پہیم اپیلوں کو ٹھکرا رہی تھی ۲۵ ستمبر ۱۹۱۵ء کو لیگ کونسل نے یہ رائے ظاہر کی کہ علی برادران کے طرز عمل سے ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی تھی جس سے ان پر ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت نظر بندی کی پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہو۔ انہیں آزاد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے علی برادران کو الائنس دیا تھا۔ اس کے لئے وائسرائے کا شکریہ ادا کیا گیا۔

باب ہندو مسلم اتحاد کی طرف

لیگ کا سہواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۱۵ء

بمبئی ہی میں۔ یہ کامیابی مسٹر جلال سید زین حسن، اور مسٹر منظر الحق وغیرہ کی کوششوں سے ہوئی تھی۔
موجہ الذکر جو ہندو مسلم اتحاد کے سرپرست بڑے حامی تھے، اس اجلاس کے صدر تھے۔ اجلاس
۱۹۱۵ء میں انہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق نیابت کی مخالفت کی تھی۔ گو انہیں معلوم
تھا کہ سارا ایوان اُن کے خلاف ہے۔ ۱۹۱۵ء میں جب اس قسم کی تجویز لیگ میں سے بارہ
برائے منظور سی پیش ہوئی تھی تو انہوں نے پھر صدر کے مخالفت بلند کی تھی۔ اس مرتبہ
چند نمایاں مسلم رہبران کے ہمنوا بھی تھے مسلم لیگ کے اس اجلاس کو ہندوستان کی
تاریخ میں نمایاں اہمیت حاصل رہے گی۔ اسی پر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد رکھی گئی۔ لیگ کی
فضا پر جذبہ اتحاد و شدت سے طاری تھی۔ کانگریس کے نمایاں لیڈر اور والیٹر علیہ میں شریک
تھے۔ پنڈال کے صدر دروازے پر کتبہ آویزاں تھا۔ "اتحاد ہی طاقت ہے"۔

مولانا محمد علی کاٹار | خطبہ صدارت سے قبل مولانا محمد علی کاٹار ٹھہر کر سنا یا گیا اس اجلاس
کی تاریخی نوعیت کا مجھے اندازہ ہے مگر میں ایسی حالت میں نہیں

ہوں کہ آپ لوگوں کے پاس آسکوں میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کارروائیوں کی
رہبری کرنے میں آپ کی مدد کرے۔ اور ہمیں ہمارے ایمان کی قوت سے محفوظ بنادے

میں بھروسہ کرتا ہوں کہ آنے والی نسلیں آپ کو اور آپ کے شرکائے کار کو دھما دیں گی۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے اور اپنے پیغمبر کو منہ دکھاتے ہوئے شرمساری محسوس نہ کریں گے۔ اللہ کا نام لیکر آگے بڑھیں۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔“

مسٹر منظر الحق کا خطبہ صدارت

مسٹر منظر الحق نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندو مسلم تعلقات مسلمانوں اور گورنمنٹ کے تعلقات مسلمانوں کے فرائض، ہندوستانیوں کو سول سروس، فوجی عہدوں بحری بیڑے کی اسٹیجیو دفتری نوکریوں وغیرہ میں زیادہ حصہ دیئے جانے، ہندوستان کے افلاس، تعلیم عامہ، پریس ایکٹ کی زیادتیوں، مسلم لیڈروں کی نظر بندی، مذہبی عمارات کے تحفظ، حکومت خود اختیاری کے مطالبے اور بعد از جنگ اسلامی حکومتوں سے جو برطانیہ کے خلاف میدان میں کود پڑی تھیں، نرم سلوک کر کے دنیائے اسلام کو ممنون کرنے وغیرہ مسائل پر بحث کی ہندو مسلم تعلقات پر انہوں نے کہا انہیں ہندوستانی مسلمان ہوں۔ کسی ایسے سوال پر جس کا تعلق ہندوستان کی یہودی اور ہندوستانیوں کے لئے مطالبہ انصاف سے ہو میں اول بھی ہندوستانی ہوں اور آخر بھی ہندوستانی ہوں۔ لیکن کسی ایسے معاملے میں جس کا تعلق خدا اور رسول سے ہو میں پہلے بھی مسلمان ہوں اور آخر بھی مسلمان ہوں ہمیں اپنی تنظیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ ہماری آواز کا ملک اور حکومت دونوں احترام کریں ساری قوم کی آواز ایک ہوگی تو اسے نظر انداز کرنا آسان نہ ہوگا۔ حکومت اور ہندوستانیوں کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو حکومت کے وفادار رہنے کی تلقین کی۔ حکومت نے ہندوستانیوں کے لئے جو کچھ کیا اسکا اعتراف کیا۔ مگر یہ کہا کہ ابھی اس ملک کے فرزندوں کو حکومت میں کوئی حقیقی حصہ نہیں ملا ہے صرف یہی نہیں کہ حکومت کی پالیسی ہی بنائے میں انہیں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا جو بلکہ سرکاری ملازمتوں میں بھی ہندوستانیوں کو ابھی تک کافی حصہ نہیں حاصل ہوا ہے۔ بحری بیڑے اور ڈپلومیٹک سروس کا ذکر کر کے انہوں نے بتایا کہ ان میدانوں میں ہندوستانیوں کو بڑھنے کا بہت کم موقع دیا گیا ہے۔

تعلیم، تجارت و صنعت اور ازالہ افلاس کے سلسلے میں بھی حکومت نے ہندوستان کی بہتری کے لیے اب تک کچھ نہیں کیا ہے۔

انہوں نے کہا "مسلمان پریس ایگٹ، اور پریس ایگٹ اور انڈیا ایگٹ | ڈیفنس آف انڈیا ایگٹ سے شدید طور پر بچیں ہیں اور مسلم ہندوستان کے ترجمان کی حیثیت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت زیادہ لا پڑا ثابت ہوں گا اگر میں اس موضوع پر ان کے جذبات کو ایک صدائے احتجاج کی شکل میں پیش نہ کروں گا مجھے خوب یاد ہے کہ امپریل کونسل نے پریس ایگٹ کو اس شرط پر منظور کیا تھا کہ یہ انارکسٹوں کے لیے ہوگا اور ان پُرامن شہریوں پر لے کر استعمال نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کے جذبات اور ان کے احساسات کو افسران حکومت پر ظاہر کرنا چاہیں گے۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ سارے اسلامی اخبارات کو اس سے یا تو ختم کر دیا گیا ہے یا وہ نیم جاں حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کامریڈ اور سمدر رو کا گلہ گھونٹ دیا گیا۔ مسلم گزٹ ختم ہو گیا۔ اہلاند بند ہے۔ زمیندار بے آب و رنگ زندگی بسر کر رہا ہے کیونکہ پریس ایگٹ کی تلوار اس کے سر پر بٹکی ہوئی ہے۔ کیا لوگ اس پر ناراض نہ ہوں؟ اور کیا ان کے احساسات کو کوئی وزن نہیں دیا جائے گا؟ ڈیفنس آف انڈیا ایگٹ کی رو سے محمد علی، ظفر علی، شوکت علی اور دیگر لیڈروں کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہر حکومت اپنا تحفظ کرتی ہے مگر مجھے اس طریقے پر اعتراض ہے جو قانون کو چلانے میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان لیڈروں کی نظربندی کی کوئی وجہ ظاہر نہیں کی گئی۔ حکومت کو اس معاملے میں نہیں رہنا چاہیے کہ مسلمان اس کے افعال کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ان کے لیڈروں کو بہت جلد آزاد کر دیا جائے۔

لیگ کانگریس کی تجویز | ضروری مسائل پر ہندوستان کے تمام باشندوں میں آپس میں اتفاق ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک اس کا بہترین ذریعہ لیگ اور کانگریس کا ایک مشترکہ وفد ہو سکتا ہے جس کا کام ہمارے

مطالبات کو برٹش گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا ہو۔ اس قسم کا کوئی وفد ترتیب پانے سے قبل ان دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس ہونی چاہیے۔ جس میں تمام باتوں اور تحفظات وغیرہ پر سمجھوتہ ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے سمجھوتے کو برطانوی قوم بھر دی کی نظر سے دیکھے گی۔“

مولانا حسرت موہانی کی تجویز پر سنگامہ | دوسرے دن کے اجلاس میں صرف تین تجویزیں منظور ہوئی تھیں۔ پہلی مسلمانوں کے انہار و فاداری اور دوسری لارڈ ہارڈنگ کی مدت ملازمت میں توسیع اور تیسری اصلاحات کی اسکیم مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی کے قیام سے متعلق تھی۔ ایجنڈے پر ایک تجویز ایسی بھی تھی جس میں تمام خواہ اختیارات ادارہ ہائے حکومت میں جدا گانہ مسلم نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مسٹر فضل احسن حسرت موہانی نے کارروائی شروع ہونے سے پہلے یہ نوٹس دیدیا۔ کہ چونکہ گورنر مینٹی اور مسلم لیگ کے مابین یہ طے ہوا ہے کہ اجلاس میں صرف اخبار و فاداری، قیام و ریفارمز کمیٹی اور چند دیگر معمولی امور کے سوا اور کسی مسئلہ پر تجویز پیش نہیں ہوگی اس لئے میں التوائے اجلاس کی تجویز پیش کروں گا۔ پہلی تجویز کسی صدارت کی طرف سے پیش ہوئی۔ حسرت صاحب نے تجویز التوائے اجلاس پیش کر لی چاہی۔ صدر نے انہیں اپنے حکم سے بٹھا دیا۔ جب پہلی دونوں تجویزیں پیش ہو چکیں تو صدر کے حکم پر مسٹر جناح تیسری تجویز پیش کرنے کے لئے اٹھے۔ حسرت صاحب نے پھر التوائے اجلاس کی تجویز پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ صدر کی طرف سے انہیں یہ جواب ملا کہ ”میں نے آپ کو پہلے ہی مطلع کر دیا ہے کہ آپ کی تجویز بے ضابطہ ہے۔ اس پر آوارش آئے لگیں ”بیٹھ جاؤ۔ صاحب صدر کو حکم نہ دو“ وزیٹروں کی قطار میں سے مولوی عبدالرؤف سیکرٹری ضیاء الاسلام مینٹی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے چلا کر کہا ”مسٹر موہانی کو بولنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ یہ جلسہ مسلمانوں کا ہے ہندوؤں کا نہیں ہے“ اس طرح کچھ ابتری پھیلی۔ صدر نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا ”میں مطلق العنانی سے

کام نہیں لے رہا ہوں۔ میں خدا پر یقین رکھتا ہوں۔ اگر آپ مسلمان ہیں تو میری بات پر یقین کریں۔ اس پر وزیروں کی قطاریں سے ایک رصاحب اٹھے اور انہوں نے کہا: اگر تم مسلمان ہو تو ہمارے وضع قطع بھی تو مسلمانوں جیسی ہونی چاہیے (مشرکوں کا طریقہ تو یہ ہے کہ تم قرآن شریف کا مطالبہ ہے کہ تم اسلامی پوشاک پہنو۔ تم کو مسلمانوں کی زبان بولنی لازم ہے۔ تم دکھاتے تو یہ ہو کہ مسلمان لیڈر ہو مگر کبھی مسلمان لیڈر نہیں ہو سکتے۔ جلسے میں زبردستی انتشار پھیل گیا۔ بہت سے آدمی چیخے اور غلّ مچانے لگے۔ اس گڑبڑ کے دوران میں بیٹی کے چٹانوں کے سرگروہ عبدالصمد خاں اور مولوی عبدالرؤف خاں اور چند دیگر اشخاص غصے میں دھڑکتے ہوئے ڈائس کی طرف بھاڑے۔ ان سب سے آگے سردار سلیمان حاجی قاسم بیٹا سی۔ آئی۔ اسی۔ تھے۔ جو ابتداء میں مسلم لیگ کا اجلاس بیٹی میں منعقد کرنے کے خلاف تھے مگر بعد کو رہنمائی کر لیتے گئے تھے۔ عبدالصمد خاں نے کہا: مجھے اسپر اعتراف ہے کہ لیگ کے جلسے کی کارروائی اردو پارسی کے علاوہ اور کسی زبان میں ہو۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ لیگ میں کیا کیا جا رہا ہے۔ میں اور دیگر حاضرین جو اردو نہیں جانتے۔ کس طرح یہ جان سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کچھ نہیں کہا جا رہا ہے؟ ایک آواز آئی کہ کل صدر جلسہ نے کابل کے ہندو گورنر کا ذکر کیا تھا "مخالفین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پٹھانوں کے سرگروہ کو ڈائس پر بلایا گیا۔ صاحب صدر نے اس سے مصافحہ کیا اور اسے یقین دلایا کہ باقی کارروائی اردو ہی میں ہوگی۔"

جلسے میں امن قائم ہو گیا۔ مشرعوہانی کو تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "میرا کسی جماعت سے تعلق نہیں ہے اور نہ میں صاحب صدر کے خلاف کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہم نے گورنر بیٹی سے ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ صرف تین تجویزیں ہونگی اس لیے ہمیں سیلف گورنمنٹ کی تجویز منظور کرنے کے بعد اجلاس ملتوی کر دینا چاہیے اس پر دوبارہ شور مچا۔ کہا گیا: "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہی تجویز جس پر سمجھوتہ ہوا ہے پیش کی جائیگی؟" مشرمتھالے کہا: پہلے دن کانگریس کے لیڈروں کو اجلاس میں لایا گیا اور انہیں

جنوم جھوم کر چیر بھی دئے گئے۔ کارروائی تو جو رہی ہے مسلم لیگ کے ہی نام پر مگر یہ جماعت ہے کانگریس ہی کی۔“ صدر نے سب کو یقین دلایا کہ جس تجویز پر سمجھوتہ ہوا ہے مجسٹم وہی پیش ہوگی، اور اس میں ایک حرف کا رد و بدل نہ کیا جائے گا۔ اس پر وہ شخص، جسے پہلے بھی صاحبِ صدد کی وضع قطع اور لباس پر اعتراض تھا، کہنے لگا۔ ”ہم ایک کافر مسلمان پر اعتماد نہیں کر سکتے، چونکہ مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے نہ ڈاڑھی رکھتا ہے۔“ مولوی عبدالرؤف نے کہا۔ ”ہم یہاں صدر صاحب سے یہ سننے نہیں آئے ہیں کہ ان کا قول خدا کا فرمان ہے۔“ مسٹر مٹھا اور بھی زیادہ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ ”یہ لوگ لیگ کو کانگریس میں جذب کر رہے ہیں۔ کانگریسی لیڈروں نے انہیں جو حکم دیدیا ہے اسی کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد ہی کو فوت کر دیا ہے جس کے لئے میں نے اور دوسروں نے لیگ قائم کی تھی۔ انہوں نے لیگ کو تاریکی میں ڈھکیل دیا ہے اور اس کی زندگی کو ختم کر کے اسے کانگریس کی شکل دے رہے ہیں“ کچھ دیر تک شور و غل اور بے ترتیبی کے نظارے دیکھنے میں آتے رہے۔ مخالفین نے کارروائی کے دوبارہ اجرا کو ناممکن بنا دیا۔ ڈائس کے لیڈر بالکل پُر امن رہے اور انہوں نے پچھلے دروازہ سے خواتین کو رخصت کر دیا۔ اور اس کے بعد صدر نے جلسہ ملتوی کر دیا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ایک گھنٹہ تک انہیں وہاں کارہنہ پڑا۔ جب مخالفین منتشر ہو گئے تو وہاں سے نکل کر قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہیں ایک بے ضابطہ جلسہ ہوا اس میں طے کیا گیا کہ اجلاس کی باقی نشستیں سینڈال میں نہیں بلکہ تاج محل ہوٹل میں ہوں اور ان میں صرف لیگ کے ممبروں اور نمائندگان پریس کو ہی داخلہ کی اجازت دی جائے۔ دوسرے دن تاج محل ہوٹل میں لیگ کا اجلاس شروع ہوا۔

تاج محل ہوٹل میں اجلاس | کارروائی شروع کرتے ہوئے مسٹر مظہر الحق نے کہا۔

”لیگ کا یہ قاعدہ ہے کہ صرف ممبروں کو شامل اجلاس کیا جائے۔ کل ہم نے غیر ممبر حضرات کو بھی بلایا تھا تاکہ ان کی ذہنوں کی سبب سے تربیت ہو سکے۔ مگر وہ لوگ عمداً چلے کو دور ہم پر ہم کرنے کے لئے آئے تھے۔ جس سے مجھے

کارروائی ملتوی کرنی پڑی۔ آج ہم نے پنڈال میں اس لئے اجتماع نہیں کیا مبادا کل کے سے ناخوشگوار حالات دوبارہ پیش آئیں۔ ذاتی طور پر میں نے شور و غوغا کو دبانے کے لئے پہرہ وانی حاصل کرنے سے انکار کیا تھا۔ مگر میرے دوست مسٹر جناح نے ذمہ دار افسران حکومت سے امداد طلب کی جنہوں نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ "مسٹر جناح پُر زور چیلر کے درمیان اٹھے اور کہا۔" میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے کمشنر پولس کے پاس گیا جو پنڈال کے باہر کھڑے تھے اور انہیں بتایا کہ قاعدے کی رُو سے صرف ممبر اجلاس میں شامل ہو سکتے ہیں مگر ہم نے غیر ممبروں کو بھی بذریعہ ٹکٹ شامل اجلاس ہونے کی اجازت دیدی۔ اس وقت ممبروں کی یہ خواہش ہے کہ ان کے علاوہ باقی کو پنڈال سے نکال دیا جائے تاکہ کارروائی جاری رہے۔ آپ ہماری مدد کریں ہم کٹوں کے دام واپس کرنے کے لئے تیار ہیں کمشنر پولس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ اگر آپ کو فساد کا خوف ہے تو میں پنڈال کا چارج لیکر سب کو باہر نکال سکتا ہوں۔" حاضرین نے کمشنر پولس کے طرز عمل پر اظہارِ نفرت کیا۔

مسٹر جناح کی ریفارمز کمیٹی کی تجویز | اس کے بعد مسٹر جناح نے اپنی وہ تم تجویز پیش کی جس سے ریفارمز کی اسکیم تباہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ وہ دوسری سیاسی جماعتوں کی اس قسم کی کمیٹیوں سے بات چیت کرے (بشرطیکہ مسلمانوں کے حقوق پر ضرب نہ لگتی ہو) کمیٹی میں ہر صوبے کے چوتھے کے مسلمان لئے گئے۔

آنربل مسٹر فضل الحق (ملکتہ) مولانا ابوالکلام آزاد (الہابال) مسٹر اے رسول باریٹ (ملکتہ) مسٹر غلام حسین (کامریڈ) وغیرہ نے تجویز کی تائید کی۔ مسٹر حسرت موہانی اور ایک صاحب باونظام الدین (امرتسر) نے دو ترمیمیں پیش کیں۔ مگر مسٹر جناح کے کہنے پر وہ واپس لے لی گئیں۔ تجویز متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

جداگانہ نیابت پر زور نہ دیا جائے | تیسری تجویز وہی جداگانہ نیابت کی تھی جو ۱۹۱۹ء سے لیگ کے ہر سالانہ اجلاس میں منظور ہوا

کرتی تھی۔ اس سال اسے سید آل نبی نے پیش کیا اور یہ کہا کہ مسلمان اس کو کسی نسلی یا مذہبی دشمنی کی بنا پر نہیں بلکہ دوسری قوم کے ساتھ ساتھ جمل سکے کے قابل بننے کے لئے منظور کرتے ہیں۔ اس کی تائید مسٹر یعقوب حسن (مدد اس) اور مسٹر محسن شاہ پنجاب نے کی حسرت صاحب نے دو وجوہات سے مخالفت کی۔ اول تو یہ غیر ضروری تھی، کیونکہ گورنر بریٹی سے سکے ہوئے سمجھوتے کے مطابق لیگ کے اس اجلاس میں صرف وفادار ٹی برطانیہ اور مطالبہ سیلف گورنمنٹ کی تجویزیں پیش ہو سکتی تھیں۔ دوسرے جب لیگ اور کانگریس کی ریفرنڈم کمیٹیاں باہمی مفاہمت کے لئے گفتگو کریں گی تو یہ ان کے لئے سدا اذیت ہوگی۔ اس پر مسٹر جناح نے ایوان کو بتایا کہ کس طرح گورنر بریٹی اور اہالیان لیگ کے درمیان سمجھوتہ ہوا تھا اور کس طرح مسٹر جناح نے یہ بنایا تھا کہ جداگانہ انتخاب کے بارے میں مسلمانوں کے احساسات شدید ہیں اس لئے اس مسئلہ پر اظہار رائے کی آزادی ملنی چاہئے۔ اس اعتبار سے یہ تجویز سمجھوتے کی مخالفت نہیں ہے۔ عبد المجید خواجہ صاحب نے یہ ترمیم پیش کی کہ لیگ اور کانگریس کی ریفرنڈم کمیٹیوں کے اس معاملے پر مفاہمت کر لینے تک تجویز کو ملتوی کر دیا جائے بعض غیر رائے ظاہر کی کہ جداگانہ انتخاب تو ایک کھلونا ہے۔

عباس علی صاحب نے ترمیم کی تائید کی۔ حمید حسن صاحب نے ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس تجویز کو مسترد کرتے سے قوم کو نقصان پہنچے گا۔ اس شہر اور باقی ملک میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ لیگ کانگریس کے آگے ہتھیار ڈال رہی ہے (ہمیں نہیں کی آزادی) میں مانتا ہوں کہ خارشہ بے بنیاد ہے مگر اس تجویز کو مسترد کرنے سے اسے تقویت پہنچے گی۔ مسٹر جناح نے ترمیم واپس لے لئے جانے کی درخواست کی اور وہ واپس لے لی گئی۔ اصل تجویز بیکار کی کثرت رائے سے منظور ہوئی۔

اجلاس ۱۹۱۵ء کا پہلی میں منعقد ہونا ایک
مسٹر جناح کی کوششوں کا شکریہ | بہت بڑی حد تک محمد علی جناح کی سرگرم
 کوششوں کا مرہون منت تھا۔ چنانچہ جب صدر اجلاس نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ میں

ادائے فرض کی تکمیل میں ناکام رہوں گا اگر اس زبردست کام کا ذکر نہ کروں جو مسٹر جناب نے لیگ کے لئے انجام دیا ہے تو حاضرین نے دیر تک پُر زور چیخ دئے۔ اور جب صاحب صدر نے مسٹر جناب سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”مسٹر جناب ہم مسلمان ہند آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“ تو پھر پُر زور چیخ دئے گئے جن کی صدا سے ایوان کئی منٹ تک گونج رہا۔

کانگریس کا عزم اتحاد | کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدر نے بھی اپنے خطبہ صدر

کے مقصد پر وہ اپنی تصدیق کا اعلان کر دے اور جنگ کے اختتام پر اس منزل مقصود کی طرف بڑھنے کے لئے موثر قدم اٹھائے۔ اس سال کے سالانہ اجلاس کانگریس کی اہم ترین تجویز بھی وہ تھی جس میں ہندوستان کے لئے سیلف گورنمنٹ (خود مختار حکومت) کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس تجویز میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ریفرنسز کی اسکیم تیار کرنے کے لئے مسلم لیگ سے مصالحت کی گفتگو کرے۔ اس پریل کرنے ہوئے کانگریسی لیڈروں نے بھی مدد اس اور کھینچنے میں جمع ہو کر کئی ہفتے تک غور و خوض کیا اور اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کی۔ ۲۲ اپریل ۱۹۱۶ء کو آلہ آباء میں کانگریس کمیٹی کی میٹنگ میں لیڈروں نے اس اسکیم پر پھر غور کیا اور دو دو بدل کے بعد ایک اسکیم تیار کر لی جس پر لیگ کی ریفرنس کمیٹی کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر غور کیا جاتا تھا۔ لیگ کی ریفرنس کمیٹی بھی اسی قسم کی ایک اسکیم تیار کر چکی تھی ۲۱ اگست ۱۹۱۶ء کو اس کمیٹی کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں ہوا تاکہ اسکیم پر مفصل گفتگو کی جاسکے۔ اسکیم مسٹر جناب کے تدبیر اور فراست کا شاہکار تھی۔ ریفرنس کمیٹی کے جلسہ لکھنؤ نے اسے قبول کر لیا۔ تجویز چھپو اگر لیگ کو نسل کے ممبروں کو بھجوا دی گئی۔ جو اسکیمیں کانگریس اور لیگ کی ریفرنس کمیٹیوں نے تیار کیں ان کی بنیاد پر وائسرائے ہند کی کونسل کے انیس منتخب ممبروں نے ایک یادداشت مرتب کی۔ اس میں انہوں نے اسکیموں کی موٹی موٹی باتیں لے لیں اور یادداشت کو اپنے دستخطوں سے وائسرائے کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ ذکر ماہ اکتوبر ۱۹۱۶ء کا ہے۔

ممبران کونسل کی یادداشت | پالیسی کا اجرا کیا جائے جس کا مقصد ہندوستان

کونسل گورنمنٹ دینا ہو اور جو ہندوستان کو ایک زندہ قوم کا معیار اور طاقت بخشے۔ ریفرنڈم میں تو رفتہ رفتہ ہی مگر ان کا ملنا ہو لینی۔ جن ریفرنڈم کی فوری طور پر ضرورت ہے وہ یہ ہیں۔ امپیریل کونسل میں سرکاری ممبران کی اس قدر زیادہ اکثریت کو ختم کیا جائے۔ اور اس کی جگہ وہاں انتخاب سے آئے ہوئے سرکاری ممبروں کی اکثریت ہو تاکہ وہ ہندوستان کے معاملات پر خالص ہندوستان زاویہ نگاہ سے بحث کر سکے۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو بیوروکریسی سے پاک کیا جائے۔ ایگزیکٹو کونسل میں زیادہ تعداد میں ہندوستانی ممبر ہونے چاہئیں کیونکہ یہی کونسل سرکاری پالیسی کا منبع ہے۔ حکومت کا انتظامی شعبہ لیجسلیٹو کونسل کے ماتحت ہو۔ صوبوں کی حکومتوں کو اندرونی اور مالی معاملات میں پوری پوری آزادی ملنی چاہیے۔ لوکل سیلف گورنمنٹ حقیقی منوب میں لوکل سیلف گورنمنٹ ہو۔ آرمرز ایکٹ (قانون اسلحہ) منسوخ ہونا چاہیے۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندوستانیوں کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ تجارت، زراعت، صنعت، اور تعلیم کو ترقی دی جانی چاہیے۔

ہندو مہاسبھا کی مخالفت | ہندو مہاسبھا کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی

مہاسبھا کی رائے میں اس معاہدے میں مسلمانوں کو نا واجب مراعات دی جا رہی ہیں اور کانگریس مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہندوؤں کے حقوق کو کٹہر چھری سے ذبح کر رہی تھی۔ ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں بہت سے ایسے ہندو لیڈروں نے بھی ہندو مسلم سمجھوتے کی مخالفت کی جنہیں کانگریس کے پلیٹ فارم پر اس کی مخالفت میں آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کانگریس کی فضا مہاسبھا کی ذہنیت رکھنے والوں کے لئے سازگار نہیں تھی۔ کانگریس حلقوں میں ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ پایا جانا تھا اور کانگریسی لیڈر اس بات کے معترف تھے کہ مسلم لیگ کی کوششوں سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور ان کے حقوق تسلیم کر کے مسلمانوں کو

مسلمانوں کو جدوجہد میں حصہ لینے کا موقع دینے سے ملک کو فائدہ پہنچے گا۔

مسٹر خباج کی تجویز پر مشترکہ کمیٹی | مہاسیما کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسٹر خباج کی تجویز پر کانگریس اور مسلم لیگ کی ایک مشترکہ کمیٹی بن گئی۔

اس کو یہ کام کرنا تھا کہ وقت کے تمام سیاسی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمام اختلافات کا تقصیر کرے اور اصلاحات کی ایک متفقہ اسکیم تیار کرے۔ چنانچہ مشترکہ کمیٹی نے تفصیلات اور جزئیات پر غور و فکر شروع کیا۔ آپس میں بات چیت ہونے لگی اور صلاح مشوروں کا تبادلہ شروع ہو گیا۔

۱۸ اور ۱۹ نومبر ۱۹۱۶ء کو مشترکہ سرنیدرناختہ ہنری کی صدارت میں لیگ اور کانگریس کی ریفرنڈم کمیٹیوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا۔ لیگ کی اسکیم اہل مجلس کے سامنے رکھی گئی۔ جلسے کی کارروائیاں دو روز تک جاری رہیں۔ بحثیں پر زور نہ رکھی گئیں۔ مفاہمت اور اتحاد و اتفاق کی اسپرٹ پائی گئی۔ تمام امور پر جو فیصلے ہوئے وہ قریب قریب سب کے سب متفقہ تھے۔ پنجاب اور بنگال کا معاملہ التوا میں رکھا گیا۔ یہ طے ہوا کہ لکھنؤ میں ایک اور مشترکہ جلسہ ہو اور اس میں ان دونوں صوبوں کا معاملہ بھی طے کر لیا جائے۔ امید کی جاتی تھی کہ شہرہ کوئی نہ کوئی مناسب راہ نکل آئے گی۔ جو اسکیم منظور ہوئی وہ ایک بار پھر طے کر کے لیگ کونسل کے ممبروں تک پہنچائی گئی۔ ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ میں کانگریس اور لیگ کا دوسرا مشترکہ جلسہ مفاہمت ہوا۔ دونوں قوموں کے چیدہ چیدہ افراد نے ایک بار پھر تنگ کے بعد نافذ ہونے والی اصلاحات کی اسکیم پر غور و خوص کیا۔ مختلف صوبوں کی نمائندگی کے سلسلے پر غور کیا گیا اور تین روز کی مسلسل نشستوں کے بعد تمام جزوی امور کا تقصیر بھی ہو گیا۔

ہندو مسلم معاہدہ لکھنؤ ۱۹۱۶ء | جو معاہدہ یا ہمی گفت و شنید سے ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپس میں کیا اسے ہندوستان

کی سیاسی تاریخ میں لکھنؤ ٹیکٹ یا مذاق لکھنؤ کہتے ہیں۔ اس کی تیاری میں لیگ کی اس ریفرنڈم

کیٹی کا بڑا ہاتھ تھا جو لگ نے اسی غرض کے لئے مقرر کی تھی۔ کانگریس کی مقرر کی ہوئی ریفرنس
 کیٹی نے بھی اس کام میں حصہ لیا تھا۔ اس سیکٹ کی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تجویز
 اور شرطوں کو حکومت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ جنگ عظیم کے خاتمے پر حکومت ان
 کے مطابق ہندوستانیوں کو کامل خود اختیار حکومت دے دے۔ معاہدے کی پوری
 اسکیم یہ ہے۔

صوبوں کی بحالی کو سلیس | ۱۔ صوبوں کی قانون ساز کونسلوں میں ممبروں کا
 حصہ منتخب شدہ اور حصہ نامزد شدہ ہوگا۔
 ۲۔ بڑے صوبوں میں ان جماعتوں میں ۲۵ ممبر اور چھوٹے صوبوں میں ۵۰ سے ۷۵ تک
 ممبر ہوں گے۔ (۳) ان کونسلوں کے ممبروں کو عوام چنیں گے اور حق رائے دی زیادہ
 سے حد تک وسیع رکھا جائیگا۔ (۴) اہم اقلیتوں کے لئے بذریعہ انتخاب صحیح نمائندگی کا مناسب
 بندوبست کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کی نمائندگی خاص حق انتخاب سے صوبوں کی کونسلوں
 میں مندرجہ ذیل تناسب سے ہوگی۔ صوبہ پنجاب میں ۵۰ فی صدی۔ صوبہ بنگال میں ۴۰
 فی صدی۔ صوبہ یو۔ پی میں ۳۰ فی صدی۔ صوبہ بہار میں ۲۵ فی صدی۔ صوبہ متوسط میں
 ۱۵ فی صدی۔ احاطہ نہیں میں ۳۳ فی صدی۔

یہ شرط ہوگی کہ کوئی مسلمان امپریل یا پارلیمنٹری کونسلوں کے کسی دوسرے
 انتخاب میں حصہ نہیں لے گا، سوائے اور بجز ان انتخابات کے جو مخصوص مفادوں کی نمائندگی
 کریں گے۔ یہ بھی شرط ہوگی کہ ان معاملوں پر جن کے فیصلے کا انحصار قانون ساز جماعتوں میں
 کسی فرقے پر ہوگا بغیر سرکاری ممبر کوئی بل یا اس کی دفعہ یا کوئی تجویز پیش نہیں کر سکے گا۔ اگر
 کونسل میں اس فرقے کے ممبروں کی تین چوتھائی تعداد بل یا اس کی کسی دفعہ یا تجویز کی
 مخالفت کرے۔

۵۔ صوبے کی حکومت کا سب سے بڑا عہدے دار قانون ساز کونسل کا صدر رہیں
 ہوگا۔ بلکہ کونسل کو اپنا صدر چنے کا اختیار ہوگا (۶) سلیمٹری (اضافی) سوالات پوچھنے کا

حق اصلی سوال دریافت کرنے والے تک محدود نہیں ہوگا کسی اور ممبر کو بھی اس حق کے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔ ۷۔ (الف) چنگی، ڈاکخانہ، تار، ٹکسال، نمک، افیون، ریلوے، فوج، بجلی، بیڑہ اور ریاستی خراج کے علاوہ مالیات کے دیگر تمام ذرائع صوبوں کی حکومتوں کی ملکیت ہوں گے۔ نیز (ب) مالیات کی مدین منقسم نہیں گی۔ حکومت ہند کو صوبوں کی حکومتوں سے مقررہ رقوم ملنے کا بند و بست کر دیا جائے گا۔ جب غیر متوقع مواقع پیدا ہوں گے تو ان رقوم پر نظر ثانی ہو سکے گی۔ (ج) صوبے کی حکومت کو اندرونی انتظام سے تعلق رکھنے والی سب باتوں (جیسے قرضہ لینا، محصولات لگانا اور ان میں ترمیم کرنا اور بجٹ پر ووٹ دینا) پر پورا پورا اختیار ہوگا۔ ضروری مالیات پیدا کرنے کے لئے ذرائع و طریق کی تجویزوں اور اخراجات کی تمام مدین مختلف مسودہ ہائے قانون کی شکل میں لاکر صوبوں کی کونسلوں کو منظور کر کے لئے بھیج دی جائیں گی۔ (د) صوبے کی حکومت کے زیر اختیار رہنے والے تمام امور پر بجٹ انہی قاعدوں کے مطابق ہوگی جو کونسل خود بنائے گی۔ (ر) صوبے کی حکومت کی منظور کی ہوئی تجویز کو ماننا ایگزیکٹو گورنمنٹ پر لازمی ہوگا تا وقتیکہ گورنر باجلاس کونسل اسے ویٹو سے نامنظور نہ کرے۔ تاہم یہ شرط ہے کہ اگر کونسل اس وقفے میں (جو ایک سال سے کم نہیں) اسی تجویز کو دوبارہ منظور کر دے تو اس کا نفاذ لازمی ہو جائے گا۔ (س) اُسے ایوان کے ممبروں کے ممبروں کے لئے حصے کی تائید حاصل ہو تو انہیں باجلاس کی تجویز پبلک اہمیت کے کسی بہت ضروری معاملے کی بحث کے لئے پیش ہو سکے گی۔ (۸) ممبروں کے ۱/۵ حصہ کی فوری درخواست پر کونسل کا خاص اجلاس طلب کیا جاسکے گا۔ (۹) مالی مسودہ قانون کو متنبہ کرتے ہوئے کوئی مسودہ قانون کونسل کے اپنے بنائے ہوئے قاعدوں کے مطابق کونسل میں پیش ہو سکے گا اور اس کے لئے حکومت کی مرضی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۱۰) صوبوں کی قانون ساز جاعتوں کے منظور کئے ہوئے مسودہ قانون کو قانون بننے کے لئے گورنر کی منظوری حاصل کرنی ہوگی مگر گورنر جنرل اپنے ویٹو سے اسے نامنظور کر سکتا ہے۔ ممبروں کی مدت ممبری پانچ سال ہوگی۔

صوبوں کی حکومتیں (۱) صوبے کی حکومت کا سب سے بڑا اہمہ دار گورنر ہو گا۔ عام طور پر وہ انڈین سول سروس یا کسی مستقل سروس کا ملازم نہیں ہو گا (۲) ہر صوبے میں ایک ایگزیکٹو (انتظامی) کونسل ہوگی۔ یہ کونسل مع گورنر صوبے کی انتظامی حکومت ہوگی (۳) عام طور پر انڈین سول سروس کے ملازموں کو کونسل میں مقرر نہیں کیا جائے گا۔ (۴) ایگزیکٹو کونسل میں ہندوستانی ممبر آدھے ممبروں سے کم نہیں ہوں گے انہیں صوبے کی قانون ساز کونسل کے منتخبہ ممبر بنائیں گے۔ (۵) ممبروں کی مدت ممبری پانچ سال ہوگی۔

امپریل لیجسلیٹو (شاہی قانون ساز) کونسل (۱) اس میں ۵۰ ممبر ہوں گے (۲) اس کا پچھ حصہ منتخبہ ممبروں پر مشتمل ہوگا (۳) امپریل کونسل کے لئے رائے دینے کا حق بھی زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک انہی لائوں پر وسیع ہوگا جو صوبوں کی کونسلوں کے لئے مسلمانوں کے انتخاب کے سلسلے میں تباہی چاہتی ہیں۔ صوبوں کی قانون ساز کونسلوں کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر ہی شاہی کونسل کے لئے ممبر بنائیں گے۔ (۴) انتخاب سے آئے ہوئے ہندوستانی ممبروں کا ایک حصہ مسلمان ممبروں پر مشتمل ہوگا جو جداگانہ انتخاب سے چنے جائیں گے۔ ان لوگوں کو مختلف صوبوں میں کونسلوں کے ممبر اسی تناسب سے چنیں گے جو انہیں وہاں حاصل ہوگا (اس تناسب کا ذکر پہلے حصہ کی چوتھی دفعہ میں ہو چکا ہے)۔

(۵) کونسل اپنا صدر خود ہی چنیں گی (۶) اضافی سوالات پوچھنے کا حق اصلی سوال درپا کرنے والے تک محدود نہ ہوگا بلکہ کوئی دوسرا ممبر بھی اس کا مجاز ہوگا (۷) ممبروں کا ایک حصہ کونسل کی خاص ٹیبلنگ بلواسکے گا (۸) مالی مسودہ قانون کو منشن کرتے ہوئے کوئی مسودہ قانون کونسل کے اپنے بنائے قاعدوں کے مطابق پیش ہو سکے گا اور اس کے لئے ایگزیکٹو گورنمنٹ کی مرضی درکار نہ ہوگی۔ (۹) کونسل کے منظور کئے ہوئے مسودہ قانون کو قانون بننے سے پہلے گورنر جنرل کی منظوری حاصل کرنی ہوگی۔ (۱۰) ممبروں کی مدت ممبری

پانچ برس ہوگی۔

(۱۱) ذیل کے معاملات صرف امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے زیر اختیار ہوں گے (۱) وہ معاملات جن کے سلسلے میں تمام ہندوستان کے لئے یکساں قانون بنانا پسندیدہ ہے (ب) صوبوں کے قانون اس حد تک جس میں وہ بین الصوبائی مالی تعلقات پر اثر انداز ہوں گے۔ (ج) وہ سوالات جن کا محض شاہی ایلات پر اثر پڑے (ریاستوں سے آئے ہوئے خراج کو مستثنیٰ کر کے) (د) وہ سوالات جن کا محض شاہی اخراجات پر اثر پڑے۔ اس میں استثنایہ ہے کہ شاہی قانون ساز کونسل کی کوئی تجویز ملک کے وٹمنس (تحفظ) کے لئے جانے والے فوجی اخراجات کے سلسلے میں گورنر جنرل پر پابندی لگانے والی نہ ہوگی (س) ہندوستانی محصولات، نرخ، ٹیکس، یا کرنگانے، بہ لئے یا پٹانے، سکے اور ٹیکنگ کے موجودہ طریقے کی تشکیل، سب کی کسی صنعت کو امداد دینے کا حق (س) ان سب معاملات پر تجویزیں جن کا تعلق ملک کے انتظام سے ہو۔ (۱۲) لیجسلیٹو کونسل کی منظور کی ہوئی تجویز کو ماننا ایک گورنمنٹ پر لازمی ہوگا تا وقتیکہ گورنر جنرل یا بلاک کونسل ریٹو سے اسے نامنظور نہ کرے۔ تاہم یہ شرط ہے کہ اگر کونسل اس وقت سے جو ایک سال سے کم نہ ہو اسی تجویز کو دوبارہ منظور کر دے تو اس کا لغو لازمی ہو جائے گا (۱۳) اسے ایوان کے ممبروں کے پے حصے کی تائید حاصل ہونا تو اٹوائے اجلاس کی تجویز چیک ایبٹ کے کسی بہت ضروری معاملے کی بحث کے لئے پیش ہو سکے گی (۱۴) جب تاج کسی صوبے کی کونسل یا شاہی قانون ساز کونسل کے منظور کئے ہوئے کسی مسودہ قانون کے بارے میں اپنی ویٹو کا اختیار استعمال کرنا پسند کرے گا تو یہ اختیار مسودے کی منظوری کی تاریخ سے بارہ ماہ کے اندر اندر استعمال ہو سکے گا اور جس تاریخ سے متعلقہ کونسل کے علم میں یہ حقیقت لائی گئی (کہ فلاں بل پر ویٹو کا اختیار استعمال ہوا ہے) اسی تاریخ سے اس مسودہ قانون کا اثر اٹل ہو جائے گا (۱۵) شاہی قانون ساز کونسل کو گورنمنٹ آف انڈیا سے فوجی معاملات اور ہندوستان کے خارجہ و سیاسی تعلقات (جن میں اعلان جنگ صلح اور معاہدے کرنا بھی شامل ہیں) کی نگرانی میں مداخلت کرنے کا کوئی حق یا اختیار نہ ہوگا۔

گورنمنٹ آف انڈیا (۱) گورنر جنرل آف انڈیا گورنمنٹ آف انڈیا کا ممبر ہوگا۔

(۲) اس کی ایک ایگزیکٹو کونسل ہوگی۔ اس کونسل کے آدھے ممبر ہندوستانی ہونگے۔ (۳) ہندوستانی ممبروں کو شاہی قانون ساز کونسل کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبر نہیں گئے۔ (۴) عام طور پر (۵) مائین سول سروس کے ملازموں کو گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں مقرر نہیں کیا جائیگا (۵) شاہی قانون ساز کونسل میں تمام تقررات کرنے کا اختیار گورنمنٹ آف انڈیا کو ہوگا (جس کی تشکیل اس اسکیم میں ظاہر کر دی گئی ہے) موجودہ مفادوں کا مناسب لحاظ رکھا جائیگا مگر یہ ان قوانین کا پابند ہوگا جو شاہی کونسل بنا لگی (۶) عام طور پر گورنمنٹ آف انڈیا صوبے کے مقامی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ اور وہ اختیارات جو مفید طور پر کسی صوبائی حکومت کو نہیں دیئے گئے ہیں، گورنمنٹ آف انڈیا کی ملکیت سمجھے جائیں گے۔ عام طور پر گورنمنٹ آف انڈیا کا دست اختیار صوبوں کی حکومتوں کی عام نگرانی تک ہی محدود رہے گا۔ (۷) قانون سازی اور انتظام کے معاملوں میں گورنمنٹ آف انڈیا (جس کی تشکیل اس اسکیم میں درج ہے) جہاں تک ممکن ہوگا وزیر ہند کی ماتحتی سے آزاد رہے گی (۸) گورنمنٹ آف انڈیا کے سیاسیات کی آزادانہ طور پر جانچ پڑتال ہوگی۔

وزیر ہند با اجلاس کونسل (۱) وزیر ہند کی کونسل ختم ہو جائے گی (۲) وزیر ہند کی خواہ بھٹالوی تھینوں میں شامل ہو جائیگی (۳) جہاں تک ممکن ہو گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند کا وہی تعلق ہوگا جو وزیر نوآبادیات اور خود اختیارات نوآبادیوں کی حکومتوں کا ہے (۴) وزیر ہند کی امداد کے لئے دو مستقل انداز سکریٹری ہوں گے ان میں سے ایک ہندوستانی ہوگا۔

ہندوستان اور ایما پیٹ کسی ایسی کونسل یا جماعت میں جو امپیریل (شاہی) معاملات کے نصفے یا کٹرے کے لئے بنائی یا طلب کی جائے ہندوستان کو بھی نوآبادیات کی طرح مناسب نمائندگی دی جائیگی (۲) جہاں تک شہریت کے حقوق اور میاں کا تعلق ہے ہندوستانیوں کو ہر جمعی ملک معظم کی ایما ٹری کی دیگر عایا کی سطح پر لایا جائے گا۔

فوجی اور دیگر معاملات (۱) فوج اور بحری بیڑے کی کمیشن یافتہ اور بلا کمیشن یافتہ آرمیوں

کا دروازہ ہندوستانیوں کے لئے کھول دیا جائیگا اور ان کی تربیت وغیرہ کیلئے ہندوستان میں مناسب بندوبست کیا جائیگا (۲) ہندوستانیوں کو الٹیر بننے کی اجازت دی جائیگی (۳) ہندوستان میں ایکڑ کٹو (انتظامی شعبے) کے افسران کو جوڈیشل (عدالتی) اختیارات نہیں سونپے جائیں گے اور ہر وہ بنی شعبہ انصاف و عدالت اس صوبے کی سب سے بڑی عدالت کے ماتحت ہوگا۔

ہندوستان کی وہ تاریخ، جو انگریزوں کے ہندوستان لکھنؤ پیکٹ کی سیاسی اہمیت

مسلمانوں کے اختلافات اور منہ مسلم فسادات کے دھبوں سے داغدار ہے۔ مگر اسی تاریخ میں کسی درخشاں صفحے پر لکھنؤ پیکٹ اپنے زرین حروف میں ہمیشہ اپنی آب و تاب دکھاتا رہے گا۔ یہ ہندوستان کی سیاست کے ارتقا کی شاہراہ پر ایک اہم اور اونچا نشان ہے۔ اس کے وجود سے یہ قیمتی بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر ہندوستان کی دو بڑی قوموں (ہندو اور مسلم) کے اغراض میں یکجہتی پیدا ہو جائے تو ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کی منزل کس قدر قریب نظر آنے لگتی ہے۔ لکھنؤ پیکٹ مسلم لیگ کی زندگی کا وہ شاندار کارنامہ ہے جس سے اس نے کانگریس سے یہ بات منوالی کہ لیگ ہندوستان میں ایک مستقل سیاسی وجود رکھتی ہے اور ہندوستان کو خود اختیار حکومت ملنے کا امکان اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب ہندوستان کی اکثریت رکھنے والی قوم مسلمان اقلیت کی خاص سیاسی ضرورتوں کو تسلیم کرے۔ لیگ کے قیام کے وقت کانگریسی حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ انگریزی حکومت کے اشاروں پر بچان کٹھنیلوں کی طرح رقص کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے اور حکومت اسے ہندوستانیوں کی سیاسی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے استعمال کرے گی۔ مگر ۱۹۱۶ء میں جب لیگ کی کلی کھل کر پھول بنی اور اس نے اپنی اہمیت کی تہک سے ہندوستان کی سیاسی دنیا کو غطر کر دیا تو وہی کانگریسی، جو کئینہ چینوں میں تھے، اس کے مستقل سیاسی وجود کو تسلیم کرنے لگے۔

باب ۱۲

مسلم لیگ کا تاجنی اجلاس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۶ء

وہ جنگ لڑی جا رہی تھی جو اپنے دور رس اثرات کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ ایک اہم اور عظیم جنگ سمجھی جاتی رہے گی۔ اسے شروع ہوئے دو سال گزر چکے تھے۔ تباہی اور ہلاکت کا ایک طویل اور دیر میں ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ وسیع برطانوی سلطنت زندگی اور موت کے کشمکش میں مبتلا تھی۔ تمام ذرائع کو جو انگریزوں کے زیر اختیار تھے وہ جنگ میں دشمنی کی خلاف استعمال ہونے کے لئے میدان میں لے آئے تھے۔ آدمی روپیہ اور سامان سب کی مدد سے دشمن کا سر کچلنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ برطانوی مدبرین ساری دنیا کو یہ یقین دلا چکے تھے کہ جرمنی دنیا کے امن و امان کا دشمن ہے۔ وہ تہذیب و تمدن کو اسلحہ جات کے آہنی پانوں کے تلے مسل ڈالنا چاہتا ہے۔ اسکی نقل و حرکت میں وہ تفرانگیز جذبہ تباہی موجود ہے جسکی پیاس انسانوں کے خون اور ان کی بستیوں کی تباہی سے بجھتی ہے۔ وہ اپنی قومیت سے تمام دنیا پر اپنا اقتدار جمالینے کا خواہشمند ہے۔ اس کے ارادوں کی سرکوبی ہر اس انسان کا فرض ہے جو دنیا میں امن اور تہذیب و تمدن کو ترقی پذیر دیکھنے کا آرزو مند ہے۔ سلطنت برطانیہ کے تمام اجزا مضبوطی کے ساتھ متحد ہو گئے تھے اور وہ ہر کوشش اور قربانی کو برداشت کرتے ہوئے برطانیہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے۔

ہندوستان دوسرے برطانوی مقبوضات یا نوآبادیات جیسے کنیڈا، نیوزیلینڈ، آسٹریلیا جنوبی افریقہ وغیرہ سے کچھ کم امداد نہیں کر رہا تھا۔ جنگ کے آغاز پر اس نے اپنی مرضی سے یہ قول دیا تھا کہ اس جدوجہد میں برطانیہ کو کامیاب بنانے کے لئے وہ ہر ممکن امداد کرے گا۔ اس قول کو وہ اپنی پوری

طاقت سے بھاریا تھا۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے میدانہائے جنگ میں ہندوستان کے سپاہی تختہ سلطنت برطانیہ کے لئے اپنا خون بہا کر ہندوستان کا نام روشن کر رہے تھے۔ رنگ نسل اور فرقہ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ کروڑوں فرزندان ہند بھتیجیوں کی جھنکار کو آواز کارواں سمجھتے ہوئے اسلحہ جات منبھال سمبھال کر میدان جنگ کو روانہ ہو چکے تھے اور پورے تھے۔ ہندوستان کے دایان ریاست بھی آدمیوں اور روپے سے برطانیہ کی ہر ممکن امداد کر رہے تھے۔

جہاں تک مسلمانان ہند کا تعلق ہے، یہ بیشک درست ہے کہ ان کے دینی بھائیوں پر برطانیہ کی فوجیں حملہ آور ہو رہی تھیں مگر لارڈ ہارڈنگ کا یہ اعلان ان کے سامنے تھا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو خلافت اور مقامات مقدسہ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ جنگ طرابلس و لبنان نے بھی انہیں انگریزوں سے کسی قدر برگشتہ کر دیا تھا۔ اسکے علاوہ ان کے بعض محبوب بہروں کے نظربند کر لئے جانے سے بھی مسلمان کافی مضطرب تھے۔ مگر دوران جنگ میں وہ پُر امن رہے انہیں یہ توقع تھی کہ خلافت محفوظ رہے گی اور پُر امن رہے گا۔ برطانیہ کی مدد کرنے سے احتیاج جنگ پر ہندوستان کو مکمل خود اختیار حکومت بھی مل جائیگی۔ آخر جنگ کو فوراً بعدی سے ایک مہم کا سیاسی سمجھوتہ ہو گیا تھا کہ جنگ کے دوران میں تمام سیاسی تحریکیں بند کر دی جائیں گی تاکہ حکومت کو پوری قوت کے ساتھ فتح حاصل کرنے کا موقع ملے۔

ہندوستان اس سمجھوتے کی اس قدر سختی سے پابندی کر رہا تھا کہ اس نے قیام امن تک ملک کی بعض اہم ترین ضروریات کو بھی روک دیا۔ مگر ایسی حالت میں جبکہ تقدیر کے ذنی ہتھوڑے ایک نئی اور بہتر دنیا کا ڈھانچہ تیار کر رہے تھے ہندوستانی بالکل ہی بے کار بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جنگ سے بھی زیادہ مشکل کام جیتیے کے بعد فتح کو منظم کرنا تھا۔ اتحادی ممالک میں ایک نئے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام کی پختہ بنیادیں رکھنے کے لئے کام کیا جا رہا تھا۔ ہندوستان بھی اس مستقبل کے لئے تصورات قائم کر رہا تھا جس میں دنیا اور دنیا کی قوموں کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں خاتمہ جنگ کا یقین تھا۔ ہندوستانی اس کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک دن جب وہ علی الصباح اپنے بستر خواب سے اٹھیں تو یہ خبر سنیں کہ صلح نامہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور فوراً گھبراہٹ کے عالم میں اپنے تصورات پریشاں کو جلدی جلدی کجیا

کر کے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں بے ترتیب اور بے مقصد گفتگوئیں شروع کریں
حالات کی نفسیات کو سمجھ چکنے کے بعد بے عمل رہ کر تیاری کے اس مفید وقفے کو ضائع کر دینا
ہندوستان کے مفاد سے غداری کرنا تھا۔

ہندوستان کے نظام حکومت میں وزنی اور موثر تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ ملک کے
نایاں سیاسی لیڈروں کا فرض تھا کہ وہ نئے نظام کے ارتقا میں عملی سرگرمی دکھاتے ہوئے یہ
طے کریں کہ نئی تبدیلیاں کیا ہونی چاہئیں۔ برطانیہ نے تاریخ کے اس مارک ترین مرحلے پر جو
انہماز اختیار کیا تھا اس سے ہندوستانیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ برطانوی قوم اور برطانوی
سیاست دانوں نے ہندوستانیوں کی دل کی بات معلوم کر لی ہے۔ ان کے بیانات اور
تقریریں اس یقین کو روز بروز زیادہ پختہ کرتی جاتی تھیں۔ جنگ عظیم کے ابتدائی ایام میں
مددگار وزیر ہند نے ہندوستانیوں کو یقین دلایا تھا کہ اب سے ہندوستان کے معاملات
کے ساتھ ایک نئے زاویہ نگاہ سے سلوک کیا جائے گا۔ اس کا صریح مطلب یہ تھا کہ ہندوستان
کی۔ اے عامہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس ملک کی عنان حکمرانی ہندوستانیوں ہی کے ہاتھوں
میں سونپی جائے گی۔

مسلمان اور حب وطن | مسلمانوں کے جذبہ حب وطن کا امتحان تھا۔ ان کے
وطن کے معاملات ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گئے تھے جبکہ
معمولی اختلافات کو جھلکا کر مقدمہ طور پر عمل کا قیام آگے بڑھانے کی ضرورت تھی۔ ہندوستان
کا مستقبل اسی پر منحصر ہو گیا تھا کہ مسلمان کیا کرنے والے ہیں۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر مسلمانوں
کی زندگیوں کو ادائے فرض اور حب وطن کا پاک اور مقدس شعلہ چھو جائے تو معمولی اختلافات
کو جلا کر خاک کر دیں گے اور ہندوستانی مجانب وطن کا مقدمہ ہندوستان کا خواب ایک
حقیقت کی شکل اختیار کر لے گا۔ تغذیر کے اس اہم لمحے میں ہندوستان ان کے جواب
کا منتظر تھا۔ ملک کی فضا سیاسی ترقی کے تقارے کی دل گرما دینے والی آواز سے
گونج رہی تھی۔

مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں منع کو اسی کا جواب دینا تھا۔ اس اجتماع میں مسلم لیگ اور کانگریس کی ریفرمز کمیٹیوں کی ریفرمز اسکیم کی تصدیق ہوئی تھی۔ اس کے بغیر ہندو مسلمانوں کا سیاسی معاہدہ مسترد قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ مسلمانوں کو اپنی سابقہ تاریخ کی بنا پر یہ یقین تھا کہ ملک کی آئینی آزادی کی جنگ میں ہم ہی سب سے آگے ہونگے ان کی عملی سیاسی زندگی کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی مگر اس مختصر مدت میں انہوں نے اتنا میدان طے کر لیا تھا جو ہندو قوم نے پچیس برس میں طے کیا تھا۔ کل انڈیا مسلم لیگ کی تاریخ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا شاندار آئینہ تھی۔ تاہم قدم اٹھانے سے قبل حالات کا جائزہ لینا ضروری تھا۔

ہندوستان کے گوشے گوشے سے مسلمانوں لکھنؤ میں جمع ہوئے تاکہ ان اہم اور ضروری باتوں پر صلاح و مشورہ کریں جو ہندوستان میں ان کی قومی تقدیر کے بننے یا بگڑنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں اپنی واحد نمایندہ سیاسی جماعت کے عظیم الشان سالانہ اجلاس میں ان حالات پر ایک دور رس نظر ڈالنی تھی جن کے قاب میں ہندوستان کی قسمت ڈھلنے والا تھی۔ قوم کی تاریخ کا ایک اہم صفحہ لکھا جا رہا تھا۔ اس بات کی جانچ کرنی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے نوشتہ تقدیر پر وہ کون کون سے امور تحریر کئے جانے چاہئیں جو ان کے مستقبل کو ایک زندہ اور متحرک قوم کا شان دار اور حیات پرور مستقبل بنادیں۔

گزشتہ تجربات کی روشنی میں اپنی پوزیشن کے وزن کو جانچنے کا وقت آ گیا تھا۔ مستقبل اپنے مطالبات پیش کر رہا تھا۔ ان مطالبات کے ساتھ مناسب سلوک کرنے کے وسائل اور طریقے بہت ہوشیار سی اور بیدار مغزی کے ساتھ سوچنے تھے۔ حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ہندوستان کی سیاست کے زمین و آسمان بدل چکے تھے۔ تغیرات مطلع زندگی پر مسکراتے ہوئے نمودار ہو رہے تھے۔ ان کے تقسیم کا صاف و صریح مطلب یہ تھا کہ اب نئی سیاسی دنیا میں تعمیر ہوں گی۔ سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کے قومی زاویہ نگاہ میں نئی جان کیونکر ڈالی جائے کیونکہ قومی زاویہ نگاہ

ہی سے ایک قوم کے عقیدوں، اس کے خیالات، اس کی تمنائوں اور اس کی جدوجہد کو آپ بقا ملتا ہے۔ ایک نئے دور کا آغاز ایک نئے باب کا افتتاح ہو رہا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ملنے والی قسطاً صلحاً یا خود اختیار حکومت کی امیدیں ایک نہ بروست سناوی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ ٹرنکے کی ایک گونج دار چوٹ تھی جسے ہندوستان اپنی تقدیر کی سناوی سمجھتے ہوئے آنکھیں ملکر اٹھ رہا تھا۔ وہ سیاسی سطح کو ایسی توقعات کی نظروں سے تیک رہا تھا جس میں صرف امید ہی نہیں بلکہ گرجو شئی اور دلولے بھی شامل تھے۔ سرگرمی، اعتماد اور عزم و ارادے کی ایک نئی مدح ہندوستان کی سرزمین پر بیدار ہو چکی تھی۔ اس سرگرمی، اس جوش، اس اعتماد اور عزم و ارادے میں ہندوؤں کے ساتھ ملکر حصہ نہ لینا مسلمانوں کے لئے اپنے وجود، اپنی سابقہ شاندار روایات اور تاریخ کو جھٹلانا تھا۔ اسلام کی صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ترقی اور جدوجہد کی لٹکا پر لٹیک کہنے سے مسلمان نے کبھی جی نہیں چڑایا۔

۱۹۱۵ء کے اجلاسوں کی طرح ۱۹۱۶ء میں بھی لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجتماع ایک ہی مقام پر لکھنؤ میں ہوئے۔ مشتر جناح کو مسلمانوں نے خدمات اتحاد کے اعتراف کے طور پر اپنی تنہا نمائندہ سیاسی انجمن کی صدارت کا تاج پہنایا۔ لیگ کے اس اجلاس میں جو ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو ۲ بجے بعد دوپہر لکھنؤ کے مشہور تاریخی مقام قیصر باغ میں شروع ہوا، کانگریسی ہیڈ بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ مسلم لیگ کے رہبروں نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کر کے ان کی دعوت افزائی کی تھی یہ اس کا بادل تھا۔ جلسہ گاہ کچھ بھری ہوئی تھی۔ ہندو سکھ اور دیگر قوموں کے افراد مسلمانوں کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب تھے۔

استقبالہ کمیٹی کے صدر سیانہی اللہ تھے جو ۱۹۱۳ء **سیدنی اللہ کا خطہ استقبالہ** کے اجلاس آگرہ کے صدر رہ چکے تھے۔ انہوں نے پُر زور الفاظ میں حالات کی تصویر کھینچنے کے بعد بے انتہا موثر اور دلنشین انداز سے مسلمانوں کو ہندوستانی کی سیاسی رہبری کرنے کی تلقین کی۔ اپنی ایجنج کے آخر میں انہوں نے خصوصیت کے ساتھ پریس ایڈٹ اور ڈیفنس آف انڈیا ایڈٹ پر شدید نکتہ چینی کی۔ پریس ایکٹ کو ایک

غیر قانونی حربہ سخت گیری قرار دیتے ہوئے کہا: اس کی دفعات ایسی ہیں جن سے اخبارات کی آزادی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ سب سے زیادہ ذی اثر اور مہم اندوز خیال مسلمان اخبارات میں سے زیادہ تر اس کے وار سے ہتھ موچکے ہیں اور ہندوستان میں اخبار نویسی ایک پُرخطر اور دشوار کام بن گئی ہے۔ جتنے جلدی اسے واپس لے لیا جائے ملک کے امن و عافیت کے لئے اتنا ہی بہتر ہو گا۔

ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے متعلق سید نبی اللہ نے کہا: ”یہ قانون جو حکومت کے دشمنوں کے لئے تھا، بڑے خطرناک طریقے پر استعمال کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے بعض مشہور اور مقبول ترین رہبروں (جیسے محمد علی شوکت علی صاحبان) کو آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ نہ ان پر کوئی جرم عائد کیا گیا، نہ مقدمہ چلایا گیا، نہ نظر بند کی وجوہات بتا کر انہیں صفائی کا موقع دیا گیا۔ اگر پبلک یہ سمجھے کہ یہ مصحوم اصحاب کسی ظالمانہ غلط فہمی یا شبہ کا شکار ہوئے تو یہ اس کا تصور نہیں۔ مسٹر محمد علی اور ان کے بھائی کے لئے عام طور پر لوگ گہرا جذبہ ہمدردی و افسوس رکھتے ہیں۔ کیا ہم امید کریں کہ گورنمنٹ اس جذبے کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں رہا کر دیں؟“ جناح صاحب کا خطبہ موقع اور محل ہی کے اعتبار سے مناسب ترین نہیں بلکہ جناح جیسے بلند ادیب کا

مسٹر جناح کا تاریخی خطبہ صدر

انسان کی شان کے شایاں بھی تھا۔ انہوں نے ہندوستانیوں کے دلوں کی اتادانہ آواز سے تصویر کھینچ کر رکھ دی، ان کے مسکت دلائل کی بنیاد ٹھوس حقیقتوں پر تھی۔ انہوں نے بڑی بیباکی سے انگریزی بیوروکریسی (استعمار) پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے زاویۂ نگاہ کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے خود اختیار حکومت کے سوال کو کیا۔ انہوں نے کہا ”ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ ایک تو یہاں مغربی ڈھنگ کا انگریزی راج ہے جس کے اثر سے ہندوستان میں ذہنی بیداری پیدا ہو گئی دوسرے مغربی تعلیم کے اثرات کے ماتحت ہندوستان کی مختلف قومیں نسل اور عقائد کے اختلافات کے باوجود ہم خیال اور ہم مقصد ملتی جا رہی ہیں۔ اور ان میں سیاسی حرکت اور بیداری کی وجہ سے روز بروز یہ خیال زیادہ قوت حاصل کرتا جا رہا ہے

کہ ہمارے ملک کی حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہونی چاہئے۔ اب یہ کام انگریزی تدبیر کا ہے کہ وہ اس مسئلے کا حل نکالے۔ اس کے بعد آپ نے ان وقتوں پر روشنی ڈالی جو اس مسئلے کے حل میں حاصل ہیں۔ (۱) ہندوستان کے انگریز حکام کی قدامت پسندانہ ذہنیت جس کی وجہ سے وہ ہندوستانیوں کو حکومت میں شریک کرتے ہوئے گھبراتے ہیں (۲) انگریزوں کا دعوئے کہ ہندوستان کے ان تعلیم یافتوں کی اغراض جو حکومت میں حصہ مانگتے ہیں ہندوستان کے عوام سے مختلف ہیں۔ (۳) ہندوستان کی مختلف قوموں کے نسلی اور مذہبی اختلافات۔ ان وقتوں کے سلسلے میں انگریزوں کے رویے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا: کوئی شخص جو ہندوستان کے حالات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرتا ہے اس عظیم الشان اور نمایاں صداقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ہندوستانیوں کا سب سے پہلا اور سب سے آخری ملجا وادائے ہے۔ وہ وقت دور ہو یا نزدیک مگر ایک دن آنا ضرور ہے جب ہندوستانیوں کو خود اختیار قوم کی حیثیت سے ان کا پورا پورا حصہ ملے گا۔ فردہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں ان کے نوشتہ تقدیر سے محروم نہیں کر سکتی۔

”بڑا اہم سوال اس وقت یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کا اہل ہے اور اگر ہے تو کہاں تک؟ اگر ہندوستان آج اس قابل نہیں ہے تو اس کو قابل بنانا چاہئے۔ اس معاملے میں ہندوستان کے باشندوں پر جو ذمہ داری یا فرض عائد ہوتا ہے، حکومت پر اس سے کچھ کم ذمہ داری یا فرض عائد نہیں ہوتا۔

”قابلیت کا معیار کیا ہے؟ زمانہ گزشتہ میں صرف وہ لوگ آزادی کے اہل سمجھے گئے جنہوں نے حصول آزادی کے لئے جدوجہد کی اور اسے حاصل کر لیا۔ ہم گزشتہ سے مختلف زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم آئینی لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔ اس پر اس جدوجہد میں قوت اور اور قربانی کی کمی نہیں ہے اور نہ ہوگی اور ہم نے سلطنت برطانیہ کو اس امر کا یقین دلانے کا ہتھیار لیا ہے کہ ہم سلطنت کی حدود کے اندر ایک شریک کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ اُمیں اپنی پہلک لائفیں ہمیشہ لگا کا انگریزی رہا ہوں اور فرقہ وارانہ

شور غل کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا جو الزام مسلمانوں کے سر نقویا جاتا ہے وہ نہایت نامناسب اور غیر متعلق ہے۔ ایک قلیل تعداد والی جماعت کو قومی کاموں میں امداد دینے پر آمادہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جائے۔ یہ امر میرے اور ہر محب وطن کے لئے نہایت اطمینان بخش ہے کہ اس معاملے میں مسلمانوں کی جماعتی حیثیت کو ہندوؤں کے لیڈروں نے تسلیم کر لیا ہے اور اس کے ساتھ فراخ دلی کا برتاؤ کیا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے گزشتہ نومبر میں کلکتہ میں متحدہ متفقہ طور پر جو فیصلہ کیا ہے وہ اس کی بین دلیل ہے۔

حکومت کا فرض ”سیاسی اتحاد و اتفاق کی جانب بڑھنے میں ہندوستان کی ترقی کے راستے میں جو نہایت مہیب مسئلہ حائل تھا اب اس کے قابل اطمینان حل کی وجہ سے ہماری آئینی جنگ قبل ازیں گویا نصف ختم ہو چکی ہے۔ صلح ہوتے ہی ذمہ داران حکومت کو مسئلہ ہندوستان کو دلیرانہ اور فیاضانہ طریق پر حل کرنا ہوگا اور ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ایک آزاد ذمہ دار اور ہم بہتر رکن کی حیثیت سے اس کا پیدایشی حق دینا ہوگا۔

لیگ کے سامنے لائحہ عمل ”یہ تبدیلی کس طرح عمل میں آنی چاہئے اور اس کے حل کیلئے کیا کیا تدابیر اور طریقے اختیار کرنے چاہئیں؟ ان کے بارے میں تجاویز تیار ہو چکی ہیں جنہیں شاہی کونسل کے انتخاب سے آئے ہوئے انیس نمائندوں نے گورنمنٹ کے سامنے پیش بھی کر دیا ہے۔ گزشتہ سال آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی اور اس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس کی کمیٹی سے مشورہ کر کے اصلاحات کی ایک اسکیم مرتب کرے۔ وہ اسکیم تیار ہے۔ اور اب اسے تصویب رائے اور غور کے لئے آپ کی خدمت میں پیش ہوئے تو کانگریس اور لیگ دونوں کی تصدیق کے بعد دونوں جماعتوں کے سربراہان اور نمائندہ افراد کا ایک وفد مقرر کیا جائے جو اس مسودے کو پارلیمنٹ میں پیش اور منظور کرائے۔“

سب سے بڑا سوال

”یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ سیلف گورنمنٹ کے بارے میں ہندوستان کی حیثیت کیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جدید سیاسی نظام میں ہندوستان کو جو سلطنت کا سب سے بڑا منفرد جزو ہے، انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ کے (مساوی حیثیت سے نہیں بلکہ) زوائد کی حیثیت سے محکوم ہی رہتے دیا جائے یا نوآبادیوں کو اس پر حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس وقت تک ہندوستان کی نگرانی، اس کا انتظام اور اس کی حفاظت سلطنت برطانیہ سے متعلق رہی ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ایسی شاہی پارلیمنٹ قائم ہوئی جس میں نوآبادیوں کو پوری نمائندگی ہوئی تو کیا اس پارلیمنٹ میں ہمارے لئے بھی کوئی جگہ اور ہمارے بھی کوئی حیثیت ہوگی یا نہیں؟ کیا ہندوستان کو جدید اور مزید اقلیتیں گئے؟ کیا ہندوستان پر انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئر لینڈ اور نوآبادیوں کی متحدہ حکومت ہوگی؟ کیا ہم امپیریل پارلیمنٹ کے حوالے کر دیئے جائیں گے؟ اور اس طرح ہم پر نوآبادیوں کی حکمرانی اور فرمانروائی ہوگی؟ ہندوستان ایسی ناقابل برداشت حالت میں چھوڑ دیا جاتا کبھی گوارا نہ کرے گا۔ نہ اس کو اپنے آقا تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کو مزید آقاؤں کی ضرورت ہے اگر نہ کورہ بالا قسم کی پارلیمنٹ سلطنت کے لئے قائم ہوئی تو اس میں ہندوستان کی آواز اور اس کے فرزندوں کی تیاری کا کامل اور مناسب انتظام ہونا چاہیے۔“

ہندوستان کی خواہش اصلاحات

”حکومت ہند میں باشندگان ہندوستان کی طرف سے جن اصلاحات کی خواہش کی جا رہی ہے ان کا پورا خاکہ حال ہی میں امپیریل کونسل کے ایس منتخبہ ممبر پیش کر چکے ہیں۔ ان مطالبات کو فرما دار اصحاب نے تربیت دیا ہے جن پر منتخبہ نمائندگان کی حیثیت سے حکومت اور عدلیہ دونوں کے یکساں حقوق ہیں یہ تاجرانہ طور پر پیش نہیں کئے گئے ہیں یہ مطالبہ صحیح معنوں میں کم سے کم ہیں۔“

مسلمانوں کو صدر لیگ کا سبق خود داری! ہم کسی عنایت کے طالب ہیں اور نہ

طرفدارانہ سلوک کی التجا کرتے ہیں۔ یہ قوم کے لئے مخرب اخلاق ہے۔ مسلمانوں کو خودداری سیکھنی چاہئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ بحیثیت جماعت ہماری الو العزیموں اور نصب العین میں جائزہ طور پر تحریک ہو چند ووٹوں کی جانب ہمارے یہ نیک نیتی اور برادرانہ جذبات سے ٹکوا ہونا چاہیئے۔ ہندوستان کی حقیقی ترقی دونوں بڑی ہمسایہ قوموں کے درمیان صحیح مفہمت اور ہموار تعلق ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے افغان واقعات سے یہ ثابت کر دینا چاہئے کہ ہم نہایت خلوص اور شوق سے ایک صحیح قومی اتحاد کی خواہش رکھتے ہیں۔ باقی نتائج کے لئے سات کروڑ مسلمانوں کو ہر اسان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

اجلاس لیگ میں مسلم مسئلہ وقت پر بحث نظر دوسرے دن جب لیگ کا اجلاس شروع ہوا تو سب سے پہلے لیگ کی ریفارمز کمیٹی

کی رپورٹ ممبران کے سامنے رکھی گئی جیسا کہ پہلے کسی جگہ بتا دیا گیا ہے کہ کمیٹی گزشتہ سال کے اجلاس میں مقرر کی گئی تھی۔ اسی جگہ ہم نے ریفارمز کمیٹی کی سرگرمیوں اور اسکی کارروائیوں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ انریبل راجہ جہانگیر آباد نے اس کے منظور کئے جانے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: ”یہ ہندوستان کے کم سے کم مطالبات ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے متفقہ طور پر حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی یہ دونوں بڑی قومیں ایک ساتھ ملکر ملی قدم اٹھائیں۔“ بمبئی کے آنریبل مشر شریف دیوجی کا بنجی نے اس کی تائید کی اور تجویز منظور ہو گئی۔ **سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ**۔ ان کے بعد وی آنریبل سٹراے۔ رسول باریٹ لالکٹ نے تجویز کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ ریفارمز کی اسکیم کو کانگریس سے اشتراک کر کے گورنمنٹ کے سامنے پیش کر دیتی ہے تاکہ جنگ کے بعد وہ ہندوستان میں مکمل سیلف گورنمنٹ قائم کر دے۔ ان کی تائید آنریبل میونسپل فیصل الحق (بنگال) نے کی۔

مسٹر سمرجنی نائیڈو کی ہندو قوم کا مسئلہ تقریر صاحب صدر کی درخواست پر مسٹر سمرجنی نائیڈو نے ہندو مسلم اتحاد کے مسئلے پر تقریر کی اور مطالبات پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے متحارب ہو جانے کو بوم۔ دل کے خواب

نظر علی، پر سے نظربندی کی پابندی اٹھایئے کا مطالبہ کیا گیا۔ اردو کے خلاف بعض طبقوں کی طرف سے جو کوششیں جاری تھیں ان پر احتجاج کیا گیا۔ یو۔ پی میں میونسپل ایکٹ پاس ہونے پر انڈیا اطمینان کیا گیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ فوج میں ہندوستانیوں کو بھی اعلیٰ اسامیاں دے بندوبست اراضی کے تعین اور لگان کی کوئی حار مقرر کرنے کی درخواست کی گئی، حکومت کے خلاف ایسی شیعہ کو انتظامی شعبہ سے علیحدہ کرنے پر زور دیا گیا۔ جن صوبوں میں اس وقت تک کونسل قائم نہیں ہوئی تھیں وہاں کونسل قائم ہونے کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ اور یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ یو۔ پی میں گورنر بھیجا جائے۔ دھاکے میں وعدہ کی ہوئی یونیورسٹی قائم کرنے کی طرف پر زور طریق سے توجہ دلائی گئی۔ برطانوی نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کے ساتھ جو نا انصافیاں ہو رہی تھیں ان پر لیگ نے احتجاج کیا جنگی مسائل کو طے کرنے اور جنگ کو زیادہ قوت کے ساتھ چلانے کے لئے وزیر ہند نے آنے والی امپائرل کانفرنس میں اپنی امداد کے لئے دو ہندوستانی لینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مسلم لیگ نے اس پر زور دیا کہ ان دو ہندوستانی نمائندوں کو شاہی کونسل اور صوبائی کونسلوں کے ممبر چنیں اور یہ صرف امداد کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان کی نمائندگی کیلئے جائیں۔ وزیر اعظم انگلستان نے اپنے ایک پیغام میں ہندوستانی عوام اور وائس ریاست کی امداد کی تعریف کی تھی اس پر انڈیا پسندیدگی کیا گیا۔

مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی بغاوت ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کی زندگی میں ریفارمز اسکیم کی تیاری کے بعد دوسرا اہم واقعہ مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی بغاوت ہے جس کے آنریری سکریٹری آنریبل خان بیادریاں محمد شفیع تھے۔ لیگ کی اس شاخ میں دو پارٹیاں ہو گئیں تھیں۔ ۳۱ جنوری ۱۹۱۳ء کو لاہور کے بارہ اصحاب کے دستخطوں سے جن میں خان بہادر سردار عبدالرحمن خاں آنریری مجسٹریٹ لاہور، پیر تاج الدین ملک برکت علی خاں ایم۔ اے ایڈیٹر اور نر زور، اختر علی خاں بی۔ اے زمیندار، زین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل ٹرنٹ وغیرہ نمایاں ہیں ایک پبلک جلسہ کا اعلان ہوا اور جلسہ میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ چونکہ آئینی طور پر پنجاب میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ نہیں ہے، اور جو جماعت یہ

نام اختیار کئے ہوئے ہے وہ اس صوبے کے مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے اس لئے ایک صوبائی مسلم لیگ قائم کی جاتی ہے۔ اس شرخ نے مسلم لیگ کے صدر دفتر سے الحاق کی درخواست کی۔ سید وزیر حسن سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے اس درخواست کو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے سامنے رکھنے سے پہلے پہلی مسلم لیگ پنجاب سے صفائی طلب کی یہ پہلی پنجاب لیگ کے سکریٹری نے سید وزیر حسن کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ انہوں نے اردو میں ایک پمفلٹ شائع کیا اور اس میں آل انڈیا مسلم لیگ پر الزامات لگا کر اسے چمک کی نظروں میں ڈال کر ناجایا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے اس کے جواب میں فوراً ہی ایک پمفلٹ اردو زبان میں شائع ہوا۔ اس میں پنجاب مسلم لیگ کے الزامات کی تردید کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو پہلے سے بھی پنجاب مسلم لیگ سے شکایات تھیں۔ اس کے ذمہ دار ممبروں نے مسلم لیگ فیڈ کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا جو سالانہ اجلاس آگرہ کے موقع پر قائم کیا گیا تھا۔ اس نے اجلاس بمبئی ۱۹۴۷ء کو درجہ برہم کر کے کسی کوشش کرنے والوں کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی تھی حالانکہ دیگر تمام صوبائی لیگوں نے سختی سے ان کے اس فعل کی مذمت کی تھی۔ عرب کے مقامات مقررہ کی حفاظت کے بارے میں مسلم لیگ نے جو تجویز منظور کی اس کی بھی پنجاب مسلم لیگ نے تائید نہیں کی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبروں میں اضافہ کر کے اس کی طاقت بڑھانے کی جگہ پنجاب مسلم لیگ نے بعض اوقات اس میں مزاحمت کی تھی۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو آنریبل مسٹر فضل الحق وکیل کلکتہ کی صدارت میں لیگ کونسل کا جلسہ ہوا اور پہلی مسلم لیگ پنجاب کا الحاق توڑ کر دوسری مسلم لیگ پنجاب کا الحاق منظور کر لیا گیا۔

۱۹۱۴ء میں لیگ کے سب سے بڑے مقصد دہتے۔

۱۹۱۴ء میں لیگ کے مقاصد | وہ مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن کو محفوظ کرنا چاہتی

تھی اور ہندوستان کے لئے سیلف گورنمنٹ یا ہوم رول یا خود اختیار حکومت کے حصول کے لئے ہندوستان کی دوسری قوموں سے اتحاد عمل کرنے کی خواہشمند تھی مسلمان قلیت میں تھے۔ تمام سیاسی تبدیلیوں پر ظاہر کر رہی تھیں کہ ہندوستان میں جمہوری حکومت

حکومت قائم ہوئی، ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے معینہ آئینی تحفظات ضروری تھے
ہندوؤں کے بعض طبقے مسلمانوں کے اس مطالبے کے سخت مخالف تھے حالانکہ مسلمانوں کی
جدیگانہ نیابت سے ان کی اکثریت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا تھا، البتہ اس قسم کی حرکات سے
مسلمانوں کی دلالت عامہ ضرور برا اثر لیتی تھی۔ مثلاً لیگ کے اجلاس سے چند ماہ قبل صوبہ متحہ
میں میونسپل ایکٹ پر ہندوؤں نے بڑا زبردست ایچی ٹیشن کیا تھا۔ اس ایکٹ میں
مسلمانوں کو جدیگانہ نیابت کے اصول پر ان کی تعداد سے کچھ زیادہ نشستیں مل گئی
تھیں مگر ہندو اکثریت میں بالکل فرق نہ پڑا تھا۔ بعض ہندو لیڈروں نے اتنی ہی سی بات
پر زیادہ اہم مسائل سے آنکھیں بند کر کے ”ہندو خطرے میں“ کا نعرہ بلند کر دیا۔ اگر مسلمان
بھی اس سے اثر لینے پر آمادہ ہو جاتے تو ہندو مسلم اتحاد کی جدید تحریک کا ابتداء ہی میں خاتمہ
ہو جاتا۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے باعث اطمینان تھی کہ ہندوستان کے ذمہ دار ہندو
لیڈر مسلمانوں کے زاویہ نگاہ کو تسلیم کرتے تھے اور ان کی سیاسی پوزیشن کو محفوظ کرنے
کے لئے ہر قسم کی طمانیت دینے کے لئے تیار تھے۔

وفاق ہند

میں

ہندوستان

کی نئی فیڈرل یا وفاقی حکومت اور گزشتہ

تاریخ کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے غدر

مصلحت کے بعد سے لے کر اب تک کی سیاسی فضا سے باخبر ہو جاتے ہیں

قیمت ایک روپیہ۔ ————— اردو لٹریچر کمپنی حویلی اعظم خاں دہلی

باب ۱۳

مستطالبہ حکومت و اختیاری

مسلم لیگ کانگریس اور مل لیگ کا متی و محافظ
 دسمبر ۱۹۱۶ء میں کانگریس نے
 قحی کردہ قانون کی حدود میں رہتے ہوئے لیگ کانگریس اسکیم اصلاحات کی حمایت میں پروپیگنڈا
 کریں۔ اور مسلم لیگ کی کمیٹیوں سے اشتراک عمل رکھیں۔ ۱۹۱۷ء شروع ہوتے ہی لیگ اور کانگریس
 نے متحد ہو کر ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے کام شروع کر دیا۔ ہوم رزل لیگ بھی ان کے
 ساتھ شامل ہوئی جس نے یکم ستمبر ۱۹۱۶ء سے اپنی تحریک مسز اینی بیسنٹ کی قیادت میں شروع
 کر رکھی تھی اس کا مقصد بھی آئینی ایجنیشن سے ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری حاصل
 کرنا تھا مگر لیگ اور کانگریس کی لیڈروں کے خلاف جو میدان جنگ میں ہندوستان کا خون بہنے
 کے صلے کے طور پر خود اختیاری حکومت مانگتے تھے، مسز اینی بیسنٹ یہ کہتی تھیں کہ ہم خدمت
 کے صلے کے طور پر نہیں بلکہ اپنا حق سمجھ کر خود اختیاری حکومت مانگتے ہیں ہم ہندوستان کی
 وفاداری پر صلے اور معاوضے کی گفتگو کیوں کریں۔ ہندوستان اپنے بیٹوں کے خون اور
 اپنی بیٹیوں کے آنسوؤں سے سودا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر رہا
 ہے۔ وہ انصاف کا طالب ہے اور انصاف چاہتا ہے۔“

حکومت کا سخت رویہ۔ حکومت ابتدا ہی سے ہندوستانیوں کے متحدہ مطالبہ اصلاحات

کے ساتھ سخت رویت اختیار کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھی مسلم لیگ اور کانگریس کی اسکیم شائع ہونے سے چند دن قبل وائسرائے ہند لارڈ چیمفورڈ نے کلکتہ میں ایک تقریر میں ممبران کونسل کی یادداشت کا حوالہ دیتے ہوئے "حوادث انگیز" تبدیلیوں کے مطالبے کو ناقابل ہمت افزائی قرار دیا تھا۔ انہی ایام میں "انیسویں صدی اور بعد" نامی انگریزی ماہنامے میں لارڈ سٹنہم کا ایک مضمون "ہندوستان میں خطرہ" شائع ہوا جس میں ممبران کونسل کی یادداشت کے مطالبات کو "انقلابی تجاویز" کہہ کر ان کی مذمت کی گئی۔ جنوری ۱۹۱۵ء کے "انیسویں صدی اور بعد" میں اسی موضوع پر لارڈ سٹنہم نے ایک دوسرا مضمون لکھا کہ جرمنی ہندوستان میں سازش کا جال پھیلا رہا ہے جس سے اعتدال پسند انتہا پسندوں کے اثر میں آکر انقلاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ایسے مطالبات کی اجازت دینے میں ایک خطرہ ہے۔ جس کے ازالے کیلئے سخت گیری سے کام لینا ناگزیر ہے۔

ان مضامین کو اڈل اول تو ایک گم کردہ راہ رجعت پسند انگریز کا اظہار غیض و غضب سمجھا گیا مگر بہت جلد اس کی تجویز کردہ لائنوں پر حکومت ہند نے ایک مقررہ پالیسی اختیار کر لی۔ مارچ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے لوکل گورنمنٹوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا جس میں انہیں اصلاحات کے مطالبات کو دبانے کی ہدایت کی گئی۔ نیز لفٹڈ گورنر پنجاب سر ایمل اوڈوئر اور گورنر مدراس لارڈ ڈیفینڈ نے اپنے اعلانات میں جو ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہ تھے، ہندوستانیوں کے مطالبات کی مذمت کرتے ہوئے لوگوں کو دھمکی دی کہ جب تک جنگ جاری ہے ایجی ٹیشن نہ کریں ورنہ سخت گیری سے کام لیا جائے گا۔ اعلانات میں یہ بھی کہا گیا کہ جنگ کے بعد جو اصلاحات ملنے والی ہیں وہ معمولی قسم کی ہوں گی اور پبلک کی توقعات سے بہت کم رہیں گی۔ جو اصلاحات ہندوستانی طلب کر رہے ہیں وہ اتنی ہی باغیانہ ہوں گی۔ جتنی وہ تبدیلیاں تھیں جنہیں دعو میں لانے کے لئے شہر کا پنجگانہ غدر برپا کرنے والوں نے مسلح کوششیں کی تھیں۔

ہندوستانیوں میں بے چینی | ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں اس دھتکار سے

ناراضی بھائی۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہو چکی تھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے وزیر ہند کو ایک
خفیہ مراسلہ بھیجا ہے جس میں وزیر ہند کی منظوری کے لئے ۵۹ اصلاحات درج کی گئی ہیں جن میں
بعد جنگ نافذ کرنا مقصود ہے۔ صوبہ بھارتی حکومتوں کے اعلیٰ افسروں نے اپنے بیانات میں
جو کچھ کہا اس سے یہ صاف صاف معلوم ہو رہا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے مراسلے کی تجویزیں لیگ
کانگریس اسکیم کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ان میں صرف معمولی درجے کی اصلاحات دینے کی
سفارش کی گئی ہے۔ حالانکہ ذمہ دار برطانوی سیاست دان جنگ شروع ہونے کے بعد سے
اب تک وقتاً فوقتاً ہندوستان کی طرف سے دی گئی امداد کا اعتراف کر کے اسے ذمہ دار حکومت
کا یقین دلاتے رہے تھے اور انہوں نے بار بار اہل ہند کو یہ توقع دلائی تھی کہ آزادی،
الفاظ اور سیاسی مساوات میں سے جن کئی انگلستان اور اس کے اتحادی لڑ رہے ہیں
جنگ کے بعد ہندوستان کو بھی اس کا پورا حصہ ملے گا۔

مسٹر بیسنٹ کی نظربندی
پیرچ و نائب کھارہی تھی۔ انہوں نے ایچی ٹیشن کو ملک
میں ہر طرف پھیلا دیا تھا۔ اس اعلان کے بعد جس کا
اد پرز ذکر ہوا ہے حکومت فوراً ایچی ٹیشن کو سختی سے

دبانے اور مسز اینی بیسنٹ کی سرگرمیوں کے سیلاب کو روکنے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ان کے
دونوں اخباروں میں نو انڈیا اور کامن ویلتھ سے بیس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی جو بعد کو
ضبط کر لی گئی اور ہار جون کو مدراس کی حکومت نے مسز اینی بیسنٹ اور ان کے دو ساتھیوں
سٹراٹفیلڈ اور مشروڈا کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت نظر بند کر دیا۔

یہ خبر ملتے ہی مسلم لیگ کی طرف سے کونسل کے ممبروں کو ایک فوری اجلاس کے
انعقاد کے دعوے جاری ہو گئے۔ مسٹر بیسنٹ کی گرفتاری کے بارہویں دن ۲۷
جون کو لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ مسٹر بیسنٹ، مسٹر جی۔ ایس۔ ارنڈیل اور مشرٹی۔ پی۔
واڈیا کی نظربندی کے خلاف احتجاج کیا گیا اور گورنر مدراس کے بیان پر بھی شدید تکیہ چنی

کی نئی جوئیگ کے متہائے نظر کے خلاف تھا۔ یہ مصمم ارادہ کر لیا گیا کہ بیگ کانگریس اسکیم کی تجویز کردہ خود اختیار حکومت کے لئے اٹل اردوں کے ساتھ آئینی پر دینگند اجاوری رکھا جائے گا۔ حکومت کو جانیگا کہ گورنر اور اس لارڈ پینینٹ کی پالیسی کی تصدیق نہ کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے اور نظر بندی کے احکامات فوراً واپس لے لئے جائیں۔

مسلم لیگ اور کانگریس کا مشترکہ جلسہ بمبئی

مقبول ہوئی۔ اس دور میں سٹر جناح تحریک میں سرگرم حصہ لے رہے تھے۔ ۲۶ جولائی کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آنریبل سٹر جناح، آنریبل سٹر سید ذہیر حسن آنریبل سٹر سرنو اس شاستری یا مسٹری۔ پی۔ راماسوامی آئر اور آنریبل ڈاکٹر تیج بہادر سپر وسمبر کے وسط میں انگلستان جائیں اور ذمہ داران حکومت کو ہندوستان کی عام سیاسی حالت سے باخبر کر کے ان کے سامنے بیگ کانگریس اسکیم کے نفاذ کا مطالبہ پیش کریں۔ صوبوں کی کانگریس کمیٹیوں اور بیگ کی کونسل سے دریافت کیا گیا کہ آیا سیاسی کام کے لئے متیہ گریہ یا مقادمت مہول کی پالیسی اختیار کی جائے۔ ان سے یہ ہفتے کے اندر اندر انڈین نیشنل کانگریس کے سکریٹریوں کے پاس اپنی اپنی رائیں بھیج دینے کی درخواست کی گئی تاکہ ملک کی مجموعی رائے کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کی مشترکہ میٹنگ میں رکھا جاسکے جو اس معاملے پر غور کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۱۳ء کے آخری ہفتے میں ہونے والی تھی۔ مسز مینٹ اور ان کے دونوں ساتھیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا اور انہیں ہمدردی کا تاثر بھیجا گیا۔ کلکتہ میں مینٹ اور ان کے ساتھیوں کی نظر بندی پر احتجاج کرنے کے لئے جو پبلک جلسہ ہونے والا تھا اسے حکومت بنگال نے ممنوع قرار دیدیا تھا اس پر احتجاج کیا گیا اور گورنمنٹ آف انڈیا اور وزیر ہند سے درخواست کی گئی کہ وہ حکومت بنگال کو اس حکم کے واپس لینے کی ہدایت کرے علی برداران کی سہائی پر بھی زور دیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ بیگ کانگریس اسکیم کے حق میں

پنڈت مدن موہن مالویہ، مسر نارائن گنیش چندر اور دیگر اور مسٹر این ایم سمارتھ ایک محضر نامہ تیار کریں جو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔ ملک کی سیاسی حالت پر ایک بیان طیار کیا گیا جس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مسٹر جناح، پنڈت مالویہ اور مسٹر سمارتھ مقرر ہوئے۔ اس بیان میں جو وزیر ہند اور وائسرائے کو بھیجا گیا، لیگ کانگریس کے سمجھوتے سے بیکر جلے کے وقت تک کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے تھے اور مشکلات کے حل کے لئے چار باتیں بتائی گئی تھیں۔ (۱) حکومت برطانیہ کی طرف سے صاف صاف الفاظ میں ایک اعلان کیا جائے کہ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دی جائے گی اور ہندوستان کے ملازمان تاج برطانیہ پر یہ بات نظر کر دی جائے کہ وہ جلد از جلد اس مقصد کے حصول کی کوشش کریں۔ (۲) لیگ کانگریس اسکیم کو فوراً منظور کر لیا جائے۔ (۳) حکومت اس سلسلے میں جو تجویزیں مرتب کرے انہیں پبلک کی رائے معلوم کرنے کے لئے فوراً شائع کر دیا جائے۔ (۴) مسر بینٹ اور ان کے ساتھیوں کو فوراً چھوڑ دیا جائے۔

یوم نظر بندیاں کی تجویز | چلائی چاہتے تھے، انہوں نے یہ طے کیا کہ علیٰ ہرادران، اور ابوالکلام آزاد، اور مہوم رول کے نظر بندوں کے نام پر یوم نظر بندیاں منایا جائے۔ اس روز ہندوستان بھر میں جلسے کر کے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر حکومت نظر بندوں کو اسی دن رہا نہ کرے تو تحریک شروع کر دی جائے اور حکومت کے لئے راج کرنا ناممکن بنا دیا جائے۔

اسی اثنا میں ایک عجیب تغیر ہوا جس نے ہندوستان کی سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ عراق عرب کی مہم کے ناکام رہنے کی وجہ سے اس وقت کے وزیر ہند سر آسٹن چیمرلین پر مسر مائیگو نے برطانوی پارلیمنٹ کے دارالعوام میں زبردستی نکتہ چینی کی اور انہیں نا اہل ثابت کرتے ہوئے عراق عرب کی مہم کی ناکامی کو ان کی باطنی اور ہندوستان سے کافی تعداد میں آدمی اور رسد نہ پہنچنے پر محمول کیا۔ مسٹر چیمرلین نے

استعفیٰ دیدیا۔ مسٹر مانیگو وزیر ہند بن گئے۔ وہ اس سے پہلے کافی عرصہ تک نائب وزیر ہند رہ چکے تھے اور انھوں نے ہندوستان کا کئی مرتبہ دورہ بھی کیا تھا۔ اپنے ہمراہ وائسٹالٹ کی وجہ سے وہ ہندوستان میں کافی ہر دلوں پر تھے۔ ۳۰ اگست ۱۹۱۱ء کو انہوں نے سرکاری طور پر ایک بیان شائع کیا کہ ملک معظم کی حکومت اور حکومت ہند دونوں کی پالیسی ہندوستان کی حکومت میں ہندوستانیوں کو بتدریج حصہ دیکر اس ملک میں سیلف گورنمنٹ قائم کرنا ہے یہ دونوں حکومتیں وقت کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے مناسب ذرائع اختیار کریں گی اور اس کام میں ہندوستانیوں سے بھی مدد ملنی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی فوج میں کمیشن بننے کے معاملے میں برطانوی اور ہندوستانی کا امتیاز اٹھا دیا گیا۔ لیگ اور کانگریس کی طرف سے کئی سال سے اس کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ مسٹر مانیگو نے یہ بھی بتایا کہ میں بذات خود ہندوستان آکر اصلاحات کے بارے میں دائرہ رائے اور ہندوستانی اہل رائے سے گفتگو کروں گا۔ اس اعلان کے فوراً بعد مسٹر ہینڈل اور ان کے ساتھیوں پر سے نظربندی کی پابندی اٹھائی گئی۔

۳۰ اگست ۱۹۱۱ء کو لیگ کی کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں ۳۰ اگست کے اعلان کیلئے وزیر ہند کا شکریہ ادا کیا گیا۔ یہ توقع ظاہر کی گئی کہ جنگ ختم ہونے کے بعد فوراً لیگ کانگریس سکیم کو نافذ کر دیا جائے گا۔ اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ فوج کے کمیشن والے عہدوں پر ہندوستانیوں کو بٹے جانے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۱۲ء کو کونسل نے دو مزید فوری اجلاس کئے اور ان دونوں میں علی برادران کی رہائی پر زور دیا۔ اور اپنی تجویزیں بذریعہ تار دائرہ رائے ہند اور وزیر ہند کو بھیجیں

مسلم لیگ اور کانگریس کی مشترکہ مٹینگ الہ آباد
 اکتوبر تک سید گرامشور نے کرنے یا نہ کرنے کی بات
 مختلف کانگریس کمیٹیوں کی رائیں موصول
 ہوئیں۔ اکتوبر کو لیگ کانگریس کے مشترکہ جلسہ میں یہ رائیں پڑھی گئیں۔ سید گرامشور کا خیال ترک کر دیا گیا
 اس کی بجائے وزیر ہند اور دائرہ رائے ہند کی خدمت میں ایک وفد بھیجنا طے ہوا۔

آنریبل سید وزیر حسن، مسٹر این سبرائن، پٹو لہ اور مسٹر سی اپنی راماسوامی آئے وفد کے سرکاری مقرر ہوئے تاکہ وزیر ہند اور وائسرائے ہند سے ملاقات کے انتظامات کریں۔ ایک کمیٹی ایڈریس اور میمورنڈم تیار کرنے کیلئے بنائی گئی، جس میں سید نبی اللہ یار ایٹ لاہور، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مسٹر سریندر ناتھ بنرجی، مسٹر اینی بیسنٹ، آنریبل سر سی نواس شاستری وغیرہ تھے۔ جن لوگوں کو وفد کا ممبر چنا گیا ان میں سے نمایاں لوگوں کے نام یہ ہیں۔ وی آنریبل مسٹر محمد علی جناح، وی آنریبل سر راجا سر محمد علی محمد خاں بہادر آف محمود آباد، سید نبی اللہ یار ایٹ لاہور، ڈاکٹر آنریبل مسٹر مظہر الحق یار ایٹ لاہور، ڈاکٹر آنریبل سید وزیر حسن، آنریبل سر ابراہیم رحمۃ اللہ کے، بی بی مسٹر اینی بیسنٹ (مدراں)، آنریبل بالو امبیکا چرن موزہ ماد فیروز پور، نواب سید محمد بہادر (مدراں)، آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ، بابو سریندر ناتھ بنرجی کلکتہ، سر راجاں بہاری گھوش کلکتہ، مسٹر ایم کے گاندھی (احمد آباد)، مسٹر بال گنگا دھرتیاک، آنریبل سر نواس شاستری (مدراں)، مسٹر حسن امام دیشہ، آنریبل پنڈت موٹی لال نہرو، آنریبل سید فضل حسین (لاہور)، آنریبل مسٹر فضل الحق (کلکتہ)، آنریبل سید یعقوب حسن (مدراں)، مسٹر جیتنامنی (لاہور)، مسٹر اسوامی (مدراں)، مولانا محمد علی وغیرہ۔ صوبوں کی کانگریس کمیٹیوں اور دیگر سیاسی انجمنوں پر زور دیا گیا کہ وہ بھی اپنے اپنے صوبوں کے نمایاں آدمیوں کے وفد وزیر ہند اور وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجیں۔ یہ وفد لیگ کانگریس اسکیم کے حق میں محضر پیش کریں اور اس سے نفاذ پر زور دیں۔

اس اجلاس کی آخری تجویز یہ تھی، "میشنریز کی علی بردارن کی نظر بندی پر احتجاج" کانفرنس آنریبل سر ونسنٹ کے علی بردارن

پر اشارۃً لگائے ہوئے الزام غیر وفاداری حکومت کو ان وجوہ سے قبول کرنے سے معذو ہے جو اس کے سامنے ہیں اور خلوص کے ساتھ حکومت ہند پر زور دیتی ہے کہ وہ ان اصحاب کو ہار دے کانفرنس کو اس بات کا یقین ہے کہ اس کے اس عمل سے تاج برطانیہ اور مسلمانوں میں رشتہ وفاداری زیادہ مضبوط ہو گا اور ملک میں سکون و طمانیت بحال

کرنے میں انداد دے گا“

یہ سب کچھ تو ہو رہا تھا۔ اور مسلمانوں کے لائق ترین
اسیران قوم کا افسانہ اسیری رہنا مسٹر جناح پورے جوش اور قوت سے سیاست

ہند پر بچھا جانے کے بعد قومی عمارت کی تعمیر میں مہمک تھے۔ مگر مسلمانوں کی آنکھیں اسلام کے
 خدا کا فرزند محمد علی کو بھی جناح کے ہمراہ کام کرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں اور ان کی نگاہیں بار بار
 مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اٹھ کر چند واڑہ کی طرف ہاتھی تھیں جہاں حکومت نے
 محمد علی کو نظر بند کر رکھا تھا۔

محمد علی کا نام معلوم جرم“ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انڈین ڈیفنس ایکٹ کا پھندہ ڈال
 کر محمد علی کو مسلمانوں سے بھینس لیا گیا تھا اور ان کی زبان

و قلم پر قانونی ممانعت کے قفل ڈال دیے گئے تھے۔ نظر بند ہو جانے کے بعد محمد علی
 نے یوہ پی کے گورنر سر جیمس مسٹن کو ایک خط لکھا کہ کم سے کم مجھے میرا جرم تو بتایا جائے۔ یہ خط
 اس امید پر لکھا گیا تھا کہ سر جیمس مسٹن جو محمد علی کے پرانے دوست تھے، شاید پرانے
 تعلقات کا خیال کرتے ہوئے جرم کی نوعیت پر کچھ روشنی ڈالیں۔ مگر جواب آیا کہ اس
 معاملے میں گورنر صاحب کچھ زیادہ گفت و شنید نہیں کر سکتے۔ محمد علی کے نظر بند ہوتے
 ہی احتجاجوں کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ قانون ساز جماعتوں میں حکومت سے بار بار
 سوالات پوچھے گئے۔ مگر حکومت نے کوئی یقینی جواب نہ دیا۔

آنریبل رضا علی نے پوچھا تو حکومت نے کہا کہ قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۱۱ کی رو
 سے نظر بندی کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً میں صوبہ دہلی کی انتظامی رپورٹ میں علی برادران کے
 متعلق یہ درج تھا: ”اس ماہ میں محمد علی شوکت علی کو نظر بند کرنا ضروری معلوم ہوا کیونکہ
 گورنمنٹ کے خلاف ان کی سخت و تلخ کارروائیاں مسلمانوں کی ایک جماعت پر برا
 اثر ڈال رہی تھیں، مسٹر مظہر الحق نے کونسل میں محمد علی کی نظر بندی کی وجہ دریافت کی
 تو انھیں بھی ایسا ہی بگولا ہوا جواب دیکر ڈال دیا گیا۔“

امپیریل کونسل میں محمد علی جناح صاحب نے ۲۴ ستمبر کو محمد علی کے متعلق جو سوال پوچھا اس کے جواب میں حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا کہ چونکہ انہوں نے حکومت کے خلاف کھلم کھلا کارروائیاں کی ہیں۔ اس لئے ان کو نظر بند کر دیا گیا اور ان کو نظر بند کرنے کی معقولیت پر ہرگز ثابت کی گئی کہ مسٹر محمد علی کو ملک معظم کے دشمنوں کو محمد دی ہے۔ ہر چند گورنمنٹ نے اس بات کی تصریح کرنے کی تکلیف گوارائی کی کہ ”دشمنوں“ سے اس کی کیا مراد ہے لیکن اتنا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا تھا کہ دشمنوں سے گورنمنٹ کی مراد ترکشیں ترکوں سے ہمدردی جرم؟ اس جواب سے جو جناح صاحب نے بڑی قابلیت سے حکومت کو سوالات کے زنجیر میں بکھیر کر اس سے

اگلوایا تھا مسلمانان ہند کے سامنے ایک اہم مسئلہ آگیا۔ آیا اپنے ان ہم مذہب برادران سے ہمدردی رکھنا یا اس ہمدردی کو پھیلا کر جرم ہے؟ اگر جرم ہے تو ایسا سنگین جرم ہے جس کی پاداش میں ایک قوم کے لائق ترین فرزندوں کو اس قوم کے نازک ترین سیاسی دویں سرگرمی عمل سے محروم کر کے نظر بند کر دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں نے سینکڑوں جلسوں اور احتجاجوں کے ذریعے سے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ خواہ حکومت ہمارے اس جواب سے خوش ہو یا ناخوش، خواہ ہمارا یہ جواب اس کے حسب مراد ہو یا نہ ہو مگر ہم یہ تبادینا چاہتے ہیں کہ جو اپنے ہم مذہبوں سے ہمدردی دکھتا ہے اُسے کسی قانون کے ذریعے سے مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وہ کونسا سچا اور معقول مسلمان تھا جسے اس وقت ترکوں سے ہمدردی نہیں تھی؟ اگر یہ ہمدردی عملی عدم وفاداری کی شکل میں ظاہر ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ محمد علی بار بار مسلمانوں کو پُر امن رہنے کی تلقین کر رہے تھے ان کو نظر بند کرنا کھلی بے انصافی نہیں توادر کیا ہے؟

دوسرے گھائل مولانا ابوالکلام آزاد حکومت کے اس وار کے شکار صرف محمد علی شوکت علی ہی نہیں تھے مسلمانوں

کے دوسرے محبوب رہنماؤں جیسے مولانا ظفر علی، مولانا ابوالکلام، حسرت موہانی اور مولانا محمود الحسن کو بھی نظر بند کر لیا تھا۔ مولانا ابوالکلام نے جو بنگال میں قیام رکھتے تھے اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان کا اصل کام مذہبی تعلیم و تہذیب تھا۔ مگر سی آئی ڈی نے یہ فیصلہ کیا کہ کلکتہ میں مولانا کا قیام "خطرے" سے خالی نہیں ہے، انھیں بنگال سے نکل جا۔ بے کا حکم ہو گیا۔ آزاد کے دلدادگان اس پر مشتعل ہو گئے۔ مولانا اپنے مذہبی شعور اور ہمہ والی کی وجہ سے بے انتہا مقبول تھے۔ ۸۰ ہزار مسلمانان بنگال کے دستخطوں سے ایک محضر نامہ گورنمنٹ بنگال کے پاس پہنچا۔ اس میں حکومت سے حکم اخراج واپس لینے کی درخواست کی گئی تھی۔ حکومت بنگال فوراً احکامات واپس لینے کے لئے تیار ہو گئی مگر اس کے یہ قدم اٹھانے سے پہلے بہار کی حکومت نے مداخلت کی اور مولانا پر ملک منظم کے دشمنوں سے باغیانہ خط و کتابت کرنے کا الزام لگا کر انہیں نظر بند کر لیا۔ مولانا نے اپنی پوزیشن مضبوط کی اور الزامات کی تردید کرتے ہوئے گورنمنٹ کو چیلنج کیا کہ وہ ان پر مقدمہ چلا کر ان کو عدالت میں ثابت کرے مگر حکومت نے کوئی جواب نہ دیا۔

مولانا محمود الحسن کا معاملہ | آپ زندگی بھر گوشہ نشین رہے۔ انہوں نے اپنے لئے کسی آئی ڈی کے نزدیک ہندوستان میں ان کی موجودگی امن عامہ کیلئے ضرر رساں ہوگئی انھیں گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ نہ ان پر کوئی الزام عائد کیا گیا نہ گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا

حسرت موہانی صاحب جرم | حسرت صاحب استقلال فرائض میں انہماک رکھنے اور اپنی بے باکی اور ایمان داری کی وجہ سے مسلمانوں میں قابل فخر ہستی سمجھے جاتے تھے۔ اور خدا داد قابلیت عالی ہستی اور قومی خدمت کی وجہ سے لازوال عزت اور احترام کے مالک تھے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کا خواب اس وقت دیکھا تھا جب ملک میں بہت کم لوگ یہ زاویہ نظر رکھتے تھے۔ وہ مختلف

اقوام کے اتحاد کے پرجوش آرزو مند تھے۔ ان کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ انھوں نے ان رکاوٹوں کی پابندی کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس قانون کے ماتحت یہ پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں وہ غیر منصفانہ ہے۔ اس جرم میں انہیں نظر بند کیا گیا

مسلمانوں کا دعوے ایک حسرت ہی نہیں بلکہ سب مسلمان یہ دعوے کرتے تھے کہ جس قانون کے ذریعے سے ہمارے ان معزز رہنما کو

کو نظر بند کیا گیا ہے وہ غیر منصفانہ اور غیر قانونی ہے۔ ہندوستان کے انگریز افغان حکومت مدت سے اس فکر میں تھے کہ ان کو کوئی ایسی طاقت حاصل ہو جائے جس سے عدالت میں جائے بغیر وہ اپنے شکار کا گلا دو بچ لیا کریں۔ جنگ شروع ہونے سے ان کی یہ ضرورت پوری ہو گئی۔ دشمنان حکومت سے ملک کو بچانے کے بہانے سے ایک مسودہ قانون بوجھت نام کونسل میں پیش کر دیا گیا۔ قانون بننے کے بعد یہ مسودہ قانون عدالت کے ہاتھوں میں ظلم کا ایک خوفناک ہتھیار بن گیا۔ انھوں نے اس قانون کے بخشے ہوئے اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھا لیا ہے اور مقصور عایا کو اس کی جائز آزادی سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے۔ صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہندوستان کی ہر جماعت اور ہر طبقے کی ہی رائے تھی کہ لیڈروں کو نظر بند کر کے حکومت نے ایک سیاسی غلطی کی ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے صدائے احتجاج بلند ہو رہی تھی۔

علی برادران کو مشروط رائی کی پیشکش احتجاج کی ان آوازوں کا یہ اثر ہوا کہ

سے ایک ذمہ دار افسر پولیس چھنڈ واڑہ جاکر محمد علی شوکت علی سے ملا اور اس نے ان کے سامنے حکومت ہند کی یہ پیشکش دکھی کہ اگر تحریری عہد کیا جائے کہ جنگ کے زمانے میں دونوں بھائی کوئی ایسی حرکت نہ کریں گے جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ گورنمنٹ کے دشمنوں کو کسی قسم کی اخلاقی یا مالی امداد پہنچے اور نہ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے ملک کے امن میں خلل واقع ہو تو انھیں رہا کیا جاسکتا ہے۔ علی برادران اس قسم کے

معاهدے پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا: ہم یہ سب کچھ صرف اس صورت میں کرنے کے لئے تیار ہیں جب ہمارا مذہبی مفاد حکومت کے مفاد سے نہ ٹکرائے ورنہ ہم کوئی ذمہ داری نہیں لیتے اور نہ کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس سے حکومت مطمئن نہ ہوئی اور اس نے علی برادران کو رہا کرنے سے انکار کر دیا۔

نظرِ جمہور کے سرپرست لیگ کا تاج

جلسہ ہوا تھا اس کا ذکر اسی باب میں پہلے کسی جگہ آچکا ہے اور اس میں علی برادران کی رہائی کے لئے جو تجویز منظور کی گئی ہے وہ بھی پوری درج کی جا چکی ہے۔ اس سے ایک دن قبل اسی مقام پر لیگ کی کونسل نے بھی اپنا ایک اہم اور ضروری جلسہ کیا تھا اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ لیگ کا سالانہ اجلاس شملہ کلکتہ میں منعقد کیا جائے اور اس اجلاس کی صدارت کا اعزاز نظربان اسلام مرہٹہ علی کو بخشا جائے۔ اس کے دوسرے دن ۶ اکتوبر کو اسی اجلاس کی دوسری نشست ہوئی۔ اس میں حکومت ہند کے اس تکلیف دہ جواب پر بحث کی گئی جو محمد علی کی رہائی کے بارے میں امپیریل کونسل میں سوال کرے پر مرہٹہ جناب کو ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ملا تھا اس کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ لیگ کی کونسل نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ محمد علی شوکت علی کی ہندوستان کے باہر رہنے والے اپنے ہم مذہب ترکوں سے ہمدردی، ملک معظم کی عدم وفاداری کے معنی رکھتی ہے۔ جو اطلاعات اس بارے میں مسلم لیگ کی کونسل کو ملی تھیں ان کی بنا پر کونسل یہ کہنے پر مجبور تھی کہ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ محمد علی شوکت علی نے کسی ایسی مجرمانہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے جو امن عامہ کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے اور اس نے اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ جو الزام ان پر لگایا جاتا ہے وہ اس سے بالکل بے لوث ہیں۔ کونسل نے حکومت پر زور دیا اور درخواست کی کہ محمد علی شوکت علی کو فوراً رہا کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی حکومت کو یہ بھی سمجھایا کہ چونکہ محمد علی شوکت کا مسلم انار ہند پر بڑا اثر ہے، وہ ہندوستان کی سیاسی و فضا میں امن و سکون پیدا کر سکیں گے

رائٹ آئر بیل مشرمانیٹگو وزیر ہند کی متوقع تشریف آوری ہندوستان کے موقع پر حکومت اور باشندگان ہند امن و سکون چاہتے بھی ہیں۔ مگر لیگ کی اس پُر زور درخواست پر بھی حکومت شس سے مس نہ ہوئی۔

نومبر میں وزیر ہند مشرمانیٹگو ہندوستان آئے وہ یہاں وزیر ہند ہندوستان میں قیام کر کے ہندوستان کی سیاسی فضا اور اس کے مسائل کے بارے میں صحیح اطلاعات حاصل کرنی چاہتے تھے۔ تاکہ سب جماعتوں کے خیالات معلوم کرنے کے بعد پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے کے لئے اصلاحات کا خاکہ تیار کر سکیں اس غرض کو سامنے رکھ کر وزیر ہند اور وائسرائے ہند نے ہندوستان کا دورہ شروع کر دیا اور سب سے ملاقاتیں کرنے لگے۔

وزیر ہند محمد علی سے ملاقات کے خواہشمند ملک کے تمام سیاسی لیڈروں نے وزیر ہند سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا محمد علی نے بھی یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے مشرمانیٹگو سے ملاقات کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ بحیثیت صدر منتخب مسلم لیگ میں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کر سکوں۔ ادھر مشرمانیٹگو نے بھی محمد علی کا براہِ چرچا سنا تھا اور وہ ان سے ملاقات کرنے کے خواہشمند تھے۔ مگر حکومت ہند نے محمد علی کو وزیر ہند سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حکومت محمد علی کے زور بیان سے بہت خائف تھی مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے محمد علی کی زبان اور ان کے قلم ہی سے اپنی موثر مخالفت کا خوف نہیں تھا بلکہ وہ ان کے ذکر سے بھی گریز کرنا چاہتی تھی ۳۴ نومبر کو تمام مسلمانان ہند کا جو نمائندہ اجتماع لکھنؤ میں نواب محمد اسحق خاں سکریٹری ایم، اے، او کالج علیگڑھ کی صدارت میں ہوا اور جس کا تذکرہ آگے آئیگا، اسکے وفد کے میمورنڈم میں علی برادران کی رہائی کا مطالبہ بھی تھا۔ حکومت نے وفد سے کہا کہ اگر یہ مطالبہ ایڈریس سے خارج کر دیا جائے تو اسے وزیر ہند سے ملنے کی اجازت ویدی جائیگی۔ وفد ایسا کرنے پر رضامند نہ ہوا تو حکومت نے اسے وزیر ہند سے ملاقات ہی نہ کرنے دی۔

باب ۱۴

سنہ کے ہندو مسلم فسادات

سنہ کے آخر میں بقرعید پر پٹنہ گیا، اور چونپور کے اضلاع میں شدید ہندو مسلم فسادات ہوئے جن کا ہندو مسلم اتحاد کی فضا پر بہت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ستمبر کے چھینے میں آ رہے اور اضلاع گیا و پٹنہ (صوبہ بہار) کے قلیل تعداد مسلمانوں پر کثیر تعداد ہندوؤں کے ہاتھوں شدید مظالم ہوئے۔ ان کے مکانات لوٹے گئے، مساجد اور قرآن شریف کی چیرمٹی کی گئی، مسلمانوں کے محلوں کو نذر آتش اور ان کے جان و مال کو ہر ممکن وحشیانہ طریق سے تباہ و برباد کیا گیا۔ یہ سب کچھ تحریک انسداد ذبیحہ گاؤں کی مقبولیت کا نتیجہ تھا۔ علاقے کی پولیس کے بعض آدمی بھی ہندوؤں کی پشت پر تھے۔ پولیس افسروں نے حالات پر قابو پانے میں بہت کمزوری دکھائی اور فساد یوں کے خلاف کارروائی کرنے میں بھی تساہل سے کام لیا۔ چونپور کے ضلع میں چاؤ راری میں محرم کے موقع پر فساد ہو چکا تھا۔ بہار لڑج میں پولیس نے مسلمانوں پر گولی چلائی تھی۔ مسلمانوں کو ان فسادات پر شدید رنج ہوا اور غصہ بھی آیا۔ مگر انھوں نے قوم کو مشتعل نہ کرنے دیا۔ فسادات کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ تھا کہ ہندو لیڈر خاموش رہے۔ انھوں نے اپنے ان ہم مذہبوں کے خلاف اظہار نفرت و حقارت کرنے سے پہلو پچایا جنہوں نے ہتھے مردوں اور عورتوں اور بچوں پر زیادتیوں کی تھیں۔

مسلمانوں کے لئے اپنے گزشتہ رویے پر نظر ثانی
مسلمانوں کی نمائندہ جلسہ لکھنؤ
کرنا لازمی ہو گیا۔ صدر لیگ کے دستخطوں سے

ایک گشتی مراسلہ جاری ہوا۔ اس میں ہر جگہ کے نمایاں مسلمانوں کو ایک اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی جو ۱۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو بوقت گیارہ بجے دن قیصر باغ لکھنؤ میں ہونا تھا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں سے ہر خیال کے مسلمان شرکت کیلئے آئے اجتماع کے سامنے بحث کے لئے سب سے بڑے مسائل لیگ کانگریس کی شرکت اسکیم اصلاحات اور ہندو مسلم فسادات تھے۔ تقریباً دو سو بار سوخ اور ذمی اثر نمایاں مسلمان موجود تھے۔ نواب محمد اسحاق خاں سکریٹری ایم، اے، او کالج نے صدارت کی سب سے پہلے مسٹر محمد یعقوب چیرمین مراد آباد میونسپل بورڈ نے لیگ کانگریس اسکیم قبول کی جانے کی تجویز رکھی۔ اسکیم کی دفعات پر خوب بحث ہوئی۔ کچھ لوگ تجویز کے مخالف بھی تھے ان کے سرگروہ مسٹر عبداللہ وکیل علیگڑھ تھے مسلسل سات گھنٹے تک بحث جاری رہی۔ آخر بھاری اکثریت سے لیگ کانگریس اسکیم قبول کر لی گئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم ڈیپوٹیشن دزیر ہند سے ملے اور ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کرے۔ اس ایڈریس میں یہ مطالبات رکھے گئے (۱) محمد علی شوکت علی کی رہائی (۲) وزیر ہند کی کونسل کے انڈر سکریٹریوں کی کل آسامیوں میں سے نصف مسلمانوں کو دی جائیں۔ اگر یہ آسامی ایک ہی ہو تو ہندو مسلمانوں کو باری باری دی جائے (۳) شاہی کونسل اور صوبائی انتظامی کونسل کی ان ممبریوں میں سے جو ہندوستانیوں کے لئے ہیں آدھی ممبریاں مسلمانوں کو دی جائیں (۴) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے (۵) مقامی حکومتی اداروں میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت (۶) سرکاری یونیورسٹیوں میں کونسلوں کے تناسب کے مطابق نمائندگی (۷) جن صوبوں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط ہیں وہاں انھیں سجاوہ قائم رکھا جائے (۸) محرم اور بقر عید وغیرہ کے موقعوں پر مسلمانوں کے مذہبی مراسم کی ادائیگی کو کسی قوم یا سرکار کی طرف سے روکا نہ جائے۔ اور اس معاملے میں ان کی امداد کی جائے اور انھیں آسانیاں مہیا کی جائیں (۹) مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

آرہ کے ہندو یوں کی مذمت

آئرلینڈ سید رضا علی نے جو بذات خود فسادات آرہ کی جائے وقوعہ کو دیکھ کر آئے تھے فسادات آرہ پر ایک طویل تجویز پیش کی اور حکومت سے یورپینوں اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ کمیشن مقرر کئے جانے کے علاوہ یہ بھی مطالبہ کیا کہ بہار اور صوبہ متحدہ میں بقرعید کے موقعہ پر مسلمانوں کے لئے مذہبی فریضے ادا کرنے کے لئے مناسب حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ ذمہ دار ہندوؤں کی خاموشی پر اظہار افسوس کیا گیا اور اسے ہندو مسلم اتحاد کے لئے نقصان رساں بتایا گیا، حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ بہار اور صوبہ متحدہ کے مشرقی اضلاع کے مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت دے تاکہ وہ نازک مواقع پر اپنی حفاظت کر سکیں۔ آرہ، گیتا پٹنہ اور چونپور کے مظلوموں کے لئے کونسل آف انڈیا مسلم لیگ سے ایک فنڈ ٹکھولنے کی درخواست کی گئی ٹرسٹ مسجد کانپور کا چیس ہزار روپیہ مشترکہ طور پر اس امانت تھا وہ مظلوموں کے امدادی فنڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ بہار کی حکومت کی سخت گیری کی مذمت کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے دوسرے دن اپنے ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے غیر معمولی اجلاس میں ان مطالبات کی تصدیق کر دی اور مسلمانوں کے نمائندہ اجتماع لکھنؤ کی کارروائی پر اظہار اطمینان کیا۔ نمائندہ اجتماع کے مطالبات لیگ کانگریس اسکیم کے حدود سے باہر نہیں تھے۔

مسلم لیگ کے غیر معمولی اجلاس لکھنؤ

اس اجلاس میں ایک بار پھر مولانا محمد علی کی رہائی کے لئے یہ قرارداد منظور کی گئی۔

میں محمد علی کی رہائی کی قرارداد

آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ اس بات پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ گو مسلمان قوم نے متفقہ طور پر محمد علی کو لیگ کے آئندہ سالانہ اجلاس کلکتہ دسمبر ۱۹۱۷ء کا صدر منتخب کر کے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا ہے مگر وہ اعلان کے بھائی شوکت علی ابھی تک رہا نہیں کئے گئے ہیں۔ لیگ اس بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتی کہ حکومت کو تو جھک کرنی چاہیے

کہ اس کا یہ رویہ قوم پر بالعموم بہت ہی بُرا اثر ڈال رہا ہے۔ یہ بتانا لیگ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اگر ہذا ایکسیلنسی وائسرائے نے وزیر ہند کے ورور ہند کو کامیاب بنانے کے لئے خاص اپیل نہ کی ہوتی تو جو جذبات اس وقت مسلمانوں پر طاری ہیں ان کی وجہ سے مسلمان یقیناً اس موقع پر وزیر ہند کے سامنے وفد کی پیشی میں حصہ نہ لیتے۔ نیز لیگ اپنا یہ حکم یقیناً ریکارڈ پر منتقل کرتی ہے کہ جو خیال مسٹر محمد علی نے طمانیت نامے کا تحریری جواب دیتے ہوئے ظاہر کیا ہے وہ مسلمانان ہند کے طرز عمل کی پوری طرح آئینہ داری کرتا ہے۔ ان کا جرم (اگر وہ جرم کہا جاسکتا ہے) تو صرف یہ ہے کہ انھوں نے کھری حقیقت زبان سے ادا کر کے حکومت اور اپنی قوم دونوں کی خدمت انجام دی ہے جسے خدمتِ خلق کہہ سکتے ہیں۔ مزید برآں لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ محمد علی کا زاویہ نگاہ اور ہندوستان کے مسلمانوں کی عالمگیر اخوت اسلامی کی بنا پر ترکوں سے غیر جارحانہ ہمدردی دونوں کم سے کم مقدار میں بھی ملکِ معظم کی عدم وفاداری نہیں ہیں۔ آخر میں لیگ حکومت پر یہ ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ محمد علی پر بغیر ثبوت دینے کی کوشش کے سرکاری طور پر جو الزامات اور جرم چسپاں کئے گئے ہیں ان پر لیگ بالکل بھی یقین نہیں کرتی۔ اور جب تک پبلک کو ان اطلاعات کی نوعیت اور ذریعہ کا پورا پورا علم نہ ہوگا جنکی بنا پر حکومت نے یہ پالیسی اختیار کی ہے اس وقت تک وہ حکومت کے اس طرز عمل کو غیر متصفانہ ہی سمجھتی رہے گی۔ مزید برآں مسلمانان ہند کی عام خواہشات پر لبیک کہتے ہوئے لیگ ہندوستان اور انگلستان میں اس معاملے پر آئینی ایجنڈیشن شروع کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے ان دونوں بھائیوں کو راکرایا جاسکے۔

لیگ کانگریس ٹیوشن کی یاد دہانی پر اصرار | مسلم لیگ کے غیر معمولی

سب سے زیادہ اہم تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ ہندو مسلم فسادات سے لیگ نے کس قدر زیادہ اثر لیا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ (۱۱) مئی ۱۹۴۷ء آریئل میڈیا علی

(۳) مسٹر سیٹھ پھورا احمد (۴) مسٹر محمد یعقوب (۵) آنریبل سید وزیر حسن کی ایک کمیٹی اس کام کے لئے مقرر کرتا ہے کہ یہ اس یادداشت پر نظر ثانی کر کے جو کانگریس اور لیگ کے مشترکہ ڈیپوٹیشن کی طرف سے وزیر ہند اور وائسرائے کی خدمت میں پیش ہونے کے لئے تیار کی گئی ہے اور سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے سکرٹری کے پاس اپنی رپورٹ بھیجے کہ کن کن امور میں میمورنڈم گذشتہ دسمبر کی مشترکہ اسکیم کی اسپرٹ سے مختلف ہے۔ اگر رپورٹ میں کچھ تبدیلیاں تجویز کی جائیں، تو جب تک وہ تبدیلیاں نہ کر دی جائیں ڈیپوٹیشن کے ان ممبروں سے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر بھی ہیں یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ خود کو میمورنڈم سے غیر وابستہ رکھیں۔

یادداشت میں تبدیلیوں پر ہندوؤں کی مادی کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ سکرٹری

کے مسلمان اراکین کو بھیجی گئی۔ ہندو ممبروں سے درخواست کی گئی کہ وہ یادداشت پر نظر ثانی کریں جو منظور کر لی گئی۔ نظر ثانی کے بعد کمیٹی کی رپورٹ یادداشت میں شامل کر لی گئی اور مشترکہ وفد کے تمام ممبران مطمئن ہو گئے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۱۶ء کو لیگ کانگریس وفد نے وزیر ہند اور وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ میمورنڈم میں ہندوستان کی تحریک مطالبہ حکومت خود اختیاری اور اس کے مقاصد کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد حکومت برطانیہ کے ۲۰ اگست کے اعلان کا شکریہ ادا کیا گیا اور یہ توقع ظاہر کی گئی کہ اس کے مطابق قدم اٹھایا جائیگا تو اور بھی زیادہ تسلی بخش نتائج نکلیں گے۔

مسلمانوں کا وفد منظور

مسلمانوں کا وفد بھی نواب اسحاق خاں کی سرکردگی میں وزیر ہند سے ملنا چاہتا تھا مگر جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے اس کا سب سے پہلا مطالبہ محمد علی شوکت علی کی رہائی تھا۔ حکومت ہند نے اہل وفد پر زور دیا کہ اس مطالبہ کو فہرست مطالبات سے خارج کر دیا جائے مگر ممبران وفد اس پر راضی نہ ہوئے اور حکومت نے وفد کو وزیر ہند سے ملنے کی اجازت نہ دی

لیگ و سوال لائے اجلاس کا گنتہ ۱۹۱۷ء

اس اجلاس کے صدر منتخب
نظر بند اسلام مولانا محمد علی

تھے۔ انہیں لیگ کی صدارت کا بلند ترین قومی منصب دیکر مسلمانوں نے اپنے اس
جذبہ احترام و محبت کا اظہار کیا تھا جو موصوف کی طرف سے ان کے دلوں میں تھا۔ مگر
حکومت نے انہیں رہا نہ کیا۔ اجلاس کی خالی کرسی پر صدر کی تصویر رکھ دی گئی۔ خطبہ صدارت
کی جگہ محمد علی کی ضعیف العمر والدہ نے ایک دراز انجمن بیان پڑھ کر سنایا جس میں ترکوں کی
تباہی پر ہمدردی کے آنسو بہانے کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اماکن مقدسہ
کی حفاظت اور ہندوستان کے لئے حکومت خود انتہاری کے مطالبے پر مضبوطی سے جچے
رہیں۔ دوران اجلاس میں حاضرین پر ناقابل بیان رنج و الم طاری تھا۔ صدر انجمن کی خالی
کرسی زبان حال سے مسلمانوں کے محسوسات کی تشریح کر رہی تھی۔ نمائندہ جاغلوں
کی تاریخ میں یہ پہلا ذخراش اور تکلیف دہ موقع تھا کہ لیگ کی کرسی صدارت خالی تھی۔
حکومت نے لیگ کے صدر منتخب ہی کو نہیں مسلمانان ہند کے حقوق کے ایک بدست
حامی کو ایک ایسے نازک موقع پر جبکہ مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی رہا کرنے سے
انکار کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے محسوسات کی توہین ہی نہیں ہندوستان میں برطانوی وقار
کے دامن پر بھی ایک گہرا دھبہ تھا۔ سیاسی اصلاحات کے سلسلہ میں اس وقت نہایت
اہم سوالات زیر بحث تھے۔ قوم کی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں محمد علی جیسے قابل
اعتماد جری اور دانشمند رہنما کی مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی، تاکہ وہ ان کے دانشمندانہ
مشوروں اور ان کی صداقت آمیز اعانت سے فائدے اٹھائے، ان کا مسلمانوں
میں موجود نہ ہونا ان کے قومی مفاد کے لئے باعث نقصان اور ایک ناقابل تلافی قومی
مصیبت تھا۔ حکومت کا اپنی ضد پراڑا رہنا اس وجہ سے اور بھی زیادہ تلخ معلوم ہوتا
تھا کہ علی برادران بغیر کوئی جرم کئے محکمہ تحقیقات جرائم کی غلط بیانیوں کا شکار ہوئے تھے
مسلمانوں کے مسلسل اصرار کے باوجود حکومت کا ان کو رہا نہ کرنا کھلا ہوا جبر و تشدد تھا

جس سے امن پسند مسلمانوں تک کے دلوں میں بھینپی کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ قوم ان کی بے غرضانہ خدمات کے صلے میں ان کے سر پر عزت و عظمت کا درخشاں تاج رکھنے کیلئے مضطرب تھی مگر حکومت نے انہیں نظربندی کے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، ملک کے تمام سیاسی لیڈر حکومت کی اس پالیسی کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہر طبقہ اور ہر جماعت کے ہندوستانی محمد علی کی نظربندی کو حکومت کی ایک سیاسی غلطی قرار دے رہے تھے۔ براعظم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند ہو چکی تھی۔ مگر حکومت اپنی جگہ اٹل تھی۔ کاتب حالات اس نا انصافی کے اوراق پر بھینپی کے عنوان سے آئندہ شروع ہونے والی تحریک ترک موالات کا پروگرام تحریر کر رہا تھا۔

مجلس استقبالیہ کا موثر اور پرزور خطبہ صدر اجلاس کلکتہ کے صدر مجلس استقبالیہ

عبد الطیف احمد ذکریا صاحب تھے۔ صدارت کے اعلیٰ عہدے کے بجا وجود سہرا اعزازی عہدہ قوم کسی شخص کو دے سکتی ہے وہ استقبالیہ کمیٹی کی صدارت ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ یہ معلوم تھا کہ صدر منتخب مولانا محمد علی اپنا خطبہ نہ پڑھ سکیں گے، ذکریا صاحب کو صدر مجلس استقبالیہ بنانے کا یہ مطلب تھا کہ مسلمانان بنگال نے انہیں نہ صرف مسلمانان ہند کے معزز و مقتدر سیاسی لیڈروں کے خیر مقدم کا قابل فخر کام سونپا تھا، بلکہ انھیں ذکریا صاحب کی سیاسی فراست اور قابلیت سے یہ بھی توقع تھی کہ وہ اپنے خطبہ استقبالیہ میں اہم مسائل حاضرہ پر رہبرانہ شان سے روشنی ڈالیں گے۔

ذکریا صاحب نے اس توقع کو اپنے پرزور، موثر اور بلیغ خطبہ صدارت سے پورا کر دیا۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے اہم ترین مسائل وقت علی برادران اور دیگر نظربند مسلم لیڈروں کا معاملہ، لیگ کانگریس اسکیم اور اس کی بنیاد پر ملنے والی متوقع سیاسی اصلاحات، اور فسادات آ رہے تھے۔ ان معاملات کا تعلق صرف ہندوستان تھا۔ بیرون ہند کی اسلامی دنیا کی یہ حالت تھی کہ جرمنی اور اس کے ساتھی روز بروز پاپا

ہوتے تھے اور برطانیہ کی فتح یقینی ہو گئی تھی۔ ترک شکست کھا چکے تھے اور اب مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ برطانیہ اپنے سابقہ وعدے کے مطابق مقامات مقدسہ کو خلافت اسلامی سے جدا کر کے خلافت کو پارہ پارہ نہ کرے۔

علی برادران اور گریٹر لندن کا معاملہ | ذکر کیا صاحب نے اپنے خطبہٴ صدارت میں ان سرسبائک کو لے لیا۔ نظر بند مسلم

لیڈروں کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا: ”مجھے ان حکام کی غلط روی اور خود فراموشی پر ماتم کرنا چاہیے جو اپنی اسی جبروت شد کی پالیسی پر قائم ہیں باوجودیکہ ملک کے تمام سیاسی لیڈر صاف طور پر اس پالیسی کی مخالفت کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ مجھے اندیشہ ہے کہ برطانوی حکومت کا اقتدار اس صدمہ کو جو اس کے عمال کی نادانی اور تعصب سے پہنچ گیا برداشت نہ کر سکے گا۔ انہوں نے تمام نظر بند مسلم لیڈروں کے معاملے پر ایک غائر نظر ڈالی اور بتایا کہ انھیں آزادی سے محروم رکھنے میں حکومت بغیر حق بجانب ہے۔“

لیگ کانگریس سکیم کی خوبیاں | بعض طبقوں میں لیگ کانگریس سکیم پر اعتراضات کئے جاتے تھے۔ ایک طبقہ کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں

کو سیاسی خاموشی کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے یا ان کی طرف سے ایسے آئینی تئیزات کی مخالفت ہونی چاہئے جن سے بیوروکریسی (دفتری حکومت) کی قوت کا استیصال ہو۔ ہنگام میں یہ چرمیگوئیاں ہو رہی تھیں کہ لیگ کانگریس کی منظوری سے جس میں قانون ساز جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت تعداد سے کم رکھی گئی ہے مسلمان ہندوؤں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ ذکر کیا صاحب نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ”سیاسی خاموشی کی پالیسی ہمارے قومی مفاد کے لئے تباہ کن ہے ہمیں وقت کے ساتھ ساتھ نقل و حرکت کرنی چاہئے ورنہ ہم عضو معطل بن جائیں گے۔ اگر ہم اصلاحات کے معاملے میں خاموش رہتے تو پھر جہل و جاہل بر اصلاحات ملتیں۔ یہ فرض کرنا ایک سیاسی غلطی ہے کہ انگریزوں کا ہندوستان میں کسی ایک قوم یا گروہ کا جانب دار ہو کہ حکومت کرنے کا خیال ہے۔ مسلم لیگ سیاسی خواہش و ترغیب کی

ایک زندہ مخالفت ہے۔ اس کے ممبران نے تجربہ کے مدرسہ میں نہایت تلخ اسباق پڑھنے کے بعد یہ طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی بہبودی کا فیصلہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا چاہئے اور یہ تو نہایت ہی احمقانہ بات ہے کہ مسلمان ترقی پسند قوتوں کی مخالفت کریں۔ جہاں تک بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کا سوال ہے، اس قسم کے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی کامل اکثریت ہوگی۔ باقی سب صوبوں میں (بنگال کے سوا) مسلمانوں کی نیابت تناسب آبادی سے بہت زیادہ رکھی ہے۔ صرف بنگال میں ہم نے کامل غور و خوض کے بعد آبادی سے کم نیابت قبول کی ہے۔ ہندو لیڈروں اور کانگریس کی طرف سے جداگانہ نیابت کی برابر مخالفت ہوتی رہی ہے۔ نشوونما کے اکیم میں جداگانہ نیابت موجود ہے مگر جو نیابت حکومت نے تسلیم کی ہے وہ ناموزوں اور غیر موثر ہے۔ اس لئے مسلم لیڈروں نے باہمی سمجھوتے کی بنا پر حقوق و فرائض طے کرنے چاہئے تاکہ جداگانہ نیابت کے فیصلے شدہ رہنے میں جو غمخوار ہے وہ دور ہو جائے۔ اور انہوں سے مقصد زیر نظر کے لئے کچھ قربانی کر دی مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا ہم نے فی الحقیقت کوئی قربانی کی ہے؟ بنگال میں مسلمانوں کے ۴۰ فیصدی ممبر ہوں گے اور باقی ۶۰ فیصدی میں ہندوؤں کے علاوہ دیگر اقوام اور خاص مفادات (جیسے یونیورسٹی زمیندار اور تجارت پیشہ طبقہ) کے نمائندے بھی ہوں گے۔ ایسی حالت میں ہندو کو ۴۰ فیصدی سے زیادہ نیابت مل سکیگی؟ یہ کہنا کہ کانگریس نے لیگ پر قبضہ کر لیا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ لیگ نے کانگریس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے فسادات آدھ کے باواؤں کی خیالات

مقامات مقدسہ | اظہار نفرت کیا۔ اور تحفظ مقامات مقدسہ کے مسئلہ پر کہا: اس وقت نانہ سلین کے دلوں میں جو چیز کھٹک رہی ہے وہ اماکن مقدسہ اسلامی کا خیال ہے اماکن مقدسہ اسلامی اڑھ جگت کے اندر آچکے ہیں ان کی قسمت کا فیصلہ متی زمین کے تلواروں پر منحصر کیا گیا ہے حکومت نے تحفظ و تحرم مقامات مقدسہ کے متعلق جو وعدے کئے ہیں ان پر عمل کرنا ہوگا۔ حکومت جلد اپنی پالیسی کا صاف صاف اعلان کرے ذمہ دار مدبرین انگلستان نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے سخت تشویش انگیز ہیں۔

باب

مانیکو چیسفورڈ ریفارمز

جنگ عظیم جاری تھی۔ مگر جیسی اور اس کے ساتھیوں کی طاقت روز بروز گھٹتی جا رہی تھی۔ ذرائع اور رسد کی کمی سے اس کی فوجیں بھوکے پیاسے کی حالت میں مغربی محاذ پر اتحادیوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی جس سے انکی کامیابی کے امکانات اور بھی زیادہ ہو گئے۔ ہندوستانیوں کی امداد ابتدا ہی سے انگریزوں کے ساتھ تھی۔

اس قیدیم سرزمین کے ایک ملین سے زیادہ فرزندوں سے رنگے ہوئے میدانہاں جنگ میں توپوں کی غذا بننے کے لئے پیچھے ہوئے تھے۔ انہیں یقین نہ آیا گیا تھا کہ برطانیہ ملکوں اور قوموں کو غلام بنانے کے لئے نہیں بلکہ حق و انصاف اور بھائی قومیوں کی آزار دہی کو بچانے کے لئے آگ اور خون کے اس کھیل میں شامل ہوا ہے۔ ہر جماعت اور طبقہ اس کی مدد کر رہا تھا والٹی ریاست سے سیکہ کسان تک سبھی اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور خود اختیار حکومت کے حصول کی توقع پر ہندوستان ہر قسم کی قربانی دے رہا تھا جنگی قرضے بھرتی، اور اشترک عمل میں ہندوستانیوں نے بہت تندہی سے کام کیا تھا شاہی جنگی کالفرنس میں ہندوستانی ڈیپٹیٹیوں کی موجودگی اور شاہی جنگی کابینہ میں ہندوستانیوں کو جگہ ملنے سے اس امدادی سرگرمی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ہندوستان کے علاوہ ترکوں کو ای گہرا رشتہ رکھتے تھے۔ ترکوں کی تباہی سے ان کے دل چین تھے۔ خلافت اور سلطنت عثمانیہ کے

مستقبل کی طرف سے جو خدشے آغاز جنگ میں تھے، وہ ایک ایک کر کے سامنے آتے جا رہے تھے۔ خلافت کے متعلق مسلمانوں کے جذبات سطحی یا زبانی نہیں تھے۔ ان کی بنیاد مذہب پر تھی۔ ترکوں کا قومی وجود خطرے میں پڑنے سے خلافت اور مقامات مقامہ کا سوال ان کے لئے سب سے زیادہ اہم بن گیا تھا۔ مگر برطانوی رعایا کی حیثیت سے وہ انگریزوں کے ساتھ تھے۔ آغاز جنگ میں وائسرائے ہند نے ایک اعلان کر کے انہیں یقین دلادیا تھا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کے مقدس مقامات ترکی سلطنت سے جدا نہ کئے جائیں گے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر لائیڈ جارج نے ایک تقریر میں برطانیہ کے جنگی اغراض کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "اور نہ ہم اس لئے رہ رہے ہیں کہ ... ترکی کو اس کے دارالسلطنت یا ایشیائے کوچک یا قوتوں کی زیریں مشہور سرزمینوں سے جہاں ترک نسل کے باشندے بہت کثیر تعداد میں آباد ہیں، محروم کریں۔ ہم سلطنت ترکی سے ترکوں کے زادیوں میں کوئی تعرض نہیں کرتے" مسلمانوں کو اس اعلان سے بڑی تسکین ہوئی، ٹریش گورنمنٹ کی رعایا ہونے کی حیثیت میں ان پر جو فرض عائد ہوتا تھا اس میں اور ترکوں کی ہمدردی میں ایک قسم کی جو کشاکش ہو رہی تھی، وزیر اعظم انگلستان جیسے ذمہ دار آدمی کے اس اعلان نے اسے ہلکا کر دیا۔

مسلمان ملکی ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ زراعت نگاہ کو زیادہ وسیع کر کے ہندوستان کی دوسری قوموں کے دوش بدوش ملک کی تقدیر بنانے کا کام شروع کر دیا جس طرح عہد گذشتہ میں مسلمانوں نے کم تعداد ہوتے ہوئے بھی بڑے اعظم ہندوستان کے ہر شعبہ زندگی پر اثر ڈالا تھا، اسی طرح اب بھی وہ ملک کی سیاسی تاریخ میں بعض نہایت ہی درخشاں اور قابل یاد ابواب کا اضافہ کر رہے تھے۔ جداگانہ نمائندگی کو مسلمان صرف اس لئے قائم رکھنا چاہتے تھے کہ بڑی حیثیت سے وہ سچے تعلیم اور دولت کے معاملے میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ ان کو تحفظ کی ضرورت تھی۔ کانگریس بھی مسلمانوں کی اس پوزیشن کو تسلیم کرتی تھی۔ ہندو

مسلمان دونوں چاہتے تھے کہ اصلاحات کی اسکیم میں اور سوڈہ قانون میں یکجہتی کو ضرور لیا جائے۔ ہندو مسلمان اور ہندوستان کی دوسری تمام چھوٹی بڑی قومیں ہندوستان کا فیصلہ کرنے کی توقعات میں لگن تھیں۔ محدود اور حالات سے بھنپا ہوا اناؤٹنگ رکھنے کی بجائے ہندوستان اب زیادہ کشادہ اور دراز تر نکتہ نگاہ کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ ایک بار بار ابھرنے والا سوال ہندوستانیوں کے دماغوں میں خواہ مخواہ پیدا ہوتا جلد ہوا تھا جن اصولوں کے تحفظ کے لئے سلطنت برطانیہ جنگ کے میدانوں پر بے شمار انسانوں کا خون چھڑک رہی ہے کیا ہندوستانی کے معاملے میں بھی ان پر عمل کیا جائے گا؟ کیا وہی برطانیہ جو یورپ کی چھوٹی قوموں کی خود مختاری کو ایک طاقتور اور خوشحال مہاراجہ سے محفوظ رکھنے کے لئے میدان میں اترا ہوا تھا، ہندوستان کو خود اختیار نہیں بنائے گا؟ حالات کا اندازہ لگاتے ہوئے برطانوی وزیر اعظم نے

مانینگو چیسفورڈ رپورٹ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو ایک اعلان کیا تھا جس میں ملک معظم کی حکومت کی اس پالیسی کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کو تدریج خود اختیار حکومت دینا چاہتی ہے۔ اس کے بعد وزیر ہند ہندوستان آئے تاکہ ذاتی طور پر مسئلہ کو سمجھیں اور اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش کریں اور ملک کے ہر خیال کے لوگوں سے تبادلہ خیالات بھی ہو اس تحقیق و تفتیش کے نتیجے کے طور پر جون ۱۹۱۸ء میں مانینگو چیسنور رپورٹ شائع ہوئی۔ اس کی سفارشوں کی بنیاد تین باتوں پر رکھی گئی تھی۔ (۱) جہاں تک ممکن ہو مقامی حکومتی اداروں پر عوام کے نمائندوں کا قابو ہو اور ان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔

(۲) خود اختیار حکومت کے ترقی پذیر نفاذ کے لئے جن میدانوں میں ابتدائی قدم اٹھائے جانے چاہئیں وہ صوبے ہیں کسی قدر خود اختیاری تو فوراً ہی دے دینی چاہئے جو وہی حالات اجاد میں جلد سے جلد مکمل خود اختیاری دے دی جائے۔ (۳) گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے پوری طرح پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار رہنا ہی ضروری ہے اور اس ذمہ داری کے علاوہ اس کا اختیار بھی مطلق ہونا چاہئے۔ البتہ جو تبدیلیاں اب ہونے والی ہیں ان کے تجربے کا آئندہ لحاظ

رکھا جائے۔ اس انمائیں انڈین لیجسلیٹو کونسل کو وسیع کر دیا جائے۔ اسے زیادہ نمائندہ حیثیت دی جائے اور حکومت پر اپنا اثر ڈالنے کے مواقع میں اضافہ کر دیا جائے۔

اپنی ادبی خوبیوں کے اعتبار سے یہ رپورٹ انگریزی زبان کا شاہکار تھی جس میں مرتبین نے بڑے سلیقے سے اپنی سیاست دانی کا کہاں دکھایا تھا مگر یہ بیگ کانگریس اسکیم سے بالکل مختلف تھی۔ بیگ کانگریس اسکیم میں یہ تجویز تھی کہ حکومت کے انتظامی شعبوں کو جماعت قانون ساز کے ماتحت رکھا جائے جس کے ممبروں کو اہل ہند خود چنیں۔ لیکن رپورٹ میں یہ تجویز کیا گیا کہ تبدیل کی جا سکنے والی وزارت کی ذمہ دار حکومت قائم کی جائے ہندوستان ذمہ دار حکومت کا بوجھ سنبھالنے کا اہل نہیں اس لئے اسے ذمہ دار حکومت کی طرف بچانے کے لئے پہلے صوبوں میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ البتہ یہ ظاہر کر دیا گیا کہ رپورٹ کی اسکیم آخری فیصلہ نہیں ہے اور نہ تجویزوں کی جزئیات میں یہ رپورٹ مکمل کہی جاسکتی ہے رپورٹ پر بحث چینی کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ لوکل گورنمنٹوں سے لیکر انگلینڈ کی پارلیمنٹ تک سب بحث چینیوں کے منتظر ہیں گے جہاں تک رپورٹ کی سفارشات کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے ان میں انہی قدیم علامات کو دہرا دیا گیا تھا جو برطانوی مدبرین ہندوستان کے معاملے میں برسوں سے کرتے چلے آئے تھے اور جن کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت اور برطانوی سیاست دانوں کا منہائے نظر ہندوستان کو برطانوی سلطنت کا ایک خود اختیار حصہ بنانا ہے۔

رپورٹ شائع ہوتے ہی ہندوستان میں کانگریس کے اعتدال پسند پورہ پیر تقیمہ | اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ کانگریس کی اعتدال پسند پارٹی کی طرف سے کھلم کھلا رپورٹ کی تشریفیں ہونے لگیں۔ ایک دوسرے طبقہ رپورٹ کی سفارشات سے مطمئن تو نہ تھا مگر اس کی رائے میں ترمیم کا امکان تھا اور ملک کیلئے مسٹر ہانٹنگوڈ وزیر ہند اور لارڈ چیف جوریڈ وائسرائے ہند کا شکریہ گزار ہوا ضروری تھا جنہوں نے رپورٹ میں اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان کی تصدیق کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ برطانیہ ہندوستان

کو خود اختیار حکومت دینی چاہتا ہے۔ انتہا پسند رپورٹ کے سخت مخالف تھے۔ ان کی رائے
 اس سفارشات بالکل نامکافی تھیں اور اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان سے جو امیدیں ہندوستانیوں
 نے باندھی تھیں اس رپورٹ نے ان سب کا خون کر دیا تھا۔ کانگریس میں زبردست اختلافات
 نمودار ہوئے اعتماد پسندوں میں جو رپورٹ کو قبول کر لینے کے حق میں تھے بڑے بڑے آزمودہ کار
 سیاستدان تھے۔ مگر ملک کا عام رجحان رپورٹ کی سفارشات کے خلاف تھا۔ مسلم لیگ
 کانگریس اسکیم کی حامی اور رپورٹ کی مخالف تھی۔

۲۹ اگست ۱۹۱۷ء کو کانگریس کا اجلاس
کانگریس کے اجلاس میں رپورٹ نامنظور ہوئی۔ اس کے صدر مقرر جن رام
 بیرٹھ ایٹ لاء پٹنہ) تھے۔ اجلاس سے چند روز پہلے تک کانگریس کی دونوں پارٹیوں میں
 سمجھوتہ کرانے کے لئے زور لگایا گیا کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ اجلاس میں دونوں کی ٹکر ہوگی۔
 مگر کامیابی نہ ہوئی۔ چار دن تک رپورٹ پر گرم بحث ہوتی رہی۔ کانگریس نے لیگ
 کانگریس اسکیم کو دوبارہ منظور کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ کوئی ایسی چیز جس سے ہندوستان کو
 برطانوی امپائر کے اندر رہتے ہوئے مکمل حکومت خود اختیاری سے کم ملے ہندوستانیوں
 کو مطمئن نہیں کر سکتی۔

۱۹ اگست ۱۹۱۸ء کو بمبئی کے مقام پر مسلم لیگ
مسلم لیگ کا خاص اجلاس بمبئی ۱۹۱۸ء کا ایک خاص اجلاس منعقد کیا گیا جو دو
 روز تک جاری رہا اس کے صدر دی آنریبل راجہ سر محمد علی محمد خان بہادر کے سی۔ بی۔ آئی۔
 ای آن محمود آباد تھے جو اس دور میں لیگ کے مستقل صدر تھے اور جن کی دانشمندی، نہایت
 مستقل مزاجی وطن دوستی اور حقوق اسلامی کی وکالت پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو
 پورا پورا اعتماد تھا مجلس استقبالیہ کے صدر دی آنریبل سر فضل بھائی کریم بھائی کے سی۔ بی۔
 ای تھے جو اس وقت ملکی و ملی سیاست میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔
 اس اجلاس کی اہمیت ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ مسلم لیگ

ملک ایک نئے دور میں داخل ہو رہا تھا۔ مسلمان وہ فیصلے کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے جن کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ان سے وہ اثرات پیدا ہوں گے جو زمانے کی لہروں میں ایک عرصہ تک تھر تھری پیدا کرتے رہیں گے اور جن سے آئندہ نسلیں متاثر ہوں گی مسلمانوں کے سامنے مانینگو چیسفور ڈیپورٹ پر فیصلہ دینے کا سوال تھا۔

مہاراجہ بہادر آف محمود آباد کا پرمغز خطبہ صدر
مسلمانان ہند کو صدر اجلاس خاص سے صحیح رہنمائی کی جو

توقع تھی اسے انہوں نے تمام وکمال پورا کر دیا۔ انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں جنگ کے اثرات اور ہندوستان کی سیاسی تشاؤں کا پتہ زدہ اور موثر الفاظ میں تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا اور اس کے بعد ان نکات پر بحث کی جن پر ڈیپورٹ کے مصنفین نے بیگ کانگریس اسکیم کی مخالفت کی تھی۔ آپ نے بتایا کہ کس طرح لیگ کانگریس اسکیم آئینی اعتبار سے آئندہ دستور اساسی کی بنیاد بننے کی صلاحیت رکھتی تھی مگر ڈیپورٹ کے مرتبین نے اسے ٹھکرا کر ہندوستانیوں کو مایوس کیا ہے۔ آپ نے بڑی قابلیت سے ڈیپورٹ پر شدید تکیہ چینی کی اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشنی میں لاکر اسکے مرتبین کی دل خوش کن سیاسی ابلہ فرتی کا پردہ چاک کیا۔ خطبہ صدارت مانینگو چیسفور ڈیپورٹ پر ایک مکمل تبصرہ اور اس کے عیوب کا ایک مکمل دفتر تھا۔ سب سے پہلے آپ نے لیگ کانگریس اسکیم اور ڈیپورٹ کا موازنہ کیا۔ لیگ کانگریس اسکیم کا عطر یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو حکومت میں بالیسی مالیت اور شعبہ انتظامی پر اختیار ہونا چاہئے۔ مانینگو چیسفور ڈیپورٹ میں اسکیم پر تکیہ چینی کرتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ شعبہ انتظامی کو جماعت قانون ساز کے ماتحت کرنے سے اسے جو ہرجا حالاکہ ہے دور کرنے کے لئے ایک طرف تو تاج کو ویٹو کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ شعبہ انتظامی کو تو لوڑ ابھی نہیں جاسکتا تھا جبکہ قانون ساز جماعت کو توڑا جاسکتا تھا۔ یوں بھی ویٹو لاک کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیگ کانگریس اسکیم میں انتظامی کونسلوں میں صرف ہندوستانی ممبر منتخب کئے جانے سے مراد یہ تھی کہ حکومت کے شعبہ انتظامی میں ذمہ داری کا عنصر داخل کیا جائے

ایسے منتخب شدہ ممبران کو کنسلوں کی مدت ختم ہونے پر جو انہیں بھیجتی ممبری سے سبکدوش ہو جاتے اس لحاظ سے وہ عوام کے سامنے ذمہ دار بھی ہوتے۔ رپورٹ میں یہ اعتراض کیا گیا کہ سیاسی اور مذہبی اختلافات کو دیکھتے ہوئے یہ خوف ہے کہ یہ سلسلہ چل نہ سکے گا۔ اسی طرح لیگ کانگریس اسکیم نے مالی اختیارات عوام کے نمائندہ ممبران کو نسل ہی کے ہاتھوں میں رکھے جانے پر زور دیا تھا رپورٹ نے اس کو ٹھکرا دیا۔

رپورٹ اور لیگ کانگریس اسکیم اگر لیگ کانگریس اسکیم پر یہ اعتراض کیا جاتا کہ نمائندگان عوام کے ہاتھوں میں اتنے زیادہ اختیارات حکومت دے دیتے سے ہندوستان کے ڈیفنس (تحفظ) کا معاملہ خطرہ میں پڑ جائے تو یہ بات کم سے کم معقول ضروری ہوتی۔ اہل ہند کے لئے یہ کہنے کا موقع نکل سکتا کہ ایسی حالت میں اسے بہتر بناتے ہوئے نئے دستور حکومت ہند کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے مگر رپورٹ کے مرتبین نے تو اسے تمام وگماں ہی رد کر دیا۔ اس سے ہندوستانیوں پر یہ اثر ہوا کہ جو کچھ رپورٹ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے وہ پہلے ہی سے طے شدہ تھا اور وزیر ہند کا دورہ اور تحقیقات اور تبادلہ خیالات محض دکھاوے کی باتیں تھیں

رپورٹ کے دیگر نقائص | کونسل آف اسٹیٹ اور اسمبلی کا تعلق ماتحت اور افسر جماعتوں کا سارا رکھ دیا گیا۔ رپورٹ میں یہ درج تھا کہ جو مسودہ قانون اسمبلی نام منظور کر دے وہ کونسل میں منظور کرایا جاسکتا ہے۔ رپورٹ میں کونسل کے لئے بل پیش کرنے کا حق محفوظ کر دیا گیا۔ اسمبلی میں تو بس اس کی اطلاع کی جاتی تھی۔ ان سب باتوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ نمائندگان عوام کی آواز کو حکومت ہند میں بے اثر رکھنا مقصود ہے۔ کہا گیا کہ ”امن وامان اور اچھی حکومت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں گورنمنٹ آف انڈیا جن باتوں کو ضرور سمجھے گی ان میں دسوائے انگلستان کی پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہونے کے، اسے اختیار مطلق حاصل رہے گا۔ مگر امن وامان اور اچھی حکومت کے ذمہ داری کی حدیں متعین نہیں کی گئیں جس سے یہ امکان پیدا ہو سکتا

تھا کہ اس ذمہ داری کی تعریف میں حکومت کے شعبہ انتظامی کا ہر حصہ برابر اہم سمجھا جائیگا۔
 صوبائی حکومتوں میں نمائندگی یعنی انتخاب سے آنے والے ممبروں کی رائے
 دہندگان کے سامنے جو ابدی ہے، کا جو عطر داخل کر دیا گیا وہ مرکزی حکومت میں بالکل
 نہیں تھا۔ وہ صرف وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ رکھی گئی۔ صوبوں میں بھی
 ذمہ داری ایک عجیب و غریب طریقے سے داخل کی گئی۔ ان میں دو عملی قائم کر دی گئی۔
 حکومت کے محکموں کو دو حصوں میں بانٹا گیا۔ ایک حصہ امور محفوظ کے لئے دوسرا امور منتقلہ
 کے لئے۔ امور منتقلہ ان وزیروں کے ہاتھوں میں رکھے گئے جن کا کونسل کے ممبروں میں سے
 لیا جاتا تجویز ہوا اور امور محفوظ کو قانون ساز جماعتوں کی دستبرد سے بالکل اونچا رکھا گیا
 جس کے معنی یہ تھے کہ ایک حکومت ہند دستاویزی ہوگی دوسری سرکاری ہوگی اور ہندوستانی
 حکومت سرکاری حکومت سے دی رہے گی۔ صوبوں کی حکومتوں میں گرانڈ کمیٹیوں کے قیام
 سے دو ایوانی حکومت قائم کر دی گئی حالانکہ خود رپورٹ میں اس پر ایک طویل بحث کی گئی تھی
 کہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کا ایوان بالا جمہوری نظام حکومت پر برا اثر ڈالے گا انتخابی
 اداروں کے معاملے کو رپورٹ نے درمیان ہی میں بغیر فیصل شدہ حالت میں چھوڑ دیا اور یہ
 تجویز کی کہ ان کی بناوٹ اور صلاحیت کے یقین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے جس
 سے یہ امکان پیدا ہو گیا کہ اس بارہ افراد اور جماعتیں جنہیں اعلان اگست ۱۹۱۷ء سے کوئی
 واسطہ نہیں ہوگا وہ ہندوستانیوں کو وسیع تر حق رائے دہی دینے کے خلاف جدوجہد
 شروع کر دیں گئی۔ اور ہندوستانیوں کے تسلی اور مذہبی اختلافات کو ابھار کر دکھائیں گی
 انھوں نے کہا کہ اس حالت کے لئے ہم کبھی کچھ کم ذمہ دار نہیں ہیں۔

ذمہ دار کون ہیں؟

دوسرے ملکوں میں مذہب کے بعد سیاست دماغوں پر حاوی
 رہتی ہے مگر ہندوستان میں ایک اوسط درجے کے باشندے کے لئے سیاسی محض نفویت
 ہے جو ہندوستان کے نظام حکومت کا اثر ہے۔ غریبی اور جہالت نے بھی ہندوستانیوں
 کو بے دست و پا بنا رکھا ہے۔ یہ حالت حکومت کی کوشش اور وسیع حق رائے دہی کی

صورت میں سیاسی طاقت ملنے ہی سے دور ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کی جدگانہ نمائندگی ہوجچکا ہے مگر مانیکو چیمفورڈ رپورٹ

اس سمجھوتہ کی اہمیت کو سمجھنے میں ناکام رہی ہے۔ رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ اعداد کی بنا کیا تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جو بنیاد میں نے بتائی ہے اس سے زیادہ صحیح بنا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا باہمی رضامندی اس قسم کے سمجھوتوں کے لئے سب سے زیادہ قابل اطمینان بنیاد نہیں ہو کر تھی؟ ہندو مسلم سمجھوتے کے بارے میں رپورٹ نے جو زاویہ نگاہ ظاہر کیا ہے اس کی ہندو مسلمان سب نے یکساں مذمت کی ہے۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر جو کوئی مسودہ قانون ترتیب پانے والا ہو اس میں مسلمان (اور ہندو بھی) ہندو مسلم سمجھوتے کو قائم رکھنے بغیر نہ مانیں گے۔

محمد علی کی یاد ایک ایسے اہم اور نازک موقع پر بھی مسلمان قوم اپنے بعض زیادہ سے زیادہ معتمد رہبروں سے رہنمائی اور انکی اصلاح

سے محروم رہی۔ انہوں نے ان آئینی مسائل کا گہرا مطالعہ بھی کر رکھا تھا جن پر ہمیں اس وقت فیصلہ دینا ہے۔ میں خاص طور پر مسٹر محمد علی کا ذکر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی ترقی پسند جماعت میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور جو اپنے بھائی سمیت کسی مصدقہ وجہ کے بغیر ابھی تک نظر بند ہیں۔ ہندوستان کی اصلاحات کی رپورٹ پر غور کرنے اور فیصلہ دینے کے کام میں مسلمان محمد علی کے بغیر سب سے زیادہ بیش قیمت امداد اور رہبری سے محروم ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم کیا گیا ہے وہ اسے شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

اجلاس خاص بی بی کی ایم اور شردا رتجاوینہ لکھنؤ کے اجلاس میں جو اسکیم منظور کی گئی تھی اس کے اصول

کی از سر نو تصدیق کی گئی۔ اور رپورٹ کی اس ریشہ دوانی کے خلاف زبردست احتجاج

کیا گیا کہ ہندوستانی خود اختیاری حکومت کے اہل نہیں ہیں۔ اس پر زور دیا گیا کہ صوبوں اور مرکز دونوں میں ذمہ دار حکومت ایک ساتھ قائم ہونی چاہئے۔ رپورٹ کا اس حیثیت سے خیر مقدم کیا گیا کہ یہ ہندوستان کے حکومتی اداروں کو زیادہ وسیع کرنے کی ایک پٹریوں کو شش ہے اور اس بات کا بھی اعتراف کیا گیا کہ بعض اطراف میں اس کی سفارشات موجودہ حالات کو ترقی کی طرف لیجاتی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی سفارشات کو غیر اطمینان بخش قرار دیا گیا اور اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا کہ رپورٹ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی مخصوص حیثیت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اور ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا گیا

لیگ کے طرے سے رپورٹ میں مسیم لیگ نے رپورٹ میں مندرجہ ذیل ترمیمیں پیش کیں۔ (۱) بحیثیت سبیلی اور کونسلوں میں مسلمانوں کے ممبروں کی تعداد اتنی ہی رکھی جائے جتنی لیگ کانگریس اسکیم میں ہے (۲) محکمہ کوئی بندرچ ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے پارلیمنٹ اور وزیر ہند کا وہ قابو کم کیا جائے جو اسے حکومت ہند پر ہے۔ محفوظ امور کے سلسلے میں وزیر ہند اور پارلیمنٹ کے اختیارات کی جگہ حکومت ہند کے اختیارات اس وقت تک نہ قائم کئے جائیں جب تک کہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے (۳) انڈیا کونسل کو توڑ دیا جائے۔ پریوی کونسل بھی منسوخ ہو جائے وزیر ہند کے ماتحت دو مددگار ہوں جن میں سے ایک ہمیشہ ہندوستانی ہو۔ انڈیا آفس کے اخراجات انگلستان کے خزانے پر ڈالے جائیں (۴) انسٹرے کی انگریز کونسل میں آدھے ہندوستانی ممبر ہوں اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی اس سلسلے میں خیال رکھا جائے (۵) انڈسٹری سبیلی کے انتخاب سے آئے ہوئے ممبروں میں سے بنائے جائیں (۶) سبیلی میں کل ۵۰ ممبر ہوں۔ ان میں سے ۳۰ ممبر انتخاب سے آئیں۔ صدر اور نائب صدر سبیلی کو سبیلی خود چنے۔ مرکز میں بھی امور محفوظ اور امور منتقل کا وہی سسٹم جاری کیا جائے جو صوبوں میں جاری کرنے کی تجویز ہے۔ فوج، بحری بیڑہ حکومت ہند کے دیگر حکومتوں سے خارجہ تعلقات دیگر نوآبادیات و مقبوضات، سب امور منتقل ہوں۔ کونسل آف سٹیٹ

اسی شرط پر باقی رکھی جاسکتی ہے کہ امور محفوظ کے سوا دیگر امور پر وائسرائے کو خاص اختیارات استعمال کرنے کا حق نہ ہو۔ (۵) کونسل آف اسٹیٹ میں آدھے ممبر انتخاب سے آئیں۔ اور ان میں سے آدھے ممبر مسلمان ہوں جنہیں مسلمان حلقہ ہائے انتخاب چن کر بھیجیں (۶) اگر وائسرائے اسمبلی کو توڑ دے تو پھر تین مہینے اندر اندر نئی اسمبلی طلب کرے (۷) آرڈیننس دہنگامی قانون منظور کرنے کا اختیار تھا وائسرائے کو نہیں بلکہ وائسرائے باجلاس کونسل کو ہو۔

صوبوں میں: (۸) صرف قانون النصاب و عدالت اور پولیس امور محفوظ میں شامل ہوں۔ اور انتظامی اور عدالتی محکموں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا جائے۔ (۹) وزیروں کی تنخواہ اور ان کا مرتبہ انتظامی کونسل کے ممبروں کے مساوی ہو (۱۰) چھ سال میں صوبوں کو مکمل خود اختیار حکومت دیدی جائے (۱۱) بے قلمدان وزارت کے وزیر مقرر نہ کئے جائیں (۱۲) گورنر اپنے سینئر افسروں میں سے صلاح مشورے کے لئے انتظامی کونسل کے ممبر بنائے (۱۳) گورنر کو اپنی کونسل کے کسی حصہ کو جداگانہ طور پر طلب کرنے کا اختیار نہ ہو (۱۴) انڈر سکرٹری کونسل کے ممبروں ہی میں سے ہوں (۱۵) کونسل کے ممبران کا ۱/۳ حصہ منتخب ہو۔ صرف ۱/۳ حصہ نامزد کیا جائے۔ کونسل اپنا صدر اور نائب صدر خود چنے گی (۱۶) منتقلہ امور کو بے انتظامی کی وجہ سے امور محفوظ کی فہرست میں صرف پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد منتقل کیا جائیگا۔ کونسل اپنے ووٹ سے ۵ برس تک کے لئے وزیروں کی تنخواہ منظور کرے گی (۱۷) اجیر مارواڑ اور دہلی کو ایک انتظامی صوبہ رکھا جائے اور لوکل گورنمنٹ اس کے باشندوں کو دی جائے۔

سرکاری نوکریوں میں: (۱۸) ہندوستان میں ۵۰ فیصدی سرکاری نوکریاں ہندوستانیوں کو دی جائیں اور اس پر ہر سال ۱۰ فیصدی کا اضافہ کیا جائے سرکاری نوکروں کو چاہے وہ انگلستان میں نوکر رکھے گئے ہوں یا ہندوستان میں یکساں معیار کے مطابق تنخواہ دی جائے (۱۹) مالی معاملات میں ہندوستانی جماعت قانون ساز

کو بھی خود اختیار مقبوضات برطانیہ جیسے اختیارات دیئے جائیں۔
مولانا محمد علی کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا گیا اور مجوزہ دستور سی اسکیم سے قائم ہونے
والے حکومتی اداروں میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ کئے جانے پر زور دیا گیا۔ اس
غرض کے لئے لیگ کی کونسل کو عملی قدم اٹھانے کا بھی اختیار دیا گیا اور لیگ کا ایک
دفتر انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔

روٹ کی کمیٹی ہوم رول وغیرہ کے سلسلے میں ہندوستانیوں نے جو ایجنسی پیش کیا تھا
اسے باغیانہ کارروائیوں اور سازشوں سے تعبیر کرتے ہوئے ۱۹۱۶ء
میں حکومت ہند نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ ان "سازشوں"
کے بارے میں تحقیق و تفتیش حالات کر کے ان شکایات کو دریافت کرے جنکی بنا پر یہ
"باغیانہ کارروائیاں" ہوئی تھیں اس تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر مسٹر کمار سوامی مسٹر پریس چندر
اور مسٹر شاستری تھے۔ اور صدر سر سنڈی رولٹ تھے۔ اسی لئے یہ رولٹ کمیٹی مشہور
ہو گئی تحقیقات کے بعد کمیٹی نے ۱۹۱۸ء میں اس کے نتائج پیش کئے۔

حالانکہ مسلمان نرکوں اور خلافت کو خطرے میں دیکھنے کے باوجود بھی نہایت
پُر امن رہے تھے اور انھوں نے آئینی احتجاجوں اور درخواستوں ہی پر قناعت کی تھی
مگر کمیٹی کی رپورٹ میں مسلمانوں کو شک و شبہ کا نشانہ بناتے ہوئے ان کو سازشی اور
باغی ٹھہرایا گیا تھا اور کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ مسلمان قوم میں انگریزوں کی حکومت کے
خلاف ایک منظم سازش کام کر رہی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے بعض نمایاں اور ذی
عزت رہبروں کے خلاف یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ انھوں نے برطانیہ کے خلاف سازش کی
مسلم لیگ کا احتجاج اجلاس خاص بمبئی کی ایک پر زور تجویز کے ذریعہ سے رولٹ
کمیٹی کے ان نتائج کی شدید مذمت کی گئی اور مسلمانوں
کے باغی اور سازشی ٹھہرائے جانے پر شدید احتجاج کیا گیا اجلاس کی یہ رائے تھی کہ
تحقیقات کا جو طریقہ اختیار کیا گیا وہی غلط ہے۔ اس لئے نتائج کسی طرح درست

ہو ہی نہیں سکتے۔ جہاں تک مسلم بہنوں پر عائد کئے ہوئے الزامات کا تعلق تھا اجلاس خاص نے کمیشن کو یہ چیلنج دیا کہ وہ ان تمام چیزوں کو کھلی عدالت میں لائے جن کی پتاپہ اس نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

نظر بند بھائیوں کیلئے ایک کمیشن | مسلم لیگ کے اجلاس خاص میں مہاراجہ بہادر آف محمود آباد نے اپنی خطبہ صدارت کے آخر میں جو صدارتی تقریر کا اہم ترین حصہ ہوا کرتا ہے محمد علی شوکت علی کی نظر بندی کے خلاف جو پُر زور احتجاج کیا تھا اس سے حکومت متاثر ہوئی اور اس نے ستمبر ۱۹۱۸ء میں ایک سرکاری کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ علی برادران کی نظر بندی کے مسئلے پر غور و خوض کرے اور اس کے نتائج ایک رپورٹ کی شکل میں حکومت کے سامنے رکھے۔ کمیشن چھند واڑہ گیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کے بیانات لئے۔ اور پھر اپنی سفارشات پیش کیں۔ نظر بندی کو جائز قرار دیتے ہوئے کمیشن نے یہ سفارش کی کہ اب انھیں کافی سزا مل چکی ہے اس لئے دونوں کو رہا کر دیا جائے لیکن حکومت نے اس سفارش کو منظور نہیں کیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں مسز بیسنٹ رہا ہوئیں اور فوراً علی برادران کی رہائی کے لئے کوشش کرنے لگیں وہ وائسرائے سے ملیں مفصل گفتگو کی۔ دیلیس دیں۔ مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ۱۹۱۸ء کا سال بھی یوں ہی گذر گیا۔

مضامین محمد علی

میں خاص خاص عنوانات پر رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے مضامین میں جیسے آپ بیتی، اسلامی مسائل، مسلمان اور متحدہ قومیت ہندو مسلمان اور کانگریس، انگریز اور ان کی سیاست، بادشاہت اور جمہوریت، مسلمان اور آزادی، قیمت و حقانی روپیہ۔ اردو لٹریچر، ہندی لٹریچر، اعظم خاں دہلی

باب ۱۶

علماء میدان سیاست میں

۱۹۱۸ء کو جنگ عظیم ختم ہو چکی ہے تو یوں کی گرج اور تنواروں کی جھنجھن موقوف ہوئی۔ اب دنیا مستقل اور پائیدار امن کا انتظار کر رہی ہے۔ مگر مسلمانوں پر یہ ان کی تاریخ کا نازک ترین دور ہے جو تشویش اور اندیشوں سے لبریز ہے۔ مصائب کے دہ کالے کالے بادل جو ایک مدت سے مطلع اسلام کی طرف بڑھ رہے تھے اب اس پر پوری طرح مسلط ہو چکے ہیں۔ ان میں آفتوں کی بجلیاں ہیں جو مسلمانوں کے سروں پر گر پڑنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہیں۔ یورپ کی فاتح حکومتیں ترکی سلطنت کو ختم کر دینے کے درپے ہیں۔ جس کے مستقبل سے خلافت اور اسلامی مقامات مقدمہ کی حرمت و بقا کا سوال وابستہ ہے۔ انگلستان کے وزراء نے کروڑوں مسلمانان ہند کے جذبات کو اب سے پہلے کئی مرتبہ اپنی وعدہ خلافیوں سے پامال کیا ہے۔ مگر اب وہ وفاداری کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنے سے بیزار ہیں۔ اسلام کی فوجی طاقتوں کی بربادی سے ان کے دلوں پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔ صلح کانفرنس کے متعلق یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانان ہند کا کوئی نمائندہ نہیں لیا جائیگا۔ ذمہ دار برطانوی وزرائے حال ہی میں جو تقریریں کی ہیں وہ بھی ان کے لئے طمانیت بخش نہیں ہیں۔ لارڈ ابراہٹ سیل برطانوی پارلیمنٹ میں بیان کر چکا ہے کہ ترک حکومت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، یہ اشارہ ہے کہ ترکی سلطنت ختم کر دی جائیگی۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں دہلی میں مسلم لیگ کا گیارہواں سالانہ اجلاس ہوا اور اس نے

اس کے صدر آنریبل مولوی فضل الحق صاحب بی، اے، ایل ایل، بی وکیل ہائیکورٹ کلکتہ
 و ممبر کونسل بنگال اور صدر مجلس استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہیں۔ اس اجلاس کے
 سامنے حصول حکومت خود اختیاری اور مسلم لیڈروں کو نظر بندی سے چھڑانے کے مسائل
 بھی ہو گئے مگر اہم ترین مسئلہ وقت تحفظ خلافت و مقامات مقدسہ ہی ہے۔ بیچینی کی آگ
 دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ لوگ رہبران قوم کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ اس
 وقت تک مسلم لیگ کی توجہ سیاسی امور ہی کی طرف رہی ہے۔ مگر مسئلہ خلافت و مقامات
 مقدسہ کی بجا اہل سیاست و اہل مذہب دونوں کو مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت
 مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کی طرف کھینچ رہی ہے اس مسئلے نے دینی و دنیاوی اغراض کو مشترک
 کر دیا ہے۔ یہ بڑی شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے کہ علمائے کرام کو حجروں خالقاہوں
 اور مدرسوں کی چار دیواری سے نکل قوم کی جدوجہد میں کودنا چاہیئے۔

جلسہ علمائے کرام مسجد فتحپوری دہلی ۳۰ دسمبر ۱۹۱۸ء کو بچے صبح مسجد فتحپوری
 میں ۲۴ نمائندہ علمائے کرام کا ایک
 جلسہ ہوا جسکی غرض و غایت علمائے کرام کے اس ارادے کا اعلان کرنا تھی کہ مسئلہ خلافت و مقامات
 مقدسہ میں وہ مسلم لیگ کے ساتھ آواز بلند کریں گے۔ شرکاء میں سے نمایاں نام یہ ہیں مولانا
 مفتی کفایت اللہ صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا قطب الدین محمد عبد الوالی فرنگی محل
 (لکھنؤ) مولانا حافظ احمد سعید صاحب دہلوی، مولوی جلیل الدین شاہ پوری، مولوی
 سید محمد طاہر امام عید گاہ دہلی، مولوی نور محمد مدرس عربیہ اسکول دہلی۔ جلسہ میں آٹھ
 تجویزیں منظور ہوئیں۔ گورنمنٹ سے درخواست کی گئی کہ وہ اوائل جنگ کے وعدے
 کا لحاظ کرتے ہوئے مقامات مقدسہ بغداد، دمشق، نجف اشرف اور کربلا وغیرہ پر سے
 فوجیں ہٹالے۔ مسئلہ خلافت کے تصفیے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ اس لئے وہ
 مداخلت سے باز رہے اور سلطنت عثمانیہ اور ایران کی آزادی حسب سابق بحال
 رہنے دے۔ فسادات کلکتہ و کشمیر پور جن کا ذکر آگے آئیگا، پر رنج اور افسوس ظاہر کیا گیا

نظر بندوں کو آزاد کر دینے کی درخواست کی گئی۔ مولانا مفتی کفایت اللہ اور چند دیگر علما کو یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ اس جلسے کے نمائندوں کی حیثیت سے مسلم لیگ میں شامل ہو کر تجویزوں کو وہاں پیش کر دیں تاکہ مسلم لیگ ان کی نقلیں حکومت کے سامنے رکھے۔ علمائے کرام، حامیان شرع متین، واران ختم رسل، قوم کے آڑے وقت پر خالق ہوں، مدرسوں اور مکتبوں کی عافیت گاہوں میں مسند نشین رہنے کا شعار چھوڑ کر جدوجہد کی جلتی آگ میں کود پڑنے کے لئے مردانہ وار میدان میں آگئے۔ دینِ قیم کی حمایت کے لئے جس میں سیاست اور مذہب دونوں ایک دوسرے سے پیوست ہیں، انھوں نے قربانی کی راہ پر عمل کا قدم ڈال دیا۔ علما کو سیاست میں لانے میں بڑی حد تک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کا ہاتھ تھا۔

مسلم لیگ کا گیارہواں سالانہ اجلاس دہلی ۱۹۷۱ء

اسی دن گیارہ بجے سے
لیگ کا سالانہ اجلاس

شروع ہوا جو اس جماعت کے گذشتہ تمام اجلاسوں سے زیادہ کامیاب اور اہم ثابت ہوا۔ ہندوستان کے تمام علمائے کرام کو شرکت اجلاس کی دعوت دی گئی تھی، لیگ کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ خالص اسلامی اور مذہبی مباحث پر گفتگو کرنے کے لئے ہندوستان کے ہر حصے سے علما کی اس قدر زیادہ تعداد شریک اجلاس ہوئی۔ مسلمانان ہند کا یہ اجتماع ان کی سیاسی اور قومی زندگی کا ایک یادگار لمحہ ہے۔ علما کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی کافی تعداد میں بطور مہمان شریک ہوئے جیسے مسز بیسٹ و سروجی نائیڈو، مسز زہرا بی بی، ارنڈیل، جے رام داس، سی وجیاراگھوآچاریہ، سی پی راماسوامی آئر، ٹیلر، کھنپڑے وغیرہ جب قرآن مجید کی تلاوت ہوئی تو سب حاضرین ادب سے اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے ہندوستان
میں انگریزی نظام حکومت

مولوی فضل الحق کا مدلل و پرزور خطبہ صدارت

پرکشتہ چینی کرتے ہوئے خود اختیار حکومت کا مطالبہ کیا اور کہا: انتظام ہند کے لقا لقا

سبب یہ ہے کہ ایک مطلق العنان جماعت حکام کی نمائندہ ہے جو ہندوستان کے عوام کے سامنے ذمہ دار نہیں ہے۔ اصلاحات کی پیوند کاری محض عارضی فائدہ ہوگی حقیقی علاج یہ ہے کہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دیدی جائے۔ ریفارم اسکیم میں لکھا ہے ہندوستانی اس وقت خود اختیار حکومت کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر ہم ڈیڑھ سو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی تیار نہیں ہیں تو جتنا کہ یہ حکومت اپنی موجودہ شکل میں قائم رہے گی ہم کبھی تیار نہ ہوں گے۔

مسلمانوں کی پوزیشن کے بارے میں انہوں نے کہا یہ ہیں نئے کچھ لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ خود اختیار حکومت کے مطالبے میں شریک ہو کر مسلمان ایک ہلکا سا غلطی کر رہے ہیں اور ہندو ایچیٹیٹروں (شورش پسندوں) کے قابو پر صدمہ کئے ہیں جو عیساری سے ذمہ دار حکومت کے بھیس میں ہندو راج قائم کر رہے ہیں۔ اختیار ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا جائیگا۔ اور وہ مسلمانوں کی پولیسکل ہستی کو فنا کرنے کے لئے ہر موقع سے کام لیں گے۔ مگر یہ کہنا کہ ہندو مسلمان کا قدرتی دشمن ہے وہ دونوں فرقوں کی توہین ہے۔ تعلیم کی وسیع اشاعت اور اس کے فوائد لوگوں کے خیالات وسیع کر کے ان میں رواداری کی روح بھونکیں گے۔

مقامی حکومتی ادارے اور مسلمان
سیلٹ گورنمنٹ (خود اختیار)
جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت کے معاملے میں حکام نے مسلمانوں کا لحاظ رکھا ہے: جہاں جہاں گورنمنٹ نے مائنگی کاہت وسیع اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھا وہاں بھی مسلمانوں کی طرف سے لاپرواہی برتی گئی۔ میں گورنمنٹ کے جم پریسیکٹو نہ بھروسہ رکھنے کی روش پر اعتماد نہیں رکھتا۔ کوئی چیز کبھی بھیک مانگنے سے نہیں ملی خواہ بھیک مانگنے کے فن کو کتنی ہی خوبی سے برتا جائے۔ موجودہ طریق حکومت کے ماتحت مسلمان سب سے زیادہ کلیف انڈر ہیں۔ کیونکہ وہ حکام کی طبعیت کے رنگ کو نہیں سمجھتے جو صرف ایچیٹیٹروں سے متاثر ہوتے ہیں۔

خلافت اور اراکینِ مقدسہ | مقاماتِ مقدسہ بھی غیر اسلامی اثراتِ پاک

رہنے چاہئیں۔ ہم تاجِ برطانیہ کے وفادار ہیں۔ مگر یہ وفاداری مذہبی احکام کی متابعت کے ماتحت ہے۔ خدائی احکام اور ایک دنیاوی بادشاہ کے قوانین میں تصادم ہونے پر مسلمان اپنی جان دیکر بھی خدائی قوانین کو غالب رکھے گا۔ آپ نے حکومت پر نظر مندوں کی رہائی کے لئے بھی زور دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کیلئے پرنسز اور اپیل | یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم اپنی قوتیں ان

میں ضائع کریں جو کسی آئندہ اصلاحی اسکیم میں مختلف فرقوں کو ملنے والی ہیں۔ کونسل کی نشستیں بجائے خود کوئی آخری مقصد نہیں ہو سکتیں۔ اپنی غرض اور حفاظت کے خیال سے بھی مسلمانانِ ہند کو اختلافات فراموش کر دینے چاہئیں۔ اور مستقبل کی تعمیر کیلئے ہندوؤں کی امداد حاصل کرنی چاہئے۔ ہم اپنی نصف طاقت ضائع کر دینے اگر اپنی قوم کے فوائد محفوظ رکھنے کی جدوجہد میں غیر مسلم بھائیوں کو اپنا طرفدار نہ بنائیں گے۔

علمائے کرام کا لیگ کی طرف سے خیر مقدم | دوسری نشست میں صدر

کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے لیگ میں شرکت کی دعوت منظور کر لی۔ علمائے دیوبند کا ایک خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں شرکتِ اجلاس سے معذوری ظاہر کر دی۔ ہوئے مسئلہ خلافت میں مسلم لیگ کی تائید کی گئی تھی اس کے بعد مولانا عبد الباقی صاحب نے خالص مذہبی انداز اور عالمانہ لب و لہجہ میں مسئلہ خلافت پر ایک موزوں اور مناسب تقریر کی جس میں آپ نے یہ ثابت کیا کہ مقاماتِ مقدسہ پر حلیفہ اسلام کے سوا مسلمانانِ از روئے مذہب کسی اور کا قبضہ برداشت نہیں کر سکتے نیز اگر خلیفہ اسلام مصلحتاً میں گھرا ہوا ہو تو اس کی اعانت مذہب کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہندوستان کے چوٹی کے علمائیں سے تھے۔ مولانا محمد علی شوکت علی وحسرت موہانی ان کے قریب تھے اور ان پر مولانا کا بڑا اثر تھا۔ ہمارا گاندھی تحریک ترک موالات کے زمانے میں مولانا سے بہت قریبی اثر لینے والا تعلق رکھتے تھے۔ ان کی شرکت اور اس تقریر سے لیگ کے اجلاس کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔

اہم مسائل وقت بیت المقدس اور نجف اشرف وغیرہ مقامات مقدسہ پر انگریزی فوجوں کے قبضے کے خلاف پُر زور احتجاج کیا گیا اس پر زور دیا گیا کہ خلافت کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ انگلستان کی حکومت سے درخواست کی گئی کہ صلح کانفرنس میں مقامات مقدسہ کی حفاظت کا خیال رکھا جائے۔ ہندوستان میں عوام کی نمائندہ حکومت کے قیام پر اصرار کیا گیا۔ نظر بندوں کو جنگ ختم ہو جانے کے باوجود رہا نہ کرنے پر احتجاج کیا گیا۔ علی بادان پر تحقیقاتی کمیٹی نے جو الزامات لگائے تھے وہ بہت غیر واضح تھے۔ اس بنا پر نظر بندی جاری رہنے پر سختی سے صدرائے احتجاج بلند کی گئی، پریس ایکٹ (قانون مطابعت) اور ایکٹ (قانون اسلحہ) ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (قانون تحفظ ہند) کی تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کی مذمت کی گئی۔ گورنمنٹ سے درخواست کی گئی کہ محکمہ تحقیقات جرائم کے کام کی تحقیقات سے لے کر شاہی بونسل کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ صلح کانفرنس میں گورنمنٹ نے ہندوستانیوں کا ایک نمائندہ بھیج دیا تھا۔ اس پر لیگ نے اظہارِ رضایت کیا مگر اس اصول نامزدگی پر اعتراض کیا جس پر ہندوستان کے سلسلے میں عمل کیا گیا تھا۔ یہ رائے ظاہر کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی کو جو ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے، یہ حق دیا جائے کہ وہ اس ناک کے مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے اپنے ممبر خود منتخب کرے۔ اجلاس نے مسلم لیگ کی بونسل کو اختیار دیا کہ وہ اصلاحات کے سلسلے میں ایک وفد انگلستان بھیجے۔ مولانا وحسرت موہانی کو پیشرو مقرر کیا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ فوراً انگلستان روانہ ہو جائیں

خلافت اور مقامات مقدسہ وغیرہ کے متعلق جو تجویزیں منظور ہوئیں تھیں ان کی نقل وزیر ہند وائسرائے اور چیف کمشنر دہلی کو بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرات علماء سے درخواست کی گئی کہ وہ لیگ کے ممبر بن جائیں۔ جامع مسجد دہلی کے بارے میں بھی ایک تجویز منظور ہوئی۔

”آل انڈیا مسلم لیگ گورنمنٹ سے التجا کرتی ہے کہ جو قبوہ جامع مسجد دہلی کا معاملہ مسلمانوں کے لئے جامع مسجد دہلی کے استعمال کے بارے میں از روئے حکم منعقدہ بالعدۃ عامہ میں ان کو مسترد کیا جائے چونکہ وہ حکم حق استعمال مسجد بطور جائے عبادت کے حصول کے مافی ہوتا ہے۔“

حافظ عبدالعزیز وکیل نے کہا ”جامع مسجد میں مسلمانوں کو عبادت کی ممانعت نہیں ہے“ قاضی عبدالغفار نے کہا ”دربار کے موقع پر جامع مسجد ۴ گھنٹہ بند رہی تھی“ صدر نے کہا ”گو بنا زکی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کو دقت ضرور ہوتی ہے اور ان لفظوں میں تجویز منظور ہو جانے میں کچھ عرصہ نہیں ہے۔“

ایک آواز آئی ”بیوقوف لوگوں کو بنا نا ہے“ حافظ عبدالعزیز نے کہا ”مناسب ہے کہ جو شکایت ہم کو ہے اس کو پیش کیا جائے“ صدر نے ان سے کہا ”آپ منظور فرمائیں آخر اس میں حرج کیا ہے“ حافظ عبدالعزیز نے کہا ”اچھا آپ ووٹ لے لیں“ ایک آواز آئی ”ووٹ نہیں لیں“ حافظ عبدالعزیز نے کہا ”اطمینان ہو جانا چاہئے“ صدر نے کہا ”قانوناً تجویز کرسی صدارت سے پیش ہوتی ہے اس پر بحث نہیں ہوتی۔ اگر آپ تکرار کر سیتے تو مجھے کو مجبوراً ووٹ لینے پڑیں گے“ اس موقع پر قاضی عبدالغفار نے پھر کہا ”معتبر ضمیمہ حضرات سے یہ عرض ہے کہ مسلمانان دہلی کو جو شکایات جامع مسجد یا اس کی کمیٹی کے خلاف ہیں ان کو رفع کرنا مقصود ہے اس لئے ہر مسلمان اس وقت جواب دے کہ آیا گورنمنٹ کی مقرر کردہ موجودہ کمیٹی کو وہ پسند کرتا ہے یا وہ اپنے مذہبی عقائد پر خیال کر کے جامع مسجد کو اپنی مقرر کردہ کمیٹی کے ماتحت رکھنا پسند کرتا ہے“ حافظ عبدالعزیز نے کہا ”میں اس کا جواب دوں گا“ آواز آئی ”شرم“

صدر نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا: نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس تجویز کو منظور فرمائیں گے۔ آوازیں آنے لگیں۔ ”منظور ہے منظور ہے“۔

مولوی نور خود اختیار حکومت؛ مسٹر سید حسن کی اس تجویز پر کہ ملک کو فوراً صوبہ بھارتی خود اختیاری دیدی جائے اور چھ سال کی جو شرط لیگ اور لکھنؤ کے اجلاس لکھنؤ میں عائد کی گئی تھی اسے منسوخ سمجھا جائے، کافی طویل بحث ہوئی۔ مولوی ابوالقاسم صاحب نے ترمیم پیش کی۔ مولوی محمد یعقوب مراد آبادی نے ترمیم کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ صوبہ بھارتی خود اختیاری انگن سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہمی سمجھوتہ کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تصفیہ کر لینا چاہیے کیونکہ مسئلہ کا سمجھوتہ جو کمال آزاد حکومت کے لحاظ سے نہیں کیا گیا تھے مکمل صوبہ بھارتی خود اختیاری ملنے کی صورت میں مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔ نواب القدر جنگ نے کہا کہ یہ مسئلہ مذہبی نہیں ہے کہ اسے مذہبی جوش میں رنگا جائے بلکہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ عبدالسلام صاحب نے کہا کہ پہلے چھ سال تک ہم برادران وطن کے طرز عمل کو دیکھ لیں۔ اگر وہ اچھا رہا تو کل ہم خود اختیار حکومت کی تجویز منظور کر سکتے ہیں بحیثیت ترمیم نے خود اختیار حکومت کا تاریخی پس منظر دکھانے کے بعد مسلمانوں کو احتیاط سے یہام لینے کا مشورہ دیا اور یہ کہا کہ اگر اس تجویز سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہوں گے جو ملکی مصلحتوں کا لحاظ رکھے بغیر اسے منظور کر لیا یا پتے میں۔ آخر ہم کو تجربہ کی ضرورت ہے۔

مگر مسیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر کھلو، علی بخش مسی اور ازیل مولوی فضل الحق تجویز کے حامی تھے۔ مسیح الملک نے ترمیم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا: میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر آپ اس وقت سیلف گورنمنٹ لے لیں تو اس میں کیا حرج ہے اور چھ برس کا تجربہ آپ کو کیا فائدہ پہنچا رہا ہے۔ آپ کانگریس سے اتنے عرصے علیحدہ رہے تو کیا فائدہ اٹھایا؟ آپ کی قوم بستی کی حالتیں یہی

کانگریس سے چھپے اور علیحدہ رہنا سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہ دیکھا۔ جو نسبت آپ کے سامنے ہندو مسلمانوں کی بیان کی گئی ہے اس نسبت سے آپ عمر بھر کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے۔ جب آپ قوم بڑھائیں گے تو آپ کو یہ کہہ روک دیا جائیگا کہ آپ کے ووٹ کم ہیں۔ ہندو اگر کسی جگہ زیادتی کرتے ہیں تو ایسے ہندو قابل ملامت ہیں لیکن تمام ہندوؤں سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ ایسے واقعات سے متاثر نہ ہو کر مسلمانوں کی ترقی کو روکنا سراسر ظلم ہے۔

عبدالرحمن صدیقی صاحب نے کہا: "اگر ٹھوکر ہی کھانی ہے تو مجھے کافی ٹھوکر پسند ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ سات اور تیس کا تناسب ہے۔ اول تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر ان بھی لیں تو ہم سے وعدے کئے گئے ہیں کہ ۳۳ مسلمان جس تجویز کی مخالفت کریں گے وہ منظور نہ کی جائے گی۔" ایک آواز آئی۔ "یہ غلط ہے، مولانا حسرت موہانی نے بھی تجویز کی تائید کی۔ ڈاکٹر کچاو نے کہا کہ کون شخص مسلمان قوم سے یہ توقع کر کہہ سکتا ہے کہ وہ آزادی اور حریت کو مسترد کر دیں گے۔ مسٹر سید حسن نے جوابی تقریر میں کہا: "اسلام کے اصول میں بزدلی اور پستی کوئی شے نہیں ہے۔ مسلمانوں کو بزدل نہ ہو کہ ہندوستان میں نہیں رہنا ہندوستان میں ہندو زیادہ ہوں۔ وہ زیادہ اہمیت رکھتے ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی ہیں ہو سکتے کہ ہم حکومت لینے سے انکار کر دیں۔ اگر ہم بزدل نہیں ہیں تو ہم کو ہندوؤں کا خوف دلوں سے نکال دینا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ ہم ہندوستان میں عزت اور آزادی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ ہندو بھائیوں کے ساتھ مل کر رہیں۔ میرے خیال میں یہ نہایت مشرم انگیز خیال ہے کہ ہم ہندوؤں سے دب جائیں گے۔ یہ بہت چر اور پوچ خیال ہے۔ آپ کو اس کی تردید کرنی چاہئے۔"

ترمیم کے حق میں صرف گیارہ رائیں آئیں۔ تجویز بھاری اکثریت سے منظور ہوئی۔ اس اجلاس میں مہاراجہ صاحب بہادر آف محمود آباد و بارہا و مستقل صدر اور سید وزیر حسن صاحب دو بار یکسر غری تر ہوئے۔ مسٹر محمد علی جنل سربراہ اہم رحمتہ اللہ علیہ استغفر

دیدے پر لیگ کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہو گئے۔ نئے قواعد و ضوابط کے مسودے پر غور کرنے کے لئے علیگڑھ میں ایک اور جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۱۵ء میں ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ مگر
ہندو مسلم فساد کٹار پور | بقر عید کے موقع پر کٹار پور میں فساد ہو کر سی رہا۔ ہندوؤں کو لگے کی قربانی پر اعتراض تھا۔ کٹار پور ہمدوار کے قریب ایک مقام ہے۔ وہاں ہندو مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں آباد تھے وہ اقلیت کے ساتھ وحشیانہ سلوک پر اتر آئے مسلمانوں میں اس سے شدید ناراضگی پھیلی۔ رنج اس بات کا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی فضا قائم ہو چکنے کے بجائے ہندوؤں کا ایک طبقہ برابر مسلمانوں کو دبانے اور تعصب کی تلوار سے ان کے حقوق کا گلا بکاشنے پر کمر بستہ ہے۔ ۳۰ دسمبر کو لیگ کے سالانہ اجلاس سے دو گھنٹہ پہلے علما کا جو جلسہ مسجد فتحپوری دہلی میں ہوا تھا اس میں کٹار پور کے ہولناک موقع پر ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر کئے گئے بیحد ظلم و تشدد پر دینی نفرت اور رنج اور افسوس کا اظہار کیا گیا تھا اور حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ اس واقعہ کی اور اسکے اسباب کی پوری تحقیقات کر کے ظلم و تشدد کی قرار واقعی سزائیں دے تاکہ آئندہ اس قسم کے ہولناک مظالم کی جرات نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اجلاس مسلم لیگ کے خطبہ استقبالیہ میں جو بعد کو ضبط ہو گیا فسادات کٹار پور پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس قسم کے واقعات ”باہمی اتحاد پر پیشہ چلاتے ہیں“ اور ہندوؤں سے درخواست کی تھی کہ وہ ایسی مناسب تدابیر اختیار کریں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا سد باب ہو جائے

لیگ کا اظہار تشویش | سید آل نبی صاحب نے لیگ کے اجلاس میں ایک تجویز منظور کرائی کہ کٹار پور کے ہندو نے وہاں کے بیگانہ مسلمانوں کے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا ہے اسے مسلم لیگ نہایت تشویش سے دیکھتی ہے اور ہندو قوم کے لیڈروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس قسم کے موثر ذریعے اختیار کریں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات پیش نہ آسکیں۔ مولوی محمد یعقوب نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی

فرائض میں رکاوٹ پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی اور بلا اشتعال اور بلا وجہ ناعاقبت اندیشانہ افعال کئے گئے۔ اگر ہم کو سیلف گورنمنٹ حاصل کرنی ہے تو ہم کو جاننا چاہئے کہ یہ باتیں اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتیں جب تک ایک دوسرے کی طرف سے مذہبی مداخلت و مداخلتہ و مداخلتہ کی طرف سے کمزور قوم پر ظلم ہو تا رہیگا جیسا کہ کٹار پور میں ہوا ہے

۱۹۱۸ء کا دوسرا فساد کلکتہ کا تھا اس میں مسلمان حکومت کے شکار بنے

فساد کلکتہ ۲۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو "انڈین ٹیلی نیوز" میں ایک مضمون نکلا جس کے ایک فقرے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کا اس طرح ذکر کیا گیا تھا جس سے روضہ مبارک کی توہین ہوتی تھی۔ بنگال کی مسلم لیگ نے اس مضمون کی مذمت میں ایک تجویز منظور کی اور سکرٹری لیگ نے اخبار مذکور کے ایڈیٹر کو لکھا کہ وہ معذرت شائع کرے۔ مگر نہ تو بنگال گورنمنٹ نے لیگ کے اعتراض پر کوئی توجہ کی اور نہ ایڈیٹر نے پروا دی اس پر مسلمانان کلکتہ نے علمائے اسلام کا ایک نمائندہ جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جلسہ کی تاریخیں ۹، ۱۰ اور ۱۱ دسمبر تھیں۔ ۱۲ دسمبر کو حکومت نے ایک اعلان نکال کر جلسے کے انعقاد کی ممانعت کر دی مسلمانوں میں جوش پھیل گیا اور انہوں نے گورنمنٹ کے حکم کی خلاف ورزی کا ہتھیار کیا۔ ۱۷ دسمبر کو ذمہ دار حکام نے مولوی فضل الحق سے کہا کہ جلسہ نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کا ایک وفد گورنر بنگال سے ملاقات کرے۔ جلسہ نہیں ہوا۔ مگر حکام کی طرف سے ملاقات کو دوسرے دن پر ٹال دیا گیا۔ مسلمان گورنمنٹ ہاؤس کے آگے جمع ہو گئے۔ وہ گورنر اور وفد کی ملاقات کا نتیجہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ پولیس نے ان پر گولی چلائی۔ فساد شروع ہو گیا۔ پولیس نے مسلمانوں پر بڑی ریادتیاں کیں۔ آنرےبل مولوی ابوالقاسم نے لیگ میں ایک زبردست تجویز پیش کی۔ مولوی یعقوب اور ڈاکٹر کچلو نے تفصیل سے واقعات بتائے اور حکومت کے رویے پر زبردست احتجاج کیا گیا۔

باب

ہنگامہ خیر ۱۹۱۹ء

۱۹۱۹ء کے آغاز ہی سے ہنگامہ پر ور واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا جنہوں نے ہندوستان اور مسلمان دونوں میں بھینپی پھیلا دی۔ اس دور میں ہندو مسلمان میدان سیاست میں بالکل متحد تھے۔ اس لئے ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں تاریخوں کے لحاظ سے سلسلہ وار بیان کر دینا چاہئے۔ ہندوستان اور مسلم لیگ دونوں کی تاریخ سلجھ کر سمجھ میں آ جائیگی۔

مسلمانوں کے سامنے اہم ترین مسائل خلافت کا مستقبل اور ہندوستان کے لئے خود اختیار حکومت کا حصول تھے۔ مسلم لیگ ان کی نمائندہ سیاسی جماعت تھی جس نے اپنے اجلاس دہلی ۱۹۱۸ء میں مسلمانان ہند کے جذبات و احساسات کی آزادی اور بے خوفی سے ترجمانی کر دی تھی۔ جو تجویزیں اس اجلاس میں منظور ہوئیں ان کی نقلیں ہجری تاروں کی شکل میں وزیر اعظم انگلستان اور وزیر ہند کو بھیج دی گئی تھیں۔ فروری ۱۹۱۹ء میں وزیر ہند نے ان تجویزوں کے جواب میں ایک اعلان شائع کرایا کہ خلافت کے مسئلے کا تصفیہ

وزیر ہند کا اہم اعلان

بے شک صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں مگر میں یہ ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ برطانیہ نے ان وعدوں کی خلاف ورزی کی ہے جو مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانان ہند

سے کئے گئے تھے۔ ملک معظم کی حکومت صلح کانفرنس میں پیش ہونے والے مسائل کے بارے میں اہل ہند و اہل اسلام کے جذبات سے کماحقہ واقف ہے۔ اس بات کا اطمینان رکھنا چاہئے کہ ان کا لحاظ کیا جائیگا۔ اعلان کیا گیا تھا کہ مقامات مقدسہ برطانوی بحری و بری افواج کے حملوں یا چھڑچھاڑ سے بچے رہیں گے اور ہندوستان سے ان مقامات کو جانے والے حاجیوں اور زائرین سے کوئی تفرض نہ کیا جائیگا۔ اس وعدے کا لفظی و معنوی طور پر اس وقت بھی لحاظ کیا گیا جبکہ برطانوی فوجیں ان علاقوں پر قابض تھیں جن میں مقامات مقدسہ واقع ہیں۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جتنے عرصے تک ان علاقوں پر انگریزی قبضہ رہے اس وقت تک ان مقامات کے تقدس کا نہایت سختی سے احترام کیا جائے۔ لیگ کونسل نے اس بیان پر یہہ اعتراض کیا کہ وعدے پورے ہونے کا جو مفہوم بتایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ ایک عرضداشت وزیراعظم کو بھیجی گئی۔ مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ صلح کانفرنس جس میں مسلمانان ہند کا کوئی نمائندہ نہیں تھا نومبر ۱۹۱۸ء سے کام کر رہی تھی انجکستان کے بعض حلقے اسے یہ مشورہ دینے لگے کہ قسطنطنیہ کو چھین کر بین الاقوامی نگرانی کے ماتحت کر دیا جائے اس سے مسلمانوں میں سچینی پھیل گئی قسطنطنیہ ایک اہم اسلامی شہر اور ترکی کا دارالخلافہ تھا۔ اس میں قدم قدم پر مذہبی یادگاریں اور آثار رکھے۔ اس کی آبادی بھی زیادہ تر ترک تھی۔ ترکوں سے قسطنطنیہ چھین لینے کے یہ معنی تھے کہ ان کی حکومت ختم کی جا رہی ہے۔ انجکستان میں رہنے والے مسلمانوں نے وزیر خارجہ برطانیہ مسٹر بالفور کو ایک مراسلہ بھیجا۔ اس پر سر آغا خاں سید امیر علی، عبداللہ یوسف علی خواجہ کمال الدین اور مشیر حسین قدوائی وغیرہ کے دستخط تھے۔ مگر اس بے چینی کے باوجود مسلمان پُر امن تھے۔

۱۹ جنوری کو رولٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۲۶ فروری کو اس رولٹ کی رپورٹ کی بنا پر دو سرکاری مسودے لیمبلیٹھو کونسل میں پیش ہوئے

ان میں سے دوسرا ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی میعاد ختم ہونے کے بعد عارضی استعمال کے لئے تھا۔ اس سے ان علاقوں میں جہاں باغیانہ افعال اور جرائم سرزد ہونے کا شبہ ہو، ہائیکورٹ کے تین ججوں کی ایک عدالت بنانے اور اس عدالت کو مقدمات سازش کی سماعت کا حق دیا گیا تھا۔ اس کے فیصلوں کی اپیل ناممکن تھی۔ مشکوک اور مشتبہ اشخاص سے بھی ضمانت طلب کی جاسکتی تھی۔ انھیں کسی خاص جگہ پر مقیم رہنے اور کسی خاص کام سے باز رہنے کی ہدایت ہو سکتی تھی۔ ایک جج اور ایک غیر سرکاری آدمی کی ایک کمیٹی بھی بنائی جاسکتی تھی۔ اس کا کام ان حالات اور ثبوتوں پر غور کرنا تھا جن کی بنا پر کسی شخص کے خلاف اس قسم کے احکامات جاری کئے جاسکتے تھے جو بونکی حکومتیں ان لوگوں کو نظر بند کر سکتی تھیں جن کی سرگرمیوں کے بارے میں انہیں یہ یقین ہو کہ امن عامہ کے لئے خطرناک ہیں۔ جو لوگ پہلے سے نظر بند تھے انہیں اس بل کی رو سے مزید عرصے تک نظر بند رکھا جاسکتا تھا۔ پہلے بل میں یہ تھا کہ وہ شخص قابل تعزیر ہے جو تقسیم یا شائع کرنے کے خیال سے کوئی باغیانہ مسودہ اپنے پاس رکھے۔ اگر کوئی ملزم سرکاری گواہ بننا چاہے تو اس کے لئے معافی کا انعام رکھا گیا تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو کسی خاص جرم کے بارے میں جس کی سماعت لوکل گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر نہ ہو سکتی تھی، ابتدائی تحقیقات کے لئے پولیس کو حکم دینے کا اختیار مل گیا تھا۔ حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم میں سزا یافتہ لوگوں سے مدت سزا ختم ہونے کے بعد بھی نیک چلنی کی ضمانت طلب کی جاسکتی تھی۔

گاندھی جی میدان میں ابھی رولٹ بلوں کے مسودے پیش ہی ہوئے تھے کہ ملک میں ہلچل مچ گئی۔ کیا یہی ان قربانیوں کا پھل ہے جو ہندوستانی جنگ عظیم میں کر چکے ہیں؟ کیا فلینڈرز کے میدان پر خون کا دیباہا کر جرم فوج کو اس میں غرق کرنے کا صلہ یہی ہے؟ ۲۷ فروری کو گاندھی جی نے اعلان کیا کہ اگر یہ بل منظور کئے گئے تو وہ عدم تعاون کی تحریک شروع کریں گے۔ اس وقت

گانہی جی اپنی بیغرض خدمات اور اونچے نصب العین کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں یکساں مقبول اور عزیز تھے۔ انھیں ایک روحانی رہبر سمجھا جاتا تھا اور ہندوستانیوں کے دلوں میں بلا تیز مابہب و ملت ان کے لئے احترام تھا۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق حاصل کرنے میں انہوں نے حکومت برطانیہ پر عدم تشدد سے جو فتح حاصل کی تھی اس نے انہیں سب کی نظروں میں ایک اونچا انسان بنادیا تھا۔ اس وقت وہ احمد آباد میں رہتے تھے اور مختلف قسم کے معاشرتی اصلاح کے کام کیا کرتے تھے۔ اب انہوں نے رولٹ بلوں کے خلاف وہی عدم تعاون کی سٹیج گرہ کا ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جس سے وہ افریقہ میں ایک معرکہ سر کر چکے تھے کیونکہ ان کی رائے میں ایسا کرنا ان کا فرض تھا۔ اس اعلان سے حکومت اور اعتدال پسند طبقہ جو کہتے تو ضرور ہوئے مگر حکومت نے اسکے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ اعلان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے حکومت خائف ہو سکے۔

صلح کانفرنس بریتش کوں کی قسمت کا فیصلہ

کے متعلق یہ سوچا جانے لگا کہ کسی اتحادی سلطنت کی سیادت میں انھیں خود اختیار حکومت دیدی جائے۔ مسلمانوں نے ان علاقوں میں حکومت خود اختیاری کے قیام کا تو خیر مقدم کیا لیکن انھوں نے ان علاقوں کے قطعی طور پر بریتش سلطنت سے جدا کر دیئے جانے کے خلاف احتجاج کیا صلح کانفرنس میں یہ بھی زیر غور تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کر دی جائے۔ انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں سر آغا خاں اور سید امیر علی وغیرہ نے ۳ مارچ کو وزیر خارجہ برطانیہ کو ایک یادداشت بھیجی اور اس میں یہ ظاہر کیا کہ اگر مجلس صلح نے اس صوبے میں حکومت خود اختیاری قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو حکومت خواہ کسی قسم کی بھی رکھی جائے مسلمانان عالم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسے مسلمان فرمانروا کے

ماتحت دکھا جائے۔ صرف بیت المقدس ہی مذہب اسلام اور اسلامی روایات سے گہرا تعلق نہیں رکھتا بلکہ ۱۴ سو سال سے یہ ساری ہر زمین مذہب اسلام کی یادگاروں سے معمور ہے۔ اسے یہودی سلطنت بنا کر کسی یہودی حکمران کے ماتحت کر دینے سے مسلمانوں کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ وہاں یہودی مجموعی آبادی کا صرف ساواں حصہ ہیں۔ آرمینیا کے واسطے نئی حکومت ترتیب دیتے وقت مسلمانوں کی اس کثیر آبادی کا لحاظ رکھا جائے جو بہت سے اضلاع میں اکثریت رکھتی ہے اور ان کو ایذا رسانی سے بچایا جائے۔ مگر ان الفاظ سے مسلمانوں کے اس غم و غصہ کا مکمل اظہار ممکن نہیں ہے اس وقت مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھا۔ حکومت برطانیہ کی ریشہ دوانیوں سے ان کے سینوں میں بچینی کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

صدر سکرٹری مسلم لیگ کے استعفا اب مسلمان اعتدال پسندی کو چھوڑ کر انتہا پسندی کی طرف جا رہے تھے۔ ۲۸ فروری کو لیگ کے مستقل صدر مہاراجہ محمود آباد اور اعزازی سکرٹری سید وزیر حسن نے اپنے اپنے استعفا کارکنان لیگ کے پاس بھیج دیئے۔ یہ استعفا لیگ کونسل کے اس جلسے میں پیش کئے گئے جو ۹ مارچ کو منعقد ہوا۔ لیکن اس جلسے میں ان استعفوں پر غور کرنے کے مسئلہ کو اس وجہ سے ملتوی کر دیا گیا کہ ایک مرتبہ پھر اس کی کوشش کی جائیگی کہ یہ دونوں حضرات اپنے استعفا واپس لے لیں۔ ۳۰ مارچ کو لیگ کونسل کا دوسرا جلسہ ہوا۔ یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ مذکورہ بالا استعفوں میں سے کوئی استعفا واپس نہیں لیا جائیگا۔ مسلم لیگ کا ایک ملتوی شدہ عام جلسہ سالانہ اجلاس دہلی کی ایک تجویز کے بموجب ۱۹ اور ۲۰ اپریل کو علیگڑھ میں ہونے والا تھا۔ استعفوں کی منظوری کے مسئلہ کو اس عام جلسے میں پیش کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اور اس دوران میں کام چلانے کے لئے کونسل نے حاجی محمد موسے خاں رئیس علیگڑھ جو انٹ سکرٹری سے عارضی طور پر آنریری سکرٹری کی جگہ کام کرنے کی درخواست

کی۔ لیکن جو جلسہ علیگڑھ میں ہونے والا تھا وہ کورم کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے منعقد ہی نہ ہوا اس پر لیگ کونسل نے آئریبل مسٹر ابوالقاسم فضل الحق پٹیڈر کلکتہ کو صدر، سپریمور احمد بی، اے ایل، ایل، ای، الہ آباد کو آئریبل مسکرٹری اور خلیق الزماں بی، اے ایل، ایل، بی، دکنہ کو آئریبل جوائنٹ مسکرٹری بنا کر عہدوں کو اس وقت تک کے لئے طے کر دیا جب سالانہ اجلاس لیگ ۱۹۱۹ء قواعد و ضوابط میں ترمیم ہونے کے بعد تنازعہ انتخابات کرے۔

لیگ کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کا سوال ۱۹۱۶ء سے درپیش تھا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی جو ۱۹۱۸ء کے اجلاس میں اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ کونسل نے اس رپورٹ کو منظور کر لیا تھا اور امید تھی کہ سالانہ اجلاس ۱۹۱۸ء میں ترمیم شدہ قواعد و ضوابط منظور کر لئے جائیں گے۔ مگر اجلاس کا تمام وقت دیگر اہم مسائل کی نذر ہو گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ ایک اور ملتوی شدہ جلسہ میں جو علیگڑھ میں ۱۹ اور ۲۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہو گا قواعد و ضوابط پر غور کیا جائے۔ یہ وہی جلسہ تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور جو کورم پورا ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہو سکا۔ مارچ کے تیسرے ہفتے میں رولٹ بل منظور ہو کر رولٹ ایکٹ بن گیا گو ہندوستانی ممبران کونسل مخالفت کرتے رہ گئے۔ گاندھی جی نے تحریک شروع کر دی۔ اعلان کیا گیا کہ ۳۰ مارچ کو سارے ہندوستان میں ہڑتال ہوگی پھر یہ تاریخ اپریل تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔ مگر اتوا کا اعلان صحیح طریق پر ہونے کی وجہ سے دہلی میں ۳۰ مارچ ہی کو ہڑتال ہوئی۔ کچھ لوگ ریلوے اسٹیشن پر دکان داروں کو کانٹیں بند کرنے کی ترغیب دینے لگے۔ ذمہ دار افسروں نے ان میں سے دو تین آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ مجمع نے گرفتار شدہ آدمیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ان کی ضمانت کا بھی انتظام ہو گیا مگر افسرانہ گورنر ارشدگان کو نہ چھوڑا مجمع اسٹیشن کے ان گھس گیا۔ آدمی تقریباً آٹھ سو تھے۔ فوج اور پولیس کے سپاہی تقریباً تین سو تھے۔ ذمہ دار افسروں نے مجمع پر گولی چلا دی۔ اس سے بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ ۶ اپریل کو تمام ہندوستان میں زبردست ہڑتال ہوئی، جلوس نکلے اور حکومت کے خلاف شاندار اور موثر مظاہرے

کئے گئے۔ ان تمام کارروائیوں میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کے شریک حال تھے اس غیر معمولی اتحاد نے پرجوش اور دلچسپ نظاروں میں جان ڈال دی۔ شاندار مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم کی اوٹ سے ہندوستان کے قومی عروج کا آفتاب طلوع ہوتا دکھائی دینے لگا تھا۔ جوش اتحاد میں سب جماعتیں اپنے اپنے اختلافات بھول گئیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے شربت کے گلاس پیئے اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے ہاتھوں سے۔ چلو سوں میں نعرے لگتے تھے "ہندو مسلم بھائی بھائی" مسلمانوں نے رواداری اور ہندو دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے پیشانیوں پر نقشے لگائے اور ہندو لیڈروں کو اپنی مسجدوں میں منبروں پر کھڑے ہو کر تقریریں کرنے کی اجازت دی

دہلی میں جو گولی چلی تھی وہ ہلاکت کی اس آندھی کا صرف ایک جھونکا تھا جو مختصر پنجاب میں چلنے والی تھی۔ صوبے کے لفٹنٹ گورنر نے ایک تقریر میں کہا کہ جو لوگ رولٹ ایکٹ کی مخالفت کریں گے ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائیگی امرتسر والوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس اپنے ہاں مدعو کر رکھے تھے۔ ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال تیاریاں کر رہے تھے۔ حکومت پنجاب لیگ اور کانگریس کے اجلاس پنجاب میں منعقد کرنے کے سخت خلاف تھی۔ ۳۱ مارچ اور ۱ اپریل ۱۹۱۹ء کو ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر ستیہ پال اور حافظ محمد بشیر کی زبان بندی کے احکام جاری ہو گئے۔ ۱۰ اپریل کی صبح کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان تینوں کو اپنے مکان پر بلوایا اور کسی نامعلوم مقام پر بھیجا، جو پھر یہ خبر عام ہوئی سارے شہر میں مکمل ہڑتال ہو گئی لوگ ہزاروں کی تعداد میں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلے کا رخ کیا۔ وہ حاکم ضلع سے دونوں لیڈروں کی رہائی کی درخواست کرنی چاہتے تھے جب مجمع ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے راستے میں فوجی دستوں کو حائل کر دیا گیا جنہوں نے مجمع کو زبردستی آگے بڑھنے سے روک کر چھپے کی طرف دھکیلا۔ اس وقت مجمع نے فوج پر اینٹیں اور پتھر برسائے۔ فوج نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ کئی آدمی ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے

ہجوم نے زنجیوں اور مردوں کا جلوس بتایا اور شہر کی طرف چلا۔ اس نے نیشنل بینک کو آگ لگائی اور اس کے انگریز منیجر کو قتل کر دیا۔ پانچ دیگر انگریز بھی قتل ہوئے۔ ریلوے کے گڈز شید کو نذر آتش کر دیا گیا۔ دہلی میں گولی چلنے لگے۔ پنجاب کی شورش کی خبر پا کر گاندھی جی دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر راستے میں انہیں روک کر نوٹس دیا گیا کہ وہ پنجاب اور دہلی میں داخل نہیں ہو سکتے۔ گاندھی جی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی لفٹنٹ گورنر پنجاب کے حکم سے گرفتار کر کے انہیں بمبئی کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ لاہور میں گاندھی جی کی گرفتاری کی خبر سے بھپنی پھیل گئی۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو سکے فوج نے جمع کو ٹھنڈی ہڑت پر روک لیا اور اس پر گولی چلائی۔ ۱۲ اپریل کو لاہور کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس سانحے پر اظہارِ افسوس کیلئے شاہی مسجد میں ایک جلسہ کیا وہاں کسی نے سی آئی ڈی کے کسی آدمی کے کپڑے جلا دیئے۔ جب مجمع مسجد سے باہر نکلا تو اس پر گولیاں برسائی گئیں۔ مسجد بند کر دی گئی بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر کے سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ مارشل لا نافذ کر دیا گیا، لوگوں کو بے تکلف بیدوں کی سزا دی جانے لگی۔ ذمہ دار افسر کنریل جانسن نے حکم دیدیا کہ اگر کوئی شخص دوکان کھولنے میں مزاحم ہو تو اسے گولی سے مار دیا جائے۔ سناٹن دھرم کالج کے روائے پر جو نوٹس چسپاں کیا گیا تھا اسے کسی شخص نے پھاڑ ڈالا تھا۔ اس پر کالج اور اس کی عمارت میں رہنے والوں کو جن کی تعداد پانچ سو تھی گرفتار کر کے تین میل تک گرمی میں لایا گیا اور دو روز تک روکا گیا۔ دو سے زیادہ اشخاص کو مل کر نہ چلنے کا حکم دیا گیا کرنیل نے شہر پر چار ایروپلین بھی اڑائے دو ہوائی جہازوں کو خاص طور پر نیچے نیچے اڑنے کا حکم دیا گیا تاکہ اشارہ پاتے ہی وہ لاہور پر بم باری شروع کر دیں۔ تصویریں ۱۰ اپریل کی شام کو ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ اس میں رولٹ ایکٹ پر تقریریں کی گئیں گاندھی جی کی گرفتاری پر ہڑتال بھی کی گئی جو تاریخ تک جاری رہی ایک مجمع سیاہ جھنڈیاں لئے ہوئے اسٹیشن کی جانب بڑھا۔ اس نے ریلوے اسٹیشن، مال گاڑیوں

اور سپر فزینوں پر حملہ کیا اور جو نقد روپیہ وہاں پر موجود تھا لوٹ لیا۔ ایک گاڑی روکی جس میں دو گورہ فوجی سپاہی تھے۔ ان گوروں نے مجمع پر ایک دو فائر کئے۔ مجمع نے ان پر حملہ کر کے انھیں جان سے مار ڈالا۔ ایک چھوٹا سا آئل شیڈ جلا دیا گیا۔ سگنل گرا دیئے تارکاٹ ڈالے ایک برانچ پوسٹ آفس کو لوٹ لیا۔ بڑے ڈاکھنڈ کو نذر آتش کر دیا۔ منصف کی کچہری کو بھی جلا ڈالا۔ یہ سرکاری میانات ہیں۔ پبلک کا بیان یہ ہے کہ پہلے سختی کر کے ہجوم کو مشتعل کیا گیا تھا۔

جلینوالہ کا سانحہ گوجرانوالہ میں ۶ اپریل کو ہڑتال ہوئی۔ اس سے ایک دن پہلے ایک جلسہ بھی ہو چکا تھا، گاندھی جی کی گرفتاری پر کلکتہ اور بمبئی میں بھی گولی چلی۔ ملک کے دوسرے حصوں اور دیہاتوں سے بھی یہی خبریں سننے میں آئیں کہ گاڑیوں پر پتھر برسائے گئے، ریلوے اسٹیشنوں کو نذر آتش کیا گیا اور تارکاٹ دیئے گئے۔ چند انگریز اور ہندوستانی افسر بھی مشتعل عوام کے ہاتھوں مارے گئے مگر امرتسر میں صورت حال بہت خراب ہو چکی تھی۔ ۳۰ اپریل کو جلینوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جلسہ میں بیس ہزار مرد و عورتیں اور بچے تھے۔ شہر فوج کے حوالے ہو چکا تھا، کمان جنرل ڈائرنامی ایک ظالم اور شقی انسان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جلسہ گاہ میں سو ہندوستانی اور پچاس انگریز سپاہیوں سمیت داخل ہوا اور مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دیکر دو تین منٹ بعد ہی گولی چلائے کا حکم دیدیا۔ بیس ہزار کا مجمع دو تین منٹ میں منتشر نہیں ہو سکتا تھا۔ پانچ سو آدمی ہلاک اور دو ہزار زخمی ہوئے۔ رات بھر زخمی لوگ بغیر کسی طبی امداد یا دامنہ پانی کے وہیں پڑے تڑپتے رہے۔

جلینوالہ کے علاوہ بھی امرتسر میں جنرل ڈائرنے بڑے مظالم توڑے پانی اور بجلی کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ لوگوں کو برسر عام کوڑوں اور بید زنی کی سزا دی جاتی تھی۔ دو سے زیادہ آدمی ایک ساتھ راستوں پر نہیں چل سکتے تھے۔ دیسی آدمیوں کے لئے سائیکل چلانا ممنوع تھا۔ جن لوگوں نے دکانیں بند کر دی تھیں ان سے زبردستی دکانیں کھلوائی جاتی تھیں۔

ورنہ انھیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اجناس کی قیمتیں فوجی افسر مقرر کرتے تھے ایک مشنری عورت ڈاکٹر مس شرڈ و ایک تنگ گلی میں سے سائیکل پر سوار جا رہی تھی۔ اس پر چند لوگوں نے حملہ کیا۔ اس کی سزایہ مقرر ہوئی کہ ہر وہ شخص جو اسی گلی سے گزرے سپٹ کے بل ریٹکے۔ تمام وکیلوں اور بیرٹروں اور معززین کو اسپیشل پولیس بنا کر یہ حکم دیدیا کہ سارے دن شہر میں گشت کیا کریں اور دن میں تین مرتبہ جنرل صاحب کو رپورٹ دیا کریں سرمایہ کل اوڈوائز لفٹنٹ گورنر پنجاب کو یہ سب کچھ بہت پسند آیا اور جنرل ڈائر کے نام ان کا تار آیا کہ تمہاری کارروائی درست ہے۔ لفٹنٹ گورنر پند کرتے ہیں۔

۱۴ اپریل کو گوجرانوالہ میں فساد شروع ہو گیا۔ اور اس کے قرب و جوار کی چودہ آبادیوں میں بھی شورش پھیل گئی۔ سرکاری بیان کے مطابق اسٹیشن جلائے گئے، تار کاٹ ڈالے گئے، سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا گیا، یوروپینوں پر حملہ کئے گئے اور رام نگر میں تو ملک معظم کا ایک فرضی بت بنا کر اُسے نذر آتش کیا گیا۔ ۱۶ اپریل کو وہاں مارشل لاء نافذ ہو گیا اور ہوائی جہازوں سے بم برسے۔ حکومت نے کئی مرتبہ گولی بھی چلائی پہلے سے بھی علی الاعلان ہد کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ پولیس جو فہرست پیش کرتی تھی اسی کے مطابق شہریوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کو گرفتار کیا جاتا تھا انھیں ٹریول اور ہتھکڑیوں سمیت دو میل تک بازاروں میں پھرایا جاتا تھا۔ ہندوستانی ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جاسکتے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ جہاں کہیں کسی انگریز کو دیکھیں فوراً سلام کریں۔ سوار ہوں تو پیادہ ہو جائیں۔ چھتریاں لئے ہوئے ہوں تو انھیں جھکالیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو زد و کوب اور ان پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔ ۱۶ اپریل کو قصور میں بھی مارشل لاء جاری ہو گیا اور لوگوں کو وحشیانہ سزائیں دی جانے لگیں۔

حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار کر کے بمبئی پہنچایا وہاں پہنچ کر انھوں نے لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کی اور احمد آباد روانہ ہو گئے کیونکہ وہاں حالات بہت نازک تھے۔ پنجاب کے حالات کی خبر پا کر انھیں بہت صدمہ ہوا

تحریک ہند

۲۰ جولائی کو ایک اعلان میں انھوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ میری ایک بہت ہی بڑی غلطی تھی انہوں نے قیام امن کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ تحریک ہند کر دی۔ مگر تحریک کی واپسی کے بعد بھی مارشل لا واپس نہیں لیا گیا۔ تیسری جنگ افغانستان شروع ہو چکی تھی اس لئے اس کی مدت میں توسیع کر دی گئی۔ ۲۰ رادر ۲۱ اپریل کو کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی اور میرز پٹیل اور کیدکار کا ایک وفد انگلستان بھیجا گیا۔ پنڈت مالویہ نے لارڈ سنہا کو جواب نائب وزیر ہند تھے ایک بحری تاریخ کا کہ وہ مارشل لا منسوخ کرائیں، ۲۰ اپریل کے اجلاس کانگریس میں حاضرات پنجاب کی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔ کانگریس نے ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ ہندوستان اور انگلستان میں قانونی کارروائی کرنے کے علاوہ اس کے اخراجات کے لئے روپیہ بھی جمع کرے۔ اس دور میں مسلمان کثیر تعداد میں کانگریس میں شامل تھے وہ سیاسیات میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اور ان کی شرکت سے کانگریس میں جان پڑ گئی تھی۔

مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر مسئلہ خلافت
مسلمان اور حادثات پنجاب

کیونکہ اس وقت خلافت اور ترکوں کے مستقبل اور مقامات مقدسہ اسلامی کے تحفظ پر ملت اسلامیہ کے مستقبل کا انحصار تھا۔ مگر وہ ہندوستان کی خدمت سے غافل نہیں تھے۔ ۱۹۱۸ء کے خطبہ صدارت مسلم لیگ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس قدر زور طریق سے صدر منتخب مسٹر فضل الحق نے برطانوی حکومت کا تار و پود بکھر کر رکھ دیا تھا اور مسلمانوں کو اس کی دیرانہ مخالفت کی تلقین کی تھی۔ حادثات پنجاب میں بھی مسلمانوں اور ہندوؤں نے دوش بدوش برطانوی مشینوں کی گولیاں کھائیں اور ایک دوسرے سے شانہ ملا کر حکومت کی سنگینوں سے زخم لئے۔ جہاں تک حادثات پنجاب کی تحقیقات کا تعلق ہے مسلمان بھی اتنی ہی زوردار آواز سے تحقیقات اور تلافی مظالم کا مطالبہ کر رہے تھے جتنی قوت سے کانگریس صدامند کر رہی تھی۔ اس صدام میں بھی بہت کچھ زور مسلمانوں ہی کا تھا۔

باب

مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ

صلح کانفرنس برٹش کی کے حصے بخرے نومبر ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے خاتمے پر امریکہ کے صدر وڈرو ولسن کے چودہ

نکات کی بنیاد پر اتحادیوں اور جرمنی و ترکی وغیرہ میں ایک عارضی صلح ہوئی تھی۔ ان نکات میں سے بارہواں نکتہ یہ تھا "موجودہ سلطنت عثمانیہ کے ترکی حصے اسی کے پاس رہیں گے۔ لیکن ان دوسری قوموں کو جو اب ترکوں کے ماتحت ہیں غیر مشتبہ حفاظت جان اور خود اختیاری نشوونما کے بے ضرر امکانات کی طمانیت دی جائیگی۔ مگر مئی ۱۹۱۹ء میں پیرس کی صلح کانفرنس نے فیصلہ کر دیا کہ ترکی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپین حکومتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ انگلستان عراق بے لے۔ اور اسے فلسطین اور عرب کی حکمرانی بھی سونپ دی جائے۔ فرانس شام پر قابض ہو اٹلی عدلیہ اور اس کی متحدہ سرزمین پر قبضہ کر لے۔ یونان کو سمرا اور اس کے ساتھ کی ساحلی زمین بے لے۔ ترکی سلطنت کو اناطولیہ ہی میں محدود کر دیا جائے۔ سینون اسکی بندرگاہ ہو۔ قسطنطنیہ کو ایک آزاد بین الاقوامی شہر بنا دیا جائے۔ اور قسطنطنیہ اور آرمینیا کی حکمرانی امریکہ کو حاصل ہو۔

مسلمانان ہند میں جو پہلے ہی غیر مطمئن اور مایوس تھے صلح کانفرنس کے ان ارادوں کی خبر سے شدید عین پھیل گئی۔ یہ تو ان وعدوں کی صریح خلاف ورزی ہے جو ہم سے کئے گئے تھے دھاکم بدھن کیا اسلام دنیا سے مٹ رہا ہے؟ خوف و ہراس کی ایک لہر اس سرے سے اُس سرے تک سب کے دلوں کو اندیشوں اور مایوسیوں میں غرق کر گئی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

شرف مکہ کے ہاتھوں میں جا چکے ہیں جو ایک بے حمیت اور ہندۂ عرض انسان ہے اور انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ کیا اب سلطنت عثمانیہ اور خلافت کو نیست و نابود کیا جائیگا؟

جنگ سے واپس آئے ہوئے سپاہی، وہ باشندے
مسلمانوں میں اتھاہ بچینی جنہوں نے اتحادیوں کی فتح کے لئے اپنے مال و متاع

کی قربانی کی تھی، وہ دالیان ریاست جنہوں نے برطانیہ کو فاتح دیکھنے کے لئے اپنے سب سائل
 انگریزوں کے لئے وقف کر دیئے تھے سب خوف زدہ اور متحیر تھے۔ کھلا ہوا نقص عہد تھا انگریز
 ترکی حکومت سے اس کے زرخیز اور شاداب علاقے نہ چھیننے کا وعدہ کر کے بھی یہ علاقے
 چھین رہے تھے۔ مسلمانوں میں صرف پچیدگی اور پریشانی ہی کا احساس نہ تھا بلکہ وہ خود کو
 ایک عظیم مصیبت میں گھرا ہوا پاتے تھے۔ یہ خیال سوہان روح تھا کہ ہم ہی ترکوں کے خلاف
 لڑے۔ ہم ہی نے ان کے علاقے فتح کر کر کے انگریزوں کو دیئے اور اب ہم ہی سے کئے ہوئے
 وعدوں کو پس پشت ڈال کر برطانیہ ان علاقوں کو اپنے اور اپنے حلیفوں کے درمیان تقسیم کر رہا
 ہے۔ سوال علاقوں کا نہیں تھا۔ سوال تو ترکوں اور خلافت کی بربادی کا تھا۔ سوال یہ تھا کہ
 آیا ازمنہ تاریک کے مذہبی عناد کو تازہ نہیں کیا جا رہا ہے؟ آیا مذہبی جنون اور کینہ پروری کا
 مظاہرہ نہیں ہو رہا ہے؟ کیا جنگ اسی جذبہ سے لڑی گئی ہے؟ کیا مسلمانوں کو بیوقوف بناتے
 ہوئے یورپ نے یہ سیاسی چال نہیں چلی؟ کیا برطانیہ کو اکٹھ کر ڈر مسلمانان ہند کے جذبات
 وحشیات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں؟ کیا پرنڈینٹ ولسن کے اصول حق خود اختیاری کی تعمیر
 یہی ہے جس کی بنا پر جنگ بندی گئی تھی؟ کئی صدیوں سے اس سلطنت کا سرگردہ خلیفہ اسلام
 اور سلطان کو فلسطین، شام، عراق، عرب اور ترکی کے تمام مقدس مقامات کا نگران تھا۔ کیا
 مسلمانان ہند اس کا یہی حشر دیکھنے کے لئے برطانیہ کی امداد کے لئے آگ اور خون کی ہولی کھینچنے
 کے لئے جنگ کے اکھاڑے میں اترے تھے؟ ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی بلاتمیز
 فرقہ و عقیدہ اپنے دل میں ان سوالات سے خلش محسوس کر رہی تھی۔ ہندوستان کے ہر گوشے
 میں بغض و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ پشاور سے لیکر اکاٹ تک مسلمان جوش سے بھر گئے

زنان خانوں میں مسلمان عورتیں ترکی کے شہر پرانسو بہا رہی تھیں۔ تجارت پیشہ لوگ جو بالعموم پبلک معاملات سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے اپنا کاروبار چھوڑ کر یچینی کے ساتھ سیاست کی طرف آرہے تھے۔ علماء اسلام جو اس وقت تک سیاست سے بے تعلق رہے تھے مجروں سے باہر نکل آئے تھے اور صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔ اسلام کی تباہی کا خوف ان کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ ترک ایک عرصہ دراز سے اسلام کی پشت پناہ ہوئے تھے۔ مسلمان ان کی تباہی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے سینوں میں غصہ و احتجاج کا طوفان عظیم اٹھ کھڑا ہوا۔

سمرنا میں یونانیوں کے مظالم | عارضی شرائط صلح کی رو سے وقفہ جنگ کے دوران میں یونان کو سمرنا میں اپنی فوجیں اتارنے کی اجازت مل گئی۔ ترکوں سے ہتھیار چھینے جا چکے تھے۔ وہ سمرنا میں یونانی فوجوں کے داخلے پر مزاحمت کرنے کے قابل نہ تھے۔ ترکی سپاہ باگروں میں مقیم رہی۔ مگر پہلے سے فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے خونریزی اور مظالم کئے جائیں گے۔ یونانیوں کے کارندے پہلے ہی سے اشتعال انگیزی کا سامان کرتے پھرتے تھے۔ یونانی ریڈ کراس سوسائٹی کے زیر اہتمام مقدونیہ کے پدمعاشوں کے گروہ جہازوں میں سوار کر کے لائے گئے تھے۔ انھوں نے اپنی اشتعال انگیز حرکتوں سے ترکوں کے ہاتھوں سے تحمل و برداشت کی عنان چھڑا دی۔ ترک سپاہ نے چند گویاں چلا دیں۔ پھر کیا تھا۔ مسلح یونانی بہتے ترکوں پر چڑھ دوڑے اور ترک سپاہیوں کو ہلاک اور زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ترک عورتوں کی نقابیں اتار دی گئیں انہیں بھرت کیا گیا اور یونانیوں نے دیوانہ وار چلا کر ترکوں سے کہا ہلاؤ اپنے خدا اور رسول کو یہ ترکوں کے سروں سے فیض دترکی ٹوپی، اتار کر انہیں پانوٹوں کے نیچے روند گیا۔ جن ترکوں نے مدافعت کی انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا یا سنگین ان کے سینوں کے پار کردی گئیں۔ یونانی کمانڈر نے اعلان کیا کہ سمرنا پر محاصرہ ہے۔ گویا مسلح فوج کی گمرانی میں قتل و غارت کو جائز قرار دیدیا۔ ترکوں کو قید خانوں میں بھر دیا گیا۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ عثمانی بینک کو لوٹا گیا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں تک کو بھی نہیں بخشا گیا۔

خليفة المسلمين نے ان دل دکھانے والے مظالم پر ایک یورپین نامہ نگار کو ایک ورد انگیز بیان دیتے ہوئے کہا: گورنمنٹ کے قصور کا کفارہ اس طرح کیوں ہو کہ یونانی سپاہ اور یونانی باشندے جن کے مظالم طشت از بام ہیں ایشیائے کوچک کے ہزار ہا معصوم بچوں اور امن پسند باشندوں پر ظلم کریں اور انھیں لوٹیں یا ان کی عورتوں کی عصمت دری کریں اور ان کے شہروں کو جلا لیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں یہ بیان پڑھ کر یا سن کر آنسو نہ بھرائے ہوں۔

وزیر ہند مسٹر ہائیکوٹ کا نفرنس کی تجویزوں کی مخالفت میں مسلمانان ہند کی

تاریخ مسٹر ہائیکوٹ کی اس کوشش کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی جو انہوں نے مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کو حکومت برطانیہ پر ظاہر کرنے کے سلسلے میں کی۔ انہوں نے نہایت دور اندیشانہ اور متصفاد طریق پر مسلمانان ہند کی جینی کا اندازہ لگایا۔ صلح کانفرنس کی غرضی صلح کی تجویزوں کی مخالفت میں انہوں نے برطانوی دارالعوام میں ایک پُر زور اور مدلل تقریر کی اور اس صورت حال کی پیچیدگیوں کا ذکر کیا جو ترکی کو ختم کر دینے کی تجویزوں سے پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں میں صرف پیچیدگی اور پریشانی ہی کا احساس نہیں ہے بلکہ وہ خود کو ایک بڑی مصیبت میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ ان کے روحانی سردار کو جس کے روحانی اور اذکیلئے سلطنت کا قیام بھی ضروری ہے انگلستان کی رضامندی اور مدد سے مقام خلافت سے نکال دیا جانا انکی سب سے بڑی توہین ہے جسکی ضرب ان جذبات پر پڑتی ہے جو اسلام کیلئے زندگی کا حکم رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا احتجاج
ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر ممکن طریق سے صلح کانفرنس کے ارادوں کے خلاف احتجاج کیا۔ ہندوستان کے جو مسلمان انگلستان میں مقیم تھے انہوں نے ۴۴ رجوں کو وزیر اعظم برطانیہ کو ایک طویل عرضداشت بھیجی جس میں وزیر اعظم کے یکم جنوری ۱۹۱۵ء کے وعدے کا حوالہ دیکر یہ ثابت کیا کہ اگر صلح کانفرنس کی تجویزوں پر عملدرآمد کیا گیا تو یہ وعدہ خلافتی اور نقص عہد ہو گا یا دداشت میں یہ مطالب کیا گیا تھا کہ

ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کئے جائیں، حکمرانوں کی قائم کر کے سلطان ترکی کی دنیاوی طاقت کو کھٹایا نہ جائے اور حق خود اختیاری مسلمان قوموں پر بھی عائد کیا جائے اور شمالی حکومت کے غیر ترکی صوبجات پر خلیفہ کی سیادت برقرار رکھی جائے۔ آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ، یقوتوب حسن نے بھی بحال انڈیا، ملینک کے وفد لندن کے سکریٹری تھے وزیر اعظم کو ایک طویل یادداشت بھیجی جس میں انھوں نے مسلمانوں کے جذبات اور ہیجان کی ترجمانی کرتے ہوئے مسئلہ ترکی کا اہمیت بتائی اور یہ درخواست کرتی کہ کو پارہ پارہ نہ کیا جائے اور خلیفہ المسلمین کی طاقت میں کمی نہ کی جائے، ورنہ مسلمانوں اور برطانیہ میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ ولایت میں جن لوگوں نے اس سلسلے میں انتھک کام کیا ان میں سر آغا خاں کا نام بہت نمایاں ہے۔

مسلمانان ہند کے غم و غصے کی چند مخصوص جوبات

جنرل ایلینائی کے سینے پر وزیر اعظم انگلستان نے تھوڑا سا کیا تو اسے آخری فاتح جنگ صلیب و ہلال کہا۔ حالانکہ اس جنرل کی فوج میں تین چوتھائی سے زیادہ ہندوستانی مسلمان تھے۔ کیا انہوں نے شام میں انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنا خون اسی لئے بہایا تھا کہ جنرل ایلینائی آخری فاتح جنگ صلیب و ہلال بن سکے؟ اس سوال نے مسلمانوں کی رگوں میں غیرت اور جوش کے شعلے پیدا کئے۔ مسلمانان ہند کا یہ مطالبہ تھا کہ صلح کانفرنس میں کسی مسلمان کو ضرور لیا جائے کیونکہ وہاں اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اس مطالبے پر قطعاً توجہ نہ دی۔ مصر، مائیکو اور ہندوستان کے مسلمانان ہند کی خواہشوں کو جہاں تک ممکن تھا اچھی طرح پیش کیا لیکن مسلمان نمائندے کے ہونے سے مسلمانان ہند کی خواہشات کو کھلم کھلا پائمال کیا گیا۔ ہندوستان سے مسلمانوں کا وفد گیا۔ وزیر اعظم نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ وفد نے ان کی خدمت میں یادداشت بھیجی۔ اس کا کوئی معقول جواب نہ ملا۔ مسلمان نہیں چاہتے تھے کہ ترکوں کو جنہوں نے اتحادیوں کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، ہار جانے کے بعد بھی مراعات دی جائیں یا فاتح اتحادی مصروف کو اپنے فاتحانہ حقوق دیدے۔ وہ عرف یہ کہتے تھے کہ جن اصولوں پر فریقین کے درمیان

صلح ہوئی ہے ان کو یورپ کی آئندہ شیرازہ بندی میں جہاں تک ترکوں کا تعلق ہے، نظر انداز نہ کیا جائے۔ جرمنی کے جو حصے اس سے جدا کئے گئے تھے ان کو حکومت خود اختیاری کا حق مل گیا تھا۔ لیکن ترکوں سے ان کا دارالحکومت قسطنطنیہ تک چھینا جا رہا تھا۔ اور ان کے وہ صوبے بھی جن میں خالص اسلامی اور زیادہ تر ترکی آباد تھی ان سے جدا کئے جا رہے تھے۔ ان تمام کارروائیوں میں برطانیہ کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ صلح ہوئی تو ولسن ہی کی اصولوں کی بنیاد پر تھی مگر صلح کانفرنس میں اسکی بات نہ چلنے دی گئی۔ وہ اپنا دامن جھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ برطانوی اور فرانسیسی مدبرین کانفرنس کے لیڈر بن گئے انہوں نے ولسن کے اصولوں کو نظر انداز کر کے ترکی کے حصے بخرے کر ڈالے۔ مسلمانوں نے عرضداشتوں اور وفد کے ذریعہ سے برطانیہ کے وزیر عظم کو اس کا سابقہ وعدہ یاد دلایا مگر کوئی جواب نہ ملا صلح کانفرنس کی سپریم کونسل نے کی پامالی کے معاملے میں آگے ہی قدم بڑھاتی رہی۔ حکومت برطانیہ اس کی ہمدردی بہتی رہی کانفرنس کی کترنا دھرتا تھی۔ مئی میں جب پیرس میں صلح کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا مسٹر لینڈن نامہ نگار ڈیلی ٹیلیگراف نے پیرس سے لکھا کہ ”مسلمانوں کے بارے میں دیگر بڑی سلطنتوں کی بہ نسبت زیادہ عملی تجربہ رکھنے کی بنا پر برطانیہ غلطی عثمانیہ خاندان کے دنیاوی و مذہبی اقتدار کا خاتمہ کر دینے پر رضامند ہے۔“ فرانسیسی کہتے ہیں کہ خلیفہ کے مقبوضات کو پوری طرح پارہ پارہ کر دینا ایک سیاسی غلطی ہے اور برطانوی وزیر ہند کا زاویہ نگاہ بھی ہے مگر یہ خوف بے بنیاد ہے کہ ہندوستان، افغانستان اور شمال مشرقی افریقہ میں اس سے چینی پھیلے گی۔“

۱۶ جون ۱۹۱۹ء کو ہزبانٹنس وانا فریدپاشا صدر نیابت عثمان نے پیرس میں صلح کانفرنس کی دس اراکین کی کونسل کے سامنے ایک عرضداشت پیش کی۔ اس

ترکی نمائندوں کی یادداشت اور اسکا
جواب صلح کانفرنس کی طرف سے

میں اتحادی مدبرین کو ترکی کے مسئلے پر متوجہ کرتے ہوئے اس امر کی ضرورت جتائی گئی

تھی کہ سلطنت عثمانیہ کو اسی حالت پر قائم رکھا جائے جو جنگ سے پہلے تھی اور ترکوں کی اقتصادی
 و ذہنی نشوونما کا بندوبست کر کے ترکی حکومت کو لیگ اقوام کا ایک کارآمد رکن بنالیا جائے
 ۵۱ جون کو اتحادیوں نے اس یادداشت کا جواب دیا۔ یہ جواب حد درجہ مایوس کن تھا کہ نسل
 نے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ ترک حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور صاف
 صاف کہہ دیا کہ وہ ترکی سلطنت کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتی مسلمانوں میں مزید
 جوش اور ہیجان پیدا ہوا۔ مسلمانان انگلستان نے وزیر اعظم کو اپنی چوتھی یادداشت بھیجی
 جس میں تفصیل کے ساتھ ان الزامات کا جواب دیا گیا تھا جو کونسل نے اپنی جوابی دستاویز
 میں ترکوں پر عائد کئے تھے۔

مسلم لیگ کی جدوجہد | ہندوستان میں لیگ کی قیادت میں مسلمانوں نے جابجا
 جلسے کر کے صلح کانفرنس کی تجاویز کی مذمت کی اور حکومت

ہند پر علانیہ اور باقاعدہ طور سے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ ترکوں کے واسطے روپیہ جمع
 کرنے کی غرض سے ایک فنڈ کھلا ہوا تھا۔ اس میں ہر طرف سے روپیہ برسے لگا۔ دلی جوش
 اور اضطراب کے ساتھ ہندوستان کے ہر سرچشے پر جلسے کر کے مسلمانوں نے ترکی سلطنت
 کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات اور خواہشات کا اظہار کیا۔ فنڈ کے روپے سے
 اس تحریک کو مدد دی گئی جو انگلستان میں اس سلسلے میں جاری تھی۔ جگہ جگہ مسلم لیگیں قائم
 کرنے کی تحریک شروع ہو گئی۔ ہر جلسے کی کارروائی والٹر اے ہند کی خدمت میں بھیجی جاتی
 تھی تاکہ اسے وزیر اعظم تک پہنچا دیا جائے اور اگر ممکن ہو تا تھا تو وزیر اعظم کو براہ راست
 بحری تار بھیجا جاتا تھا۔ سیٹھ یعقوب حسن مسلم لیگ کے وفد کے سرکاری کی حیثیت سے
 لندن میں تحریک کو چلا رہے تھے۔ انہیں جلسوں کی کارروائیوں اور تجاویز کی اطلاع دی
 جاتی تھی مسلم لیگ کے صدر دفتر سے ہر ہفتے گشتی مراسلات جاری ہوتے تھے جن میں
 ممبروں کو عملی جدوجہد کی تدبیریں بتائی جاتی تھیں۔

خلافت کمیٹی کا قیام | ۱۵ جولائی ۱۹۱۹ء میں بمبئی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی

اس کے قیام کا منشا مسلمانوں کے تمام طبقوں کی جو خلیفۃ المسلمین اور انکی سلطنت کی بقا اور خصوصاً جزیرۃ العرب کی مقدس سرزمین کی حفاظت کے لئے یحییٰ تھے، رہنمائی کرنا تھا۔ تحریکوں کے ساتھ جو بے الصافیاں ہو رہی تھیں ان پر احتجاج کرنا، تمام ہندوؤں میں شاخیں قائم کر کے مسلمان کو اس مسئلے کی اہمیت اور تازہ واردات سے باخبر کہنا، جا بجا جلسے کر کے ان احتجاج کی تجویز میں منظور کر کے برطانیہ کے ارباب اختیار کو بھیننا، مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کے بارے میں مسلمانان ہند کے جذبات کی ترجمانی کرنا وغیرہ امور اس کے مقاصد میں داخل تھے۔ خلافت کمیٹی کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اس لئے یہ لوگوں میں بہت جلد ہر دلعزیز ہو گئی اور بہت جلد اس نے مسلمانوں کی اولین رہنما جماعت کی حیثیت حاصل کر لی۔

مسلم لیگ کونسل کا ایک فوری اور اہم جلسہ | ابھی تک صلح کانفرنس کے ارادوں اور تجاویز کا حال بالا بالا ہی معلوم

ہوا تھا۔ اگست میں رائٹر ایجنسی نے ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپین حکومتوں کا بانٹ دینے والی ان تجاویز کو مصدقہ طور پر شائع کر دیا جن پر صلح کانفرنس کی سپریم کونسل غور کر رہی تھی۔ ۱۲ اگست کو انگلستان سے جو بحری تار موصول ہوئے انہوں نے اسلامی دنیا کے دلوں کو ہلادیا۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ برطانیہ مسلمانوں کے اس قدر شدید احتجاج کے باوجود قسطنطنیہ سے ترکوں کو نکالنے اور وہاں ایک بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کے حق میں ہے اور تقریباً کل صوبہ تھریس یونان کو ویدینے پر آمادہ ہے۔ اس سے مسلمانوں نے فوری عمل کی رفتار اور بھی تیز کر دی، اسلامی دنیا کے دل پر ایک کاری ضرب لگی، مسلم لیگ کی کونسل نے ایک پر زور عرضداشت بذریعہ تاریخی اور ایک فوری جلسہ منعقد کیا۔ اسمیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقد کی جائے اور اس میں ہر طبقہ و خیال کے مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ سب ملکر موجودہ نالاک صورت حالات اور اس کے علاج کے بارے میں غور کر سکیں۔

۲۱ ستمبر کو رفاہ عام کھنڈ میں مسیحی خلافت
 آل انڈیا مسلم کانفرنس کھنڈ ۱۹۱۹ء

۲۱ ستمبر کو رفاہ عام کھنڈ میں مسیحی خلافت
 آل انڈیا مسلم کانفرنس کھنڈ ۱۹۱۹ء
 و اضطراب کا ایک بے پایاں سندر سینوں میں لئے ہوئے اس کانفرنس میں شریک ہوئے
 جو تجاویز اس میں منظور ہوئیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ ترکی سلطنت کو پارہ پارہ نہ کر کے
 خلیفہ المسلمین کے دنیاوی اقتدار کو ضرب لگنے سے بچایا جائے کیونکہ دنیا بھر کے مسلمانوں
 کا مذہبی مفاد خلیفہ المسلمین کے اقتدار کی بحالی سے وابستہ ہے اور ترکوں کے علاقوں کو
 خود اختیار حکومتیں دیکر ترکوں کی حکمرانی کے ماتحت کر دیا جائے جس کی نگرانی لیگ اقوام
 کرے۔ یہ تجویزیں بذریعہ تار و زبر اعظم کو بھیج دی گئیں۔ ان مطالبات کے علاوہ کانفرنس
 نے عملی کارروائی کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

اس سلسلہ میں دو اہم تجویزیں منظور کی گئیں۔ اول یہ
 عملی کارروائی کا فیصلہ

۱۔ اراکتوبر کو مسلمانان ہند ملک کے طول و عرض
 میں یوم دعائیں۔ اس روز ترکوں کی سلامتی کے لئے دعائیں کی جائیں جلسے منعقد ہوں
 اور ان جلسوں میں مسلم کانفرنس کی تجویزوں کو دہرایا جائے اور کارروائی کی تخلیق و سر اے
 کو بھیجی جائیں تاکہ وہ وزیر ہند کو روانہ کر دیں۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ بیٹی کی خلافت کمیٹی کو اس
 سلسلے میں مسلمانان ہند کی رہنما جماعت تسلیم کیا جائے۔ اس کمیٹی کی شاخیں ملک
 کے کونے کونے میں کھولی جائیں۔ بیٹی کی خلافت کمیٹی مسلمانان ہند کی ان تمام کوششوں
 کا مرکز بن جائے جو خلیفہ المسلمین اور ان کی سلطنت کی سلامتی اور جزیرہ العرب
 کے تحفظ کے سلسلے میں کریں۔

۲۔ اسی ماہ میں شاہی کونسل کا افتتاح ہوا۔ وائسرائے ہند
 نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی خواہشات
 کی ترجمانی جتنی میرے بس میں تھی میں نے کر دی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آواز

کمک برتری کی سٹیٹ اور ان کے توسط سے حکومت برطانیہ تک پہنچا دیا ہے۔ ۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو انہوں نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ پریشانی کو محسوس کرتا ہوں اور اس پریشانی کے متعلق انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جو انھیں فرکی صلیح کے نام پر پیام کے نتیجہ کے متعلق محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ انکے احساسات کس قدر طاقتور ہیں برطانیہ کی طرف سے صلیح کا نفرنس میں شریک ہونے کیلئے خاص مسلم نمائندے بھی بھیجے گئے تھے۔ ان باتوں کا نتیجہ تو اچھا کچھ بھی نکلے (اسلئے کہ اس کا دار و مدار ان باتوں پر ہے جو ہندوستان یا انگلستان کے علاوہ دوسروں کے مفاد پر بھی اپنا اثر ڈالتی ہیں) ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے جذبات کی پوری نمائندگی کر دی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ مسٹر بونر لائی ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہتا تھا کہ برٹش گورنمنٹ فرکی کے مستقبل کے متعلق ہندوستانی مسلمانوں کی دلچسپی سے واقف ہے اور یہ کہ انکے جذبات کا پورا احترام اور وزن کیا جائیگا۔

لیکن مسلمانوں کیلئے نہ ان کی تقریر میں کوئی جملہ اطمینان بخش تھا نہ مسٹر بونر لائی ۳ نومبر کی سپیچ میں ہندوستان سے لیکر انگلستان تک سارے ذمہ دار عہدہ داروں نے اسلامی خواہشوں کے متعلق ایک جملہ بھی ایسا اپنی زبان سے نہیں نکالا تھا جس سے تسلی نہیں بلکہ بوئے تسلی بھی آتی ہو۔ ہندوستان کے مسلمان اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ فرکی کے متعلق صرف برٹش مفاد ہی نہیں بلکہ دوسری سلطنتوں کے فوائد بھی وابستہ ہیں جن میں فرانس خاص طور پر ممتاز نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو بھی سمجھتے تھے کہ ان تمام باتوں میں انگلستان کا ہاتھ سب سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اسلئے جو کچھ بھی ہو رہا تھا اسے انگلستان کی پالیسی کا نتیجہ سمجھنا پرمجبور تھے۔

وہ کہتے تھے کہ بیشک ہم کو اطمینان ہو سکتا ہے اگر قومیت کے اصول پر نصفاء صلیح ہو لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عربوں پر فرانس اور انگلستان حکمران کی آڑ میں حکومت کریں اور سمرناک یونانیوں کے مظالم کے لئے پیش کر دیا جائے بلکہ عربوں کو حقیقی آزادی ملے۔ اور ان کی حکم برداری ترکوں کے سپرد ہو۔ یہ ترکوں کا علاقہ ہے اس لئے حکم برداری کا جائز حق ان کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ یہ سارا علاقہ اسلامی ہے۔ اس لئے ایک اسلامی سلطنت چلیسی

کہ ترکوں کی ہے) کے سوا کسی غیر اسلامی سلطنت کو اس کی حکمران داری کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں نہیں سمجھا جاسکتا یہ ممالک اسلام کے گہوارہ میں اور ان کی گودیں مقدس اور متبرک مقامات سے پر ہیں۔ اس لئے سوائے ایک اسلامی سلطنت کے اور کوئی سلطنت ایسی سرزمین پر حکم برداری یا اور کسی قسم کی حکومت کے حق کا شائبہ بھی نہیں رکھتی۔ خلافت کے متعلق ہم اس لئے اپیل کر رہے ہیں کہ اسلامی خلافت کا جزو اعظم سیاسی طاقت ہے۔ وہ ٹکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے برباد ہو جائے گی۔

مقدس مقامات کو خطرے میں ڈال کر، حجاز پر جس میں مسلمانوں کے پیغمبر کا شہر اور ان کا موجودہ قبلا ہے، شریف مکہ کے توسط سے حکمرانی کر کے بیت المقدس کو بلا، نجف اشرف، کاظمین شریفین اور بغداد پر قبضہ کر کے اتحادی ہی کر رہے تھے گذشتہ باب کے آخر میں ہم واقعات پنجاب ہندوستان کی طرف

بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مشر جناح اور سر سکندر نارکانا ملنا چاہئے۔ وہ وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے جب مارشل لا کی مدت میں تو بیع کی گئی تو انہوں نے کونسل میں احتجاج کیا۔ اس احتجاج کی پرواہ نہ کی جانے پر انہوں نے کونسل کی ممبری سے استعفیہ دیتے۔ سی ایف اینڈ ریوڈ جو انگریز ہونے کے باوجود ہندوستان سے گہری ہمدردی رکھنے کی وجہ سے پنجاب آئے تھے، ہمیں امرتسر میں گرفتار کر لئے گئے۔ ڈاکٹر کپلو، مولانا ظفر علی خاں اور دیگر نمایاں لیڈر قید ہو گئے غرض ہر وہ شخص جس نے مظلومین پنجاب کے حق میں آواز اٹھائی قانون کے شکنجے میں پھانسل کر بے دست و پا کر دیا گیا۔

اب ہندوستان کے ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ واقعات پنجاب کی تحقیقات ہونی چاہئے مسلمان خلافت اسلامی کے مٹنے کی تشویش کی وجہ سے اس قدر پریشان تھے کہ ان پر دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی تھی مگر انھوں نے

بھی ہندوؤں کے دوش بدوش پنجاب میں قربانیاں دی تھیں اور اب بھی وہ برابر جوش و خروش سے سیاسی معاملات میں حصہ لے رہے تھے۔

”شورش“ پنجاب کی تحقیقات کیلئے سرکاری کمیٹی | تمام ہندوستان کے متفقہ مطالبہ

سے ستمبر ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ اعلان کیا کہ حادثات پنجاب کی تحقیقات کرنے کے لئے انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جو ماہ نومبر سے دہلی اور پنجاب کے واقعات کے سلسلے میں کام شروع کر دے گی۔ مگر اس کے ساتھ ہی حکومت نے انڈینٹی ایکٹ بھی جاری کر دیا۔ اس سے ان تمام آفیسرز کو جن کی افسوسناک غلطیاں عدالت میں سخت جرائم کی صورت اختیار کرتیں حفاظت کی چادر میٹھا نکال لیا گیا۔ انڈینٹی ایکٹ سے ہنٹر کمیٹی بے جان سی ہو گئی گو ہندوستانیوں کو ویسے بھی اس سے کچھ زیادہ امید نہیں تھی کیونکہ اسے آزادانہ تحقیقات کرنے کی بہت کم مواقع حاصل تھے۔ اکتوبر میں گاندھی جی اور مسلم لیڈر پنجاب جا پہنچے جس سے وہاں کے باشندوں کا خوف و ہراس کچھ کچھ دور ہوا۔ اس دور میں ہندو مسلمان سب مسلم برہمن پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔

ہندوستانیوں کی طرف سے غیر سرکاری کمیٹی | ابتدائیں مسلم لیگ اور کانگریس کے ذمہ دار رہے ہر دو کا ارادہ

تھا کہ سرکاری کمیٹی سے تعاون کیا جائے۔ دہلی میں کمیٹی کے سامنے شہادتیں گزریں۔ مگر دو باتوں سے ہندوستانی اس سے مایوس ہو گئے۔ ایک تو ہندوستانیوں کا یہ مطالبہ تھا کہ پنجاب اور ہندوستان کے ان لیڈروں کو رہا کر دیا جائے جنہیں صرف قومی لیڈر ہونے کے جرم میں قید کر دیا گیا ہے تاکہ ہنٹر کمیٹی کے سامنے بہترین اور زیادہ سے زیادہ قابل وثوق شہادت پیش ہو سکے۔ دوسرے ہندوستانی رہنماؤں کی مقرر کی ہوئی سب کمیٹی نے اس بات کی اجازت چاہی کہ بعض لیڈروں کو جو مارشل لاکے قیدی تھے

پولیس کی نگرانی میں کمیٹی کے کمرے میں بلوادیہ جاعے تاکہ ان سے تحقیقات میں مدد لی جاسکے۔ کمیٹی کا خیال تھا کہ جو شہادت ان کے ذریعے سے حاصل ہوگی وہ لیگ اور کانگریس دونوں کے زاویہ نگاہ سے زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد ہوگی اور جو نتائج اس شہادت کی بنا پر نکالے جائیں گے ان سے مطلوبین کے ساتھ زیادہ صحیح طریق پر انصاف ہو سکے گا۔

مگر حکومت کو سب کمیٹی کے یہ مطالبات کچھ مناسب نہ معلوم ہوئے۔ اس نے پہلے مطالبے کو تو بالکل ہی نامنظور کر دیا۔ دوسرے کے متعلق یہ کہا گیا کہ اگر حکومت پنجاب اس امر کی اجازت دینے پر آمادہ ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر حکومت پنجاب مارشل لا کے قیدیوں میں سے کسی ایک کو بھی شہادت کے لئے کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے سب کمیٹی کو بتایا کہ حکومت پنجاب کی عدم آمادگی کی وجہ سے دوسرا مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

سب کمیٹی نے حکومت پنجاب کے اس رویے کے خلاف گورنمنٹ آف انڈیا

اور وزیر ہند کے پاس بطور فریاد اپیل کی۔ مگر ان دونوں میں کسی ایک نے بھی حکومت پنجاب کے معاملے میں مداخلت کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ لیگ اور کانگریس کے رہبر ایک غیر سرکاری کمیٹی بنا کر جداگانہ طور پر تحقیقات کریں۔ یہ ہنٹر کمیٹی کا بائیکاٹ تھا۔ مگر گورنمنٹ نے لیگ اور کانگریس کے لیڈروں کو اسی پر مجبور کر دیا تھا۔

جو غیر سرکاری کمیٹی بنائی گئی اس میں آرنیل مسٹر، اے، فضل الحق بنگال دھوا کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ منعقدہ دہلی کے صدر منتخب تھے، گاندھی جی، مسٹر سی آر داس بنگال، مسٹر عباس طیب جی، پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر کے سنتانم تھے۔ بعد کو پنڈت موتی لال نہرو کانگریس کے اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء کے صدر منتخب ہو گئے۔ اس بنا پر انہیں کمیٹی سے علیحدہ ہونا پڑا اور ان کی جگہ مسٹر جیکامبر بن گئے

بٹر کیٹی میں کوئی ہندوستانی نمائندہ نہیں لیا گیا

اس بے چینی کی فضا میں ۲۳ دسمبر کو وائیلنیا ^{ست} گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ اور ریلیاٹے ہند کے نام شاہ جارج پنجم کا اعلان اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ سے شائع ہوا۔ انگریزوں نے اپنی دانت میں اس کو ہندوستان کو خود اختیار حکومت دیدی مگر ہندوستانیوں کے نزدیک یہ ان کی کم سے کم خواہشوں کو بھی پورا نہیں کر سکا۔

ایکٹ میں گریڈ کیٹیوں کو نامعلوم کرتے ہوئے کونسل آف اسٹیٹ کے اختیارات کی سفارش کو جو انٹ کیٹی نے مسترد کر دیا اور اس کی حیثیت ریلوے ٹنگ جمیر کی تجویز کی جو نظر ثانی کرنے والی ایک جماعت بن گئی۔ صوبوں میں اس ایکٹ سے گورنروں کو ذریعہ کی موقوفی کا اختیار ملا جس سے یہ اندیشہ تھا کہ ان پر اخلاقی و باؤ پٹرے کا جو ان کی بعض مقصد اور ذمہ دارانہ خواہشوں کو اکثر پامال کرتا رہے گا۔

ٹرانسفرڈ سیکشن میں جو انٹ کیٹی نے صوبوں کو تعلیم صنعت و حرفت ہی دیئے حالانکہ ہندوستان کے زیادہ تر ترقی یافتہ صوبے جیسے بنگال، بہار اور مدراس جو تعلیمی اور تجارتی میدان میں باقی ہندوستان سے آگے تھے، زیادہ کے حقدار تھے۔

فریچائیر یعنی حق رائے و جی کے متعلق اس ایکٹ نے اچھا کام اٹھایا جو انٹ کیٹی نے اس میں بہت اقوام کے مطالبات کا لحاظ کر کے اصول انتخاب میں نمایاں وسعت دے دی۔ لیکن ریاستوں کے باشندوں کو اس میں شریک نہ بنایا۔

عورتوں کو حق انتخاب دینے کا معاملہ جو انٹ کیٹی نے صوبوں کی حکومتوں کے بھان پر چھوڑ دیا، بہر چند اس طرح یہ حق پامال تو نہیں ہو اگر فریچائیر کے متعلق عام طور پر یہ نتیجہ نیکہ جس شخص کو پچھ مہینے سے زیادہ سزا دی جائے وہ پانچ سال تک کونسلوں یا اسمبلی کے انتخاب سے محروم رہے، ایک نا انصافی تھی کیونکہ تخصیص نہ ہونے کی صورت میں وہ اشخاص بھی انتخاب سے محروم رہتے تھے جو دفعہ ۱۲۴ (ضمن ۱۳۵) یا اسی قسم کی دوسری دفعات کے ماتحت سزایاب

ہوئے تھے اور ان میں ملک کے بعض قابل ترین اشخاص بھی آجاتے تھے، جو وقتاً فوقتاً انتظامی غلطیوں کا شکار ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے اہم معاملات کے تصفیہ کے لئے ایک پارلیمنٹری اسٹیبلشمنٹ کیٹی کا تقرر ہو گیا۔

دسمبر کے مہینے میں امرتسر میں مسلم لیگ کا بارہواں سالانہ اجلاس ہوا۔ کانگریس کا سالانہ اجلاس بھی وہیں منعقد

ایا گیا۔ لیگ اور کانگریس کے یہ اجلاس ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس وقت کے امرتسر کے نظارے دیکھے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہندوستان کی تاریخ ہندو مسلم اتحاد کے اس قدر شاندار نظارہ کی اتنی متاثر کن نظیریں پیش نہیں کیا جاتی تھیں۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آل انڈیا مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس کے صدر مسیح الملک حکیم اہمل خاں صاحب بہادر اور پنڈت مونی لال نہرو کا مشترکہ جلسہ نکالا گیا۔ امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر ہندو مسلمانوں کا استقبال جو م تھا کہ کہیں تل نہہرنے کو جگہ نہ تھی۔ جو قی درجوق لوگ اپنے قومی لہڈروں کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر اڑے آ رہے تھے۔ کانگریس کے صدر کا اسپیشل پہلے چکا تھا۔ صدر مسلم لیگ کا ہندو مسلمانوں نے پورے قلبی اشتیاق اور جوش کیساتھ استقبال کیا۔ چاروں طرف سے پھولوں کی بارش اس طرح ہو رہی تھی کہ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پھولوں کا فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ سب سے قریب جلوس روانہ ہوا۔ لوگوں نے ایسے جوش سے چیخوڑ دیئے کہ گنبد آسمان گونج اٹھا۔ قومی نعروں کی پکار میں عجیب و نادیدہ کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ جلوس میں سب سے آگے ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے وائسرائے کے دستے تھے۔ ان کے بعد صدروں کی موٹر تھی۔ اس کے بعد پنڈت مالوی اور گاندھی جی کی موٹر تھی۔ پھر سٹر جناح اور مسز سید سنٹ کی موٹر تھی۔ اس کے بعد حسن امام صاحب کی اور ان کے پیچھے موٹروں اور کاتریوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ جو بنی صدروں کی موٹر ہال بازار میں داخل ہوئی جوش سے بھرے ہوئے لوگوں نے پھولوں کی بارش شروع کر دی۔ موٹر میں پھولوں کا انبار لگ گیا جوش و خروش

اور انہار خلوص کے ایسے شاندار نظارے چشم فلک نے کم دیکھے ہوں گے۔

پہلی نشست ۲۹ دسمبر کو اجلاس مسلم لیگ کی پہلی نشست ہوئی۔ شاندار بندے ماتیم ہال میں چاروں طرف آیات قرآنی کے کتبے لگے ہوئے تھے کہیں نصر من اللہ فتح قریب، کہیں اللہ اکبر پلیٹ فارم پر علمائے امت اور ہندوستان کے تمام نمایاں ہندو مسلم لیڈر تھے۔ ابھی باقاعدہ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ ایک نژدہ جانفراشنے میں آیا۔

علی برادران کی رہائی کا مشرورہ چونکہ صاحب صدر کی تشریف آوری میں ابھی کچھ دیر تھی اس قدر مستم کہ انہیں شرب آیا۔ برہوں۔ جو نہی غزل ختم ہوئی میر مقبول محمود صاحب پلیڈر (امرتسر) نے ڈانس پر آکر بیان کیا کہ ڈاکٹر مختار احمد الفزاری کا ایک تارہ آیا ہے جو آپ حضرات تک پہنچانا ضروری ہے۔ انہوں نے آپ کو خوشخبری دی ہے کہ ہمارے شہرور و محبوب رہبر ان قوم محمد علی شوکت علی رہا کر دیئے گئے ہیں۔ امیر ہے وہ کل صبح امرتسر پہنچ جائیں گے۔

لیڈروں کی آمد ٹیک گیارہ بجے مسزیر تاج الدین اور مسز اینی بیمنٹ پنڈال میں داخل ہوئیں۔ دس منٹ بعد ڈاکٹر کچلو پلیٹ فارم پر آئے ان کی آمد پر تحسین و آفریں کا ایک زبردست غلغلہ بلند ہوا۔ ہال کی فضا گونج اٹھی ان کے بعد گاندھی جی اور پنڈت مالوی پنڈت موٹی لال نہرو وغیرہ لیڈران پنڈال میں آئے چیر سے ان کا استقبال کیا گیا۔ صاحب صدر کی آمد پر جلسہ گاہ میں اللہ اکبر کے پرزور نعروں سے فضا تھر اٹھی۔ کارروائی ابجے ایک عافظہ کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ اس وقت نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو حاضرین اجلاس بھی سرفردہ کھڑے تھے اور سب پر رقت کی کیفیت طاری تھی۔

حازق الملک کا حکیمانہ خطبہ صدارت ڈاکٹر کچلو اور مولوی ثناء اللہ کے خطبات استقبال کے بعد مسیح الملک نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ اہم مسائل وقت خلافت و مقامات مقدسہ و لہذا و ز اور غنیں واقعات پنجاب اور گورنمنٹ آف

انڈیا بل ۱۹۱۹ء تھے۔ صدر مسلم لیگ نے سب سے پہلے واقعات پنجاب کو لیا۔ انہوں نے کہا۔
 ”ان سب واقعات کی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہے جو رعایا پر اس کی خواہشوں کا لحاظ کئے بغیر
 حکمرانی کرتی رہی ہے۔ رولٹ ایکٹ کی مخالفت کونسل کے تمام ہندوستانی ممبروں نے کی
 نیز احتجاج کی صدائیں ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے بلند ہوئیں مگر حکومت نے
 وقاسکی دیوبی کی دشمنی کے خیال سے ان تمام آوازوں کی طرف سے کان بند کر لئے۔“

”جلیانوالہ بارغ کے مجمع پر جنرل ڈائر نے بغیر تنہیہ کے بڑی بہادری اور جرأت سے
 حملہ کیا۔ انہوں نے تو موقع پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے مجمع پر گولیاں چلائی ہیں
 انہوں نے شہادت دیتے ہوئے غرور اور فخر کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ میں نے گولیاں چلائیں
 اور اچھی طرح چلائیں۔“ کیونکہ ان کے خیال میں کم مقدار میں گولیاں چلائی بڑی ہوتی ہیں۔ انہوں
 نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے زخمیوں کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔
 ہاسپٹل کھلے ہوئے تھے اور زخمی وہاں جاسکتے تھے۔ ایسے فوجی افسروں کے لئے کمانڈر انچیف
 کو کچھ تعلیم گاہیں ایسی کھلوانی چاہئیں۔ جہاں سکھایا جائے کہ زخمی خود شفا خانوں میں نہیں
 پہنچ سکتے جب تک کہ ان کی امداد نہ کی جائے۔ انہیں یہ بھی سکھایا جائے کہ دوسروں کی جانیں
 بھی قیمت رکھتی ہیں۔ اس لئے پہلے ہی سے فیصلہ کر لینا کہ پہنچتے ہی گولی چلا دی جلائے گی۔
 اور پھر اسے فخریہ بیان کرنا ایک منصف مزاج اور آئینی قوم کے فرد کے لئے قابل شرم اور
 لائق نفور گناہ ہے۔

”ہنایت ریج اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جلیانوالہ بارغ میں ایسی خون
 کی ندیاں بیلہاکی کے ساتھ بہائی گئیں کہ جس کا ہولناک نتیجہ یہ ہوا کہ صرف امرت سر میں پانچسو
 سے کچھ زیادہ اموات کا پتہ چلتا ہے۔ گو کونسل میں پنڈت مالویہ کو جواب دیتے ہوئے سرکاری
 اعداد ۲۵۰ تک پہنچے تھے۔ مگر ڈپٹی کنسٹرکٹر امرت سر کی شہادت نے ان اعداد کو اس لطیف بیان
 کے ساتھ بے نقاب کر دیا کہ امرت سر میں تعداد اموات تین سو۔ چار سو دیا پانچسو ہوگی (یہ سو سو کی
 ترقی خاص طور پر قابل لحاظ ہے) اسی بیان کی تائید خود جنرل ڈائر نے کی ہے اور کہا ہے کہ

فوج نے ۷۵ گولیاں چلائیں اور بہت ممکن ہے کہ ان سے چار سو پانچ سو آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئی ہوں۔ یہ ناقابل تاویل فائرنگ اور بھی افسوس کے قابل ہو جاتی ہے جب کہ یہ خیال کیا جائے کہ جلیانوالہ باغ کے قحج کو بہت آسانی کے ساتھ بغیر گولی چلائے منتشر کیا جاسکتا تھا جیسا کہ خود جنرل ڈائر نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے ایک سوال کے جواب میں اتنا لکھا کہ ”امرت سر کے واقعات میں خصوصیت کے ساتھ ایک اور بات ذکر کیے قابل ہے کہ

مارشل لا کے اعلان سے پہلے اس پر عملدرآمد شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ امرت سر میں یہ اعلان ۱۵۔۱۶ کی درمیانی رات میں ہوا۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مارشل لا کے تحت میں اتاریخ کے بعد جب کہ ڈپٹی کمشنر نے شہر وغیرہ کے انتظام کو جنرل ڈائر کے سپرد کر دیا تھا جو کارروائیاں کی گئیں اور جو سزائیں لوگوں کو دی گئیں، وہ کس اصول اور قاعدہ کے تحت میں تھیں؟ اور کیا اس قسم کے صاف اور صریح بے اصول کام جن کے ساتھ ملک معظم کی رعایا کی پانچ سو جانیں ضائع ہوئی ہوں، اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتے کہ ان اشخاص کو جن پر خاص طور سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کم سے کم وہ سزائیں دی جائیں جن کے کہ وہ حقیقت میں مستحق ہیں۔

لاہور کے دروان گیزر منظم الم پر دو آنسو | پنجاب کے سابق

کیا کہ چند شہروں میں مارشل لا جاری کر کے ملک معظم کی بے دست و پا رعایا پر سختیاں نازل کیں بلکہ ایسے اشخاص کے ہاتھ میں مارشل لا کی باگ دیدی جیسے کہ امرت سر میں بریگیڈیئر جنرل ڈائر اور لاہور میں کرنل جاسن تھے۔ کرنل جاسن نے جو شہادت ہنٹر کمیٹی کے سامنے دی ہے اس میں کہا ہے کہ سمری کورٹس کے ذریعہ سے ۲۷۔۲۸ اشخاص پر مقدمے چلائے گئے جن میں سے ۲۰۸ کو سزائیں دی گئیں اور ۶۶ اشخاص کو ۸۰۰ بیدیں لگائی گئیں۔ ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہیں یہ سزا پبلک جگہوں میں دی گئی اور انہوں نے اسی سلسلہ میں یہ بھی اظہار کیا کہ سزا کا یہ طریقہ نہایت مہربانی آمیز ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مارشل لا کو لوگ

پسند کرتے تھے اور امن قائم کرنے کے لئے میرا شکریہ ادا کرتے تھے۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مہربانی سے بھری ہوئی سزا سے فائدہ حاصل نہیں کیا ہوگا۔ ورنہ اس خیال کے ظاہر کرنے کی جرات غالباً نہ کرتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ۱۰ تاریخ کو جو گولیاں مال روڈ پر اٹھ ہزار کے مجمع پر چلائی گئیں اس میں صرف ایک آدمی مارا گیا اور ۱۱۰ اشخاص زخمی ہوئے جس کی وجہ یہ تھی کہ پولیس کی مشق تیسرے درجے سے بھی کم تھی۔

”کرنیل سے افسوس ہے کہ ہنٹر کیٹی کے کسی ممبر نے یہ سوال نہیں کیا کہ اگرچہ ایسے اشخاص جنہوں نے اتفاق سے کبھی گولی نہ چلائی ہو ۸ ہزار کے مجمع پر فائر کریں تو اس کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ غالباً اس سوال کے جواب میں کرنیل صرف ایک ہی بات کہہ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں کوئی ایک شخص بھی زخمی نہیں ہو سکتا۔ کرنیل جنیل کو بہت پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور سے آرام کی جگہ ہے۔ اگر واقعی جیل ایسی آرام کی جگہ ہے تو کرنیل کے لئے یہ زیادہ مناسب ہوتا کہ وہ اس آرام کی جگہ کے لئے اپنے ان دوستوں کو پسند کرتے جنہوں نے مارشل لا کی پسندیدگی کا اظہار ان کے سامنے کیا تھا اور جو ان کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔ اسی طرح آپ نے دیگر مقامات پنجاب کے مظالم پر روشنی ڈالی۔ اور فرمہ دار افسران کے طرز عمل پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ دہلی و پنجاب کے واقعات حکومت کی سلسل غلطیوں کا نتیجہ تھے۔ اول تو رعایا کی مرضی کے خلاف رولٹ ایکٹ پاس کیا گیا۔ پھر رعایا نے اس کے خلاف احتجاج میں زبان کھولی تو اس کی آواز کو جبراً بند کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ معمولی سختیوں سے بند ہوئی تو حکومت کھلے تشدد پر اتر آئی پھر ہنٹر کیٹی مقرر کی گئی انڈینیٹی ایکٹ منظور کر کے اسے مفقوت کر دیا اور افسران حکومت کو باز پرس سے محفوظ کر دیا۔ آپ نے کہا ”اگر پنجاب کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا تو سب مائیکل اوڈونو کو اپنے نقطہ خیال سے فخر کرنے کا موقع مل سکے گا۔ لیکن اگر پنجاب میں سیاسی زندگی کا صحیح طور پر اس کے بعد آغاز ہوا تو انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ جو تلخ قطرے انہوں نے پنجاب کے گلے میں پکائے تھے وہ اس کے لئے واقعی آب حیات کی بوند بن گئے۔“ رافلز اسکیم کے متعلق کہا ”جب تک سنٹرل گورنمنٹ میں ہندوستانیوں کی

آواز موثر نہ ہوگی اور جب تک انتظامات ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں نہ ہوں گے اس وقت تک ہم جلیانوالے باغ کے قتل عام اور گوجرانوالے پر بھاری کے مناظر مکرر دیکھنے سے چھٹکارا نہ کر سکیں پاسکے۔ آپ نے جوائنٹ کمیٹی کی سفارشات پر جو ریفرنڈم بل پیش کر کے اپنی رائے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی ایک تنقیدی نظر ڈالی اور کہا کہ جب تک صاف طور پر وعدہ نہ کیا جائے کہ ہندوستان کو ۱۵ برس میں سیلف گورنمنٹ دیدی جائے گی اس وقت تک ریفرنڈم اسکیم کے چھوٹے تحفے کی قدر نہیں کی جاسکتی مجموعی طور پر ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ اس وقت بڑی خوبصورت شکل اختیار کر گیا تھا۔ آپ نے اسے ہندوستان کی ترقی کا راز اور کامیابی کے دروازے کی کنجی بتایا۔ اس سلسلے میں مذہب یا قومیت کا اختلاف ملازمتوں کا سوال اور سیاسی حقوق کا مسئلہ قابل لحاظ تھے۔ آپ نے کہا کہ سیاسی حقوق کے مسئلہ کو لیگ اور کانگریس نے ۱۹۱۴ء میں بڑی حد تک طے کر لیا ہے اور جو کچھ اور ان دونوں جماعتوں کو طے کرنا ہے وہ بھی آسانی کسی مناسب وقت پر طے ہو جائے گا۔ مذہب کا اختلاف باقی ہے مگر اس سے ہندو مسلمانوں کے اس اتحاد پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس کی خواہش اس وقت ملک کے سچے خادموں کے دلوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ البتہ آپ نے گاؤکشی کے مسئلہ پر ذرا وضاحت سے روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ ہندو بھائی گزشتہ ایام میں اسلادھیمہ گاؤکشی کے لئے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ ضرور قابل اعتراض تھے مگر اب جبکہ ہندو خلافت ایجنیشن میں مسلمانوں کا ساتھ دے رہے ہیں مسلمانوں کو بھی ان کی طرف محبت اور اخلاص کا قدم بڑھاتے ہوئے گاؤکشی کی قربانی سے باز رہنا چاہیے کیونکہ ہندو اس جانور کو مقدس و متبرک سمجھتے ہیں اور گاؤکشی کی جگہ بکری کی قربانی نہیں چاہتے۔ مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم ترین مسئلہ سلطنت عثمانیہ

مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ | اسے مستقبل اور خلافت مقامات مقدسہ کی حفاظت کا تھا

سیح الملک نے خطبہ صدارت کا لفظ بیا نصف حصہ اسی مسئلے پر صرف کیا۔ انہوں نے مسئلہ خلافت کی اہمیت اور تاریخ پوری تفصیل سے بیان کی اور پھر کہا کہ ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ مقامات مقدسہ پر اس لڑائی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اب یہ تمام مقامات اسلامی ہاتھوں سے نکل کر غیر مسلم ہاتھوں

میں آگے ہیں۔ اس پر بھی مسلمانوں سے یہ خواہش کی جاتی ہے کہ وہ سمجھیں کہ اس وعدے کے خلاف کام نہیں کیا گیا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو عسات بتا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان مکہ اور مدینہ کو اسلامی ہاتھوں میں نہیں سمجھتے کیونکہ خود شریف مکہ غیر مسلم ہاتھوں میں ہے۔

تمام دوران جنگیں اتحادیوں کی طرف سے اغراض جنگ کے متعلق بیسیوں مرتبہ باتوں کو دہرایا گیا تھا کہ (۱) یہ لڑائی حق اور انصاف کے لئے ہے (۲) یہ لڑائی چھوٹی اور کمزور قوموں کی آزادی کے لئے لڑی جا رہی ہے (۳) یہ لڑائی مذہبی نہیں ہے۔ اس لئے عدل و انصاف کے اصول تمام قوموں میں بغیر قومیت اور مذہب کے لحاظ کے یکساں طور پر جاری کئے جائیں گے (۴) اس لڑائی میں کسی قوم پر ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ مقصد بتایا گیا کہ ظلم کو دور کرنے کے لئے یہ لڑائی شروع کی گئی ہے۔ (۵) اور یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ مقصود قوموں پر تشدد نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے جائز حقوق کا لحاظ رکھا جائے گا۔ (۶) اس جنگ کے متعلق یہ بھی بار بار کہا گیا کہ اس سے ملک گیری مقصود نہیں ہے جن لوگوں نے یہ باتیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں ان کا فرض ہے کہ موجودہ واقعات کی روشنی میں ان کے معنی اب دنیا کو بتائیں۔ وہ سمجھائیں کہ یونان کو سربیا وغیرہ دینا، شام کو فرانس کے سپرد کرنا، عراق انگلستان کے حوالہ کرنا۔ کس وعدہ کو پورا کرنے یا توڑنے سے تعلق رکھتا ہے؟ وہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ یا اسلام کے حقوق کے ساتھ انھوں نے کیا کیا؟ اور اسلامی قوموں پر کوئی ظلم یا تشدد کسی جگہ کیا گیا یا نہیں؟ وہی دنیا کو بہتر طریقہ کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں کہ عدل و انصاف کے اصول بغیر قومی اور مذہبی تفریق کے کس کس قوم میں جاری کئے گئے؟ وہ کچھ بتائیں یا نہ بتائیں دنیا سب کچھ سمجھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ ان تمام باتوں کی اصلیت کیا ہے۔ بہت افسوس ہے کہ اس اعتبار کو جو انگلستان کا ایشیا میں ہونا چاہیئے تھا خود اس کے ذمہ دار وزراء نے نقصان پہنچانے کا معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کر لیا ہے۔ اور اب ایشیائی قومیں بھی آزادہ نظر آتی ہیں کہ اس قسم کے وعدوں پر اتنا ہی بھروسہ کریں جتنا کہ ایسے حالات میں انہیں کرنا چاہیئے۔

پریسیڈنٹ ولسن کے مشہور چوڑا اصول جنھیں ترک اور دوسری قوموں نے وقفہ جنگ

کے لئے بطور اصول کے تسلیم کیا تھا، اب کہاں ہیں؟ ترکی کے متعلق وہ دفعہ کیوں بے حس حرکت معلوم ہوتی ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ترکی اصلی علاقہ پر ترکوں کا شاہی اقتدار برابر قائم رہا اور ان جھبے ہائے ملک کو جو ترکی کے ساتھ وابستہ ہیں اندرونی آزادی ترکی کی زیر نگرانی دلائی جائے گی۔ کہاں ہے وہ دفعہ جو قوموں کو حق انتخاب حکومت دلا رہی تھی؟ جن لوگوں نے اس دفعہ کو پڑھا ہے وہ شام کی قومی مجلس کی روئادہ پڑھ لیں جس میں بہت بلند آواز سے اپنی آزادی کا وہ لوگ مطالبہ کر رہے ہیں لیکن ان کی آواز کو سننے والے کان بند ہیں شام کی آبادی کا بڑا حصہ اپنے استقلال کے لئے آواز اٹھا رہا ہے۔ لیکن فرانس کی خوشنودی خاطر کو مقدم سمجھ کر شام کی باگ اس کے ہاتھوں میں دیدی جاتی ہے۔ کیا یہ حق انتخاب کی کھلی توہین نہیں ہے؟ سلطنت عثمانیہ کے لئے حکم جبراری کی تجویزیں زور شور کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں اور بگلیہ جیسی ادنیٰ اور پست قوم کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ بالکل آزاد رہے اور نہ تنہا آزاد رہے۔ بلکہ باوجود اس کے کہ وہ اسی طرح جرمنی کے ساتھ لڑی جس طرح ترک ریٹے تھے اسے سمندر تک آنے کے لئے رستہ بھی دیا جاتا ہے

”یہ وزراء یاد رکھیں کہ اسلام کے ساتھ ان کی موجودہ پالیسی اور ان کی اس قسم کی سخت غلطیاں بڑے کڑوے وفادار مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دنیا کے مسلمانوں میں ایک ایسا بیج بوری ہیں جس کا خراب اثر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ خوش گوار نہیں ہوگا۔

ایران، انگلستان کا معاہدہ ”ہندوستان کے مسلمانوں کے دل ترکی کے حالات سے شکستہ ہو رہے تھے کہ انگلستان اور ایران کے معاہدہ

نے ایک اور اسلامی سلطنت کی آزادی کے خاتمہ کی خبر ان کے کالوں تک پہنچا کر ان کی مایوسی کو انتہا تک پہنچا دیا۔ ایران وہ ملک ہے جس نے اپنے دورِ ترقی میں علم اور شایستگی ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی پھیلائی۔ اس زمانہ سے لیکر آج تک ہندوستان کی اسلامی آبادی ایران کی خصوصیت کے ساتھ نمونہ احسان ہے اور اس کی معاشرت اس کا تمدن اس کی روایات اور اس کے درسی علوم اس بات کے لئے اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایران کو ”پرانے محسن استاد“

کے لقب سے ہمیشہ یاد کرے۔ ایران، انگلستان اور روس کی کشتیوں اور کوششوں کی کشمکش کا سا لہا سال تک جو لانا گاہ رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے آخری دور میں جو ترقی کی امیدیں اس کے ساتھ وابستہ ہوئی تھیں وہ پامال ہو گئیں۔

”اس کی اقتصادی ترقی کی امید اس کے ہوا خواہ مشر شوتہ کے ہٹا دینے سے پامال ہو گئی تھی اور اس کی سیاسی آزادی کا خاتمہ روس اور انگلستان کے ۱۹۰۶ء کے معاہدہ سے ہو چکا تھا۔ لیکن یورپ کی عظیم الشان جنگ نے ایران کے اس معاہدہ کو بیکار کر دیا۔ اسے کرکری کی گونڈنٹ نے اسے ندموم قرار دیا۔ روس کی دست برداری اگر انگلستان کی دست برداری کے ساتھ ہوتی تو یہ ایران کے لئے سب سے بڑی نعمت ہوتی۔ لیکن انگلستان کے ذمہ دار بد بزرگ کے نتائج تک پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے اور جیسے ہی کہ جنگ کے بہتر نتائج ان کے سامنے آنے لگے وہ ایران کی طرف بھی توجہ کرنے لگے جس کے نتائج اس نئے معاہدہ کی صورت میں ہیں کج نظر آ رہے ہیں۔ ایران ایشیا کا مصر بن گیا۔ اس بات کا تو امکان پیدا ہو گیا کہ انگریزی سرمایہ داروں کی ریلیں ایران میں جاری ہو جائیں گی اور موٹروں کے لئے سڑکوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہو جائے گا۔ محصول اور ٹیکس کی وصولی کا انتظام بھی قابل اطمینان ہو جائے گا۔ رشوت لینے والے اشخاص اپنے آپ کو زیادہ آزاد نہیں پائیں گے۔ زراعت بھی بہتر حالت میں آجائے گی تیل کے کنوئیں اب سے زیادہ منتظمین کی کوشش حاصل کرنے لگیں گے۔ لیکن یہ بھی نظر آنے لگا کہ ان تمام چیزوں میں ایران کے ہاتھ پائیں باندھے جائیں گے۔ آئندہ کیلئے ایران کو سیاسی آزادی کے خیال کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ ملکی سرمایہ سے اپنے ملک میں کام کرنے اور اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنے سے محروم ہونا پڑے گا۔ وہ اپنی تعلیم کو یک نہایت ہی معمولی حالت میں رکھنے کے لئے مجبور رہو گا۔ اور اپنے ملکی عہدہ داروں پر زرداری کا بوجھ اسے بہت کم ڈالنا پڑے گا جس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ وہ ماہرین کے لئے صرف ایک ہی سلطنت پر منحصر رہ کر تار سبکا اور اس کی حقیقی آزادی سلب ہو جائے گی۔

”اس معاہدہ کی پہلی دفعہ جہاں تک اس کا معاہدہ کے کاغذ کے ساتھ تعلق ہے، ایران

کی آزادی اور حیانت برقرار رکھنے کے لئے انگلستان کی گورنمنٹ پر ایک قسم کی ضمانت کا
 بوجھ دلتی تھی۔ لیکن دوسری اور تیسری دفعیں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایرانی حکومت کے
 تمام شعبوں کے لئے جس میں فوج اور مال بھی داخل ہے برٹش گورنمنٹ شیر اور ماہرین
 ہیا کرے گی۔ جن کی تنخواہیں ایران ادا کرے گا۔ یہ ظاہر ہے جب برٹش گورنمنٹ ایران کے
 مال فوج اور دوسرے شعبوں پر اپنے ماہرین فن مقرر کرے گی۔ تو ایران کی وہ آزادی کس
 طرح برقرار رہ سکے گی۔ جس کا پہلی دفعہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

تیسری دفعہ ایران کی اس زحمت کو کم کرنے والی ہے جو اسے جدید اسلحہ کی فراہمی
 میں پیش آتی۔ یہ خیانت بھی گورنمنٹ انگلستان نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ایران کی
 گورنمنٹ کو اس انتظام سے بھی سبکدوش کر دیا ہے۔ برطانیہ نے سلطنت ایران کو کم کر ڈر
 روپیہ باقسط دینے کا وعدہ کر لیا ہے جس کا سود فیصدی ہو گا اور بطور اس قرضہ کی کفالت
 کے مختلف محاصل پر اس کی نگرانی اور اقتدار ہو گا۔ برٹش گورنمنٹ پر یہ بوجھ بھی اس معاہدہ
 نے والا کہ وہ ریلوے اور بار برداری کے دوسرے ذرائع کے متعلق بھی ایران کے ساتھ مل کر
 جدوجہد کرے تاکہ ایران میں آمد و رفت کا سلسلہ بہتر حالت میں ہو جائے۔ سہری کا کس نے
 ایرانی گورنمنٹ سے یہ بھی طے کیا کہ ایک طرف ہر سچھی شاہ کی گورنمنٹ سے ان انگریزی فوجوں
 کے قیام کے اخراجات کا دعویٰ نہ کرے گی جو اس کی غیر جانب داری کی حفاظت کی غرض سے
 امور کی گئی تھیں اور دوسری طرف ایرانی گورنمنٹ انگریزی گورنمنٹ سے اس نقصان
 کا تاوان نہیں لے گی جو افواج انگریزی کے قیام سے ایرانی علاقوں کو پہنچا ہو گا۔ اگر ایران
 نے اس فوج کے لئے اپنی غیر جانبداری کی حفاظت کی غرض سے گورنمنٹ برطانیہ سے سخت
 کی تھی تو یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنے پر بادشاہ علاقوں کے تاوان کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور
 اس حالت میں اس فوج کے مصارف کا بار ایرانی خزانہ پر نہ ڈالنا ایک احسان سے تعبیر کیا
 جاسکتا ہے۔ لیکن اس فوج کا ایران میں اگر اس لئے قیام تھا کہ ہندوستان کو خطرہ سے محفوظ
 رکھے اور عراق میں گورنمنٹ کی فوجی پیشقدمی پر ایران کی طرف سے دوسری قومیں اثر نہ ڈالیں

تو یہ ظاہر ہے ایران کے حق میں یہ فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں۔

مسلمانوں کی سجدہ پرستی اور خلافت کی حیثیت کا حادق الملک ذابینہ صدر القیادہ میں سلطنت عثمانیہ اور اس کے متعلق اس کے متعلق میں یہ بات خاصا بتا دی کہ وہ

عثمانیہ اور اس کے متعلق اہم مسائل دولت ایران اور اس کی آزادی کی پامالی یہ تمام وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دنیا نے اسلام بے چین نظر آرہی ہے۔ انہوں نے کہا: سیری حقیقہ رائے ہے کہ وہ بے چینی ہے جسے میں عارضی جوش پر مبنی نہیں سمجھتا بلکہ یہ خیالات مذہب کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ ان کا عارضی طور پر کم ہو جانا ہمیں یہ نہیں سمجھا سکتا کہ یہ دلوں سے محو ہو گئے ہیں۔ اور جب کبھی مذہبی احکام اور گورنمنٹ کی خواہش میں تضاد ہو گا تو ان کا پہلا فرض اپنے مذہبی احکام کی پابندی ہو سکتی ہے میری دعا ہے کہ خلافت کی مثال اپنی مقاصد میں جلد کامیاب ہوں تاکہ انہیں ہمیشہ رہنے کی ضرورت نہ ہو۔

مہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ اتر میں انہوں نے ہندوؤں اور گاندھی جی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مسئلے خلافت میں مسلمانوں سے

ہندوؤں کی ظاہر کی اور اپنے خطبہ کو ان الفاظ پر ختم کیا: "آج ہندوستان میں کوئی شخص بھی یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ مسلمان ان فرائض سے آگاہ نہیں ہیں جو ان پر اور وطن کی طرف سے بطور ایک فرض کے ہیں کہ ہم اسی خاک ہند سے پیدا ہوئے ہیں اور ہم ان تمام فرائض کو جو ہماری زاد و بوم ہم پر عائد کرتی ہے نہ صرف اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ دلی جوش کے ساتھ ان کے ادا کرنے کے لئے اپنے ہندو، عیسائی، پارسی اور دوسرے بھائیوں کے ساتھ آمادہ ہیں۔

"ہندوستان کے لئے اس کے نادرہ استقبال میں وہ عظمت اور شان نہیں ہے کہ اس کے ماضی کا زیادہ سے بہتیم بالشان نہ مانہ بھی اس کے مقابلہ میں کم اور حقیر نظر آتا ہے آئیے اب ہم سب متحدہ طاقت کیساتھ اپنے ہاتھ بڑھائیں اور مستقبل کے چہرہ سے جو ہمارے ذہنی مگر اعلیٰ تخیل کے ساتھ وابستہ ہے نقاب ہٹانے کی خلوص دل سے کوشش کریں۔"

تہم شد قواعد ضوابط پر بحث خطبہ صدارت کے بعد سب سے پہلے تہم شدہ قواعد ضوابط منظوری کے لئے پیش ہوئے و فقہ

میں انجمن کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مولانا ابوالقاسم نے یہ چاہا کہ پورا نام عربی زبان میں ہو مگر بحث و مباحثہ کے بعد پہلا ہی نام برقرار رکھا گیا دفعہ (۲) میں چارہ اغراض و مقاصد تھے۔ (الف) تلج برطانیہ کے ساتھ باشندوں کے خیالات و فائداری کو قائم رکھنا اور انہیں ترقی دینا۔ (ب) مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت و ترقی (ج) مسلمانوں اور ہندوؤں کی دوسری قوموں کے درمیان اتحاد و دوستی کو ترقی دینا (د) قانونی ذرائع سے ایسی خود اختیار حکومت حاصل کرنا جو ہندوستان کے مناسب حال ہو۔

سٹر جناح کا صائب مشورہ جب اغراض و مقاصد پر رائے لی جانے لگی تو لمبی بحثیں چھڑ گئیں۔ سٹر جناح نے جو اس وقت ترکی ٹوپی زیبہ سر کئے ہوئے تھے، اسٹیج پر آکر یہ صائب رائے دی کہ تہم شدات بہت سوچ سمجھ کر کی گئی ہیں ان پر بحث کرنے میں وقت ضائع کرنے سے اصل کام رہ جائے گا۔ آپ کے بعد سٹر برکت علی نے تقریر کی۔ ظہر کے وقت تک اغراض و مقاصد ہی پر بحث ہوتی رہی۔ سہ بجے جب دوسری نشست ہوئی تو حکیم اجمل خاں نے یہ طے کیا کہ قواعد ضوابط کا مسودہ ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جو اس پر غور کرے اور کل صبح کے ایک خاص جلسے میں جس میں صرف ممبران لیگ شامل ہوں گے اسے پیش کر کے منظور کرالے۔

حکومت مسئلہ خلافت میں دخل دے سندھ میں بعض سرکاری افسران نے مسئلہ خلافت کے بارے میں پبلک کے جذبات کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر اجلاس میں زبردست احتجاج کیا گیا۔ گورنر بمبئی نے ایک اعلان کیا تھا جس میں عمال حکومت کو خلافت کے مسئلہ میں دخل اندازی سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس پر گورنر بمبئی کا شکر یہ ادا کیا گیا۔ ۱۹۱۷ء سے جو تجویز تحفظ حقوق کے بارے میں مختلف صورتوں میں پیش ہوتی چلی آ رہی تھی وہ اس اجلاس

میں بھی پیش ہوئی۔ اس میں سرکاری ملازمتوں اور یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کو معقول اور مناسب حصہ دیئے جانے، اردو زبان اور فارسی کا رسم الخط قائم رکھنے اور مسلمانوں کے مذہبی رسوم و رواج کے قیود سے آنے اور ہٹنے پر زور دیا گیا تھا۔ مگر مسٹر مسعود الحسن نے بتایا کہ ہندوؤں سے ہمارا اتفاق ہے اور اس تجویز کا مقصد ان باتوں کو ختم کرنا ہے جن سے گورنمنٹ ہندو مسلمانوں کو آمادہ پیرکار کرتی ہے۔ آغا محمد صفدر صاحب نے اس کی مخالفت کی انہوں نے کہا کہ یہ ایسے مطالبات کی

آغا محمد صفدر محفوظ مسلمانان ہند کی مخالفت میں

ضرورت نہیں۔ ہم گورنمنٹ سے کیوں التجا کریں۔ ہندو ہی سے کیوں نہ سمجھوتہ کر کے باہمی طور پر اپنے معاملات کا تصفیہ کر لیں۔ ہم ۱۹۱۲ء میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر تقسیم کر چکے ہیں اس وقت جبکہ ستیہ قومت کا آغاز ہو چکا ہے وہی کرنا آسان ہے۔ ہمارے مطالبے کے چار جہتیں اول یہ کہ ہمارے گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہو حالانکہ ہم سرکاری ملازمتوں میں رہ کر قوم کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ دوسرا یونیورسٹیوں کا معاملہ ہے۔ مگر کونسلوں کی طرح اس معاملے میں بھی ہندوؤں سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے، حکومت سے استدعا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح میں اردو زبان کا حامی ہوں۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ حکومت سے التجا کی جائے کہ محکموں اور دفاتروں میں اردو زبان میں کارروائی کرنے کا سرکاری حکم دیں۔ چونکہ مسلمان مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے کی تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تو تمام فسادات رفع ہو جائیں گے۔“

نور محمد احمد (پبی) نے کہا کہ جو صاحب تجویز کے خلاف بولے ہیں انہوں نے آنے والے زمانے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہمیں آپس میں تصفیہ کرنا چاہئے۔ کھٹیک۔ مگر تصفیہ اس وقت ہو گا جب اس پر ہمارا اقتدار ہو گا۔ ابھی تو یہ معاملہ گورنمنٹ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لئے ہم گورنمنٹ ہی سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں۔“

علی برادران کی آمد | اسی دوران میں علی برادران جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے اور پنڈال اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگا۔ وہ کانگریس کے اجلاس میں تقریر کر کے آرہے تھے جہاں محمد علی نے ایک پُر جوش تقریر میں کہا تھا کہ میں ہندوستان کی آزادی کے لئے ساری عمر کے واسطے نظر بند ہونے کو تیار ہوں سیٹیشن سے کانگریس کے پنڈال تک ان کا شاندار جلوس بڑی شان سے لایا گیا تھا اور پنڈت مالویہ گاندھی جی اور صدر کانگریس پنڈت موتی لال نہرو نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا تھا۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے ان کے یگ میں تشریف فرما ہونے پر تجویز کی۔ بحث کو ملتوی کر کے علی برادران کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے ان کی شان میں یہ قطعہ پڑھا۔

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہمت ہو بلند قطرہ نیساں ہے دامنِ صدف سے ارجبند
مشک از فرجِ چرخ کیا ہے اک ہو کی بوند ہے مشک بخاتی ہے ہو کر نافِ آہو میں بسند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر کم ہیہ طائر جو ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
”شہیر زارغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند“ (حافظ)

مولانا شوکت علی کی تقریر | انہوں نے کہا: افسوس ہے کہ دینی معاملات میں ہم نے مصلحت سے کام لیا۔ پوچھو ہماری ضمیر فرشتی کے علاوہ خسر الدنیا و الآخرہ ہے۔ ہم رشتہ ناٹھ کرتے ہیں ٹیکس دیتے ہیں۔ غرض کہ سب دنیوی کاموں میں مصلحت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ ان کے کرنے کے لئے حسب پسند صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر جہاں خدا و رسول کا معاملہ ہو وہ نہیں چھوڑ سکتے۔ چونکہ اس بارہ میں ہم نے خاموشی اختیار کی اور مصلحت وقت کو مد نظر رکھا۔ اس لئے جو کیا سو گناہ کیا۔ آپ کار زلیوشن بدیں غرض پاس کرنا کہ گورنمنٹ سے درخواست کی جائے فضول ہے۔ آپ سوچ لیجئے کہ ان باتوں سے کیا

نتائج مرتب ہونگے وہی جو پہلے ہوئے۔ آہ! میرے ساتھ جو حکومت کی طرف سے غیر منصفانہ برتاؤ روا رکھا گیا۔ میں اس کا ہر طرح مستحق تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے منصبی فرائض میں کوتاہی کی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مقدس مقامات ہمارے قبضے سے نکل چکے ہیں۔ اگر ہم نے صاف صاف کہہ دیا ہوتا۔ اور مصلحت وقت کی پرواہ نہ کی ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ہمارے بڑے بڑے علماء قید میں تھے۔ اور وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ہم نے اس دوران میں وفاداری کی تجاویز پاس کیں لیکن سب بے سود۔ خدا سے منہ موڑ کر جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام کی گئی ہوئی عظمت بحال ہو۔ خزاں رسیدہ گلشن میں بہار اسلام کی تازگی آئے تو مصلحت کو چھوڑئیے۔ خدا سے منہ موڑ کر زندہ رہنے یا مرنے کے بجائے قید ابھی ہے طرابلس اور بلقان کا زمانہ آپ کو یاد ہے۔ ہماری شیخیاں اور مشورے کس قدر بالائے تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں غریب ترکوں کو دیکھئے جو اکن مقدسہ کی حفاظت کے لئے لڑتے رہے۔ انھوں نے بھوک کی پیاس کی کوئی پرواہ نہ کی وہ محض اسلام کے لئے لڑے۔ اور جان و مال سے قربان ہو گئے۔ کیا آج کوئی بہتر سے بہتر اور متقی سے متقی شخص دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ نہتے ترکوں کے مقابلہ میں ہم نے دین کی کیا خدمت کی ہے؟ اس کا جواب عملاً نفی میں ہو گا۔ پس میرے خیال میں ہمیں صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہم خدا و رسول کی منشاء اور ان کے احکام کے مطابق کام کریں گے تو ہمیں اتفاق ہے۔ ورنہ مخالفت۔ وہ عالم جو خدا سے ڈرتے ہیں وہ بیان فرمائیں کہ اس مسئلہ میں ان کی کیا رائے ہے۔ میں نے ایک موقع پر صاف کہہ دیا تھا کہ میرے مسلمان بھائی اس رائے میں شامل ہیں کہ ہمارے بھائی کامیاب ہوں مسلمانوں کے کسی عالم سے پوچھ لو کہ اگر خلیفہ المسلمین اعلان جہاد کرے تو وہ کیا رویہ اختیار کر سکتا ہے میری خیال میں وہ صاف جواب دے گا کہ اگر اسے مذہبی آزادی کامل حاصل ہو تو وہ اس اعلان کی قدر کرے گا۔

اور اگر آزادی نہ ہو تو وہ کہیں گے کہ میں ماتحت نہ رہوں گا پس جہاد ہمارا جزو ایمان ہے۔ اس وقت سب مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے کہ وہ صاف کہیں کہ ہمارے امان مقدسہ میں سے اگر ایک انچ جگہ بھی اغیار کے قبضہ میں جائیگی تو ہم کو وہ مسلمان چین سے نہ بیٹھینگے اور نہ بیٹھنے دیں گے۔ (اس پر آزادی کی کہند وہ بھی اس میں شامل ہیں) ہم کو رمنٹ کے طرفدار ہیں۔ اور اُس کی عزت و سلطنت کی حفاظت کے لئے مخالف سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر مقدس مقامات کو ایک انچ نہ دیں گے۔ پس احباب ان زبانی باتوں کو چھوڑیں اور صاف کہہ دیجئے کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ کیا گیا تو بہتر در نہ ہم سے موافقت کی پھر تمنا نہ رکھیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک وفد خلیفہ المسلمین کی خدمت میں جائے۔ اپنی کمزوریوں اور اخلاص کا اظہار کرے۔ باقی یہ گفتگو بیکار ہے۔ اس وقت بڑے سے بڑے مفتن، علماء، مقرر، شاعر، پالیٹکس کے ماہر موجود ہیں۔ میں اس امر کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ ہمیں برطانوی حکومت کی رعایا ہو کر رہنا چاہئے، یا مسلمان بن کر اگر آپ مسلمان نہ رہنا چاہیں تو میرا سلام۔ اگر تم دنیا کے طالب ہو تو خدا کی قسم دنیا کو میں خوب جانتا ہوں کہ اس کا انجام رسوائی ہے۔ خدا ہم کو اور آپ سب کو توفیق دے کہ ہم اس کے بندے اور اس کے رسول کے سچے شاگرد بننے کا شرف حاصل کریں۔ خدا کا خوف دلوں میں بٹھائیں۔ اور دنیوی خواہشات سے بے بہرہ ہو جائیں۔“

مولانا محمد علی کی تقریر مولانا شوکت علی کے بعد مولانا محمد علی التا کبر کے گونجتے ہوئے نعروں میں تشریف لائے انھوں نے کہا: جس وقت ہم نظر بند ہوئے تھے اُس کو آج پونے پانچ برس گزرے ہیں اس وقت ایک مسئلہ ہمارے پیش نظر تھا۔ خدا شاہد ہے کہ اس پونے پانچ سال کے زمانے میں ہر دن، ہر گھنٹہ اور ہر لمحہ میں وہ مسئلہ ہمارے دل و دماغ سے دور نہیں ہا ٹھیک اس وقت جب ہم جیل سے نکل کر آئے ہیں۔ تو اس وقت بھی پیش نظر تھا۔ ہم نے اپنے جذبات کو کسی کا فر یا کسی غیر اللہ کے ہاتھ نہیں دیا۔ بحمد اللہ آج ہم آزاد ہیں۔

اسی طرح سے جب مکہ فتح ہوا تھا۔ جب رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا۔ جاء الحق زهوقاً۔ ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے پھر موقع دیا۔ جو خدمت ہم قید خانہ میں کر رہے تھے وہ باہر انجام دیں گے۔ جب وہ مصر کے قید خانے میں تھے۔ اور لوگ ان سے خواب کی تعبیر دریافت کرتے آئے تھے تو حضرت یوسف نے فرمایا تھا کہ اے میرے قید خانے کے شریکو۔ تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ ارباب حکومت اچھے ہیں۔ یا واحد القہار۔ بھائیو کیا جلیانوالہ باغ میں بیدردانہ موت مرنے سے ڈرتے ہو؟ یا اس گلی کی ذلت سے جہاں تمہیں رینگ کر چلنے کا حکم دیا جاتا تھا؟ گوجرانوالہ کی بم بازی کا خوف ہے؟ یا ڈار کے فائر کا ہکیا تم نہیں دیکھتے کہ خدائی قہر اس سے بڑا ہے؟ اس نے انفلوانزا نازل کر کے حقیر و ناتوان کیڑوں کوڑوں کے اثر سے ایک کروڑ جانوں کو ضائع کر دیا۔ کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ خدا کا قہر بڑا ہے؟ آذائے اللہ اکبر! ہمیں صرف اللہ کا خوف چاہئے۔ اس کی بادشاہت سب سے بلند بادشاہت ہے۔ میں اپنی ضعیف ماں، اپنے بچوں اور اپنی زندگی کو اللہ اور دین کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میری رہائی سے اگر کوئی معنی اخذ ہو سکتے ہیں تو یہی کہ میں اپنے خدا کے قریب پہنچ جاؤں (اللہ اکبر) ہمیں اس وقت ان علماء سے شکایت کرنی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو عبادت کا مفہوم نہیں سمجھایا۔ اور اپنے علم کو ابتدائی منازل پر محدود رکھا۔ ماہ رمضان کے ۱۳ روزے رکھ لینے یا عید الفصح کی تقریب پر جانوروں کا ذبح کر دینا ہماری ذمہ داریوں کو ختم نہیں کر دیتا۔ بلکہ عبادت کا مفہوم اصلی عبدیت کا سبق دیتا ہے۔ جس سے یہ ذہن نشین کر دیا جائے کہ ہم اللہ کے غلام ہیں۔ جن کی غلامی ہم کرتے ہیں چند ہستیاں ہیں۔ جو ہماری طرح خود بھی غلامی کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہیں۔ والسر اے پہلے والسر اے نہ تھے۔ ہم نے تسلیم کیا تو وہ والسر اے ہوئے۔ فرعون جب ماں کے بطن سے پیدا ہوا تو وہ خدا نہ تھا۔ ہم نے اُس کو تسلیم کیا اور خدا بن گیا۔ اور اس کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر ہم خود بیچس ہو گئے۔ یاد رکھو کسی کی حکومت کو دائمی بقا نہیں۔ مگر اللہ کو۔

اور کوئی راستہ سیدھا نہیں، مگر دین کا۔ اگر اس پر ایمان رکھتے ہو کہ تم پر کسی کی حکومت ہو۔ تو خدا کی رعایا بنو۔ بادشاہ بھی تمہاری طرح خود اس کی رعایا کا ایک فرد ہے۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ تم ایک خدا کے بندے ہیں۔ مراتب بیشک جدا جدا ہیں۔ مگر عہدیت میں یکساں ہیں۔ چونکہ ہمیں اس مخیر صادق کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جزیرۃ العرب سے کفار کو نکال دو۔ اس کی تعمیل کے لئے ہم مجبور ہیں۔ وہ بیت المقدس جس کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور اب تک جس پر خلیفۃ المسلمین ترکی کا اقتدار تھا ہم اس پر اغیار کا قبضہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس وقت بیت المقدس کے متعلق جو جبل الیپانی کا بیان شائع ہوا ہے اس میں مذکور ہے کہ تہائی فوج مسلمانوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو اس مقام سے پیچھے ڈھکیلا وہ بھی ایک وقت تھا۔ جب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تھے اور لوگوں نے فاتح کے اوصاف بیان کئے تھے۔ اور کہا تھا کہ بیشک وہ جملہ اوصاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں۔ اور اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کے حوالے کنجیاں کی تھیں یا اب وقت آیا کہ ہم نے اپنے بھائیوں کے خون سے اُن کنجیوں کو تر کر کے واپس کیا۔ افسوس ہم نے اپنے بھائیوں کا خون اپنے ہاتھوں سے بہایا۔ ہم وہ بہادر ہیں کہ جب اُن کے سینہ میں گولی مارتے تھے، جب اُن محافظانِ امان مقدسہ پر تیر و تلوار سے وار کرتے تھے اور جب ہمارے وار سے وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپتے تھے تو ہمارا ایک آنسو بھی نہ گرتا تھا۔

”توحید۔ خدا کو ایک ماننا ہے۔ اور اس کی غلامی کرنا۔ اس کے گھر کی حفاظت کرنا شعائر اسلام کی نگہداشت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں کعبہ کی حرمت اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں کہ مجھے اپنی بیوی و ماں کی حرمت سے اس کی عزت زیادہ ہے۔ اور میں اپنی جان نسبت اپنی موجودہ متاع کو اس پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ بھائیو! اللہ کے گھر کی حرمت بٹھالو۔ اس کی حرمت ہماری میٹیوں، بیویوں، اور ماؤں سے زیادہ ہے

اللہ کے گھر کی حفاظت کے لئے اگر ہمیں قید کر لیا گیا تو کوئی چیز نہیں جس مسلمان کو اس کے اعمال کی سزا دنیا میں مل جائے وہ بہتر ہے بنسبت اس امر کے کہ اُسے عقوبت میں نرا ملے۔ حضرات! کہی کے مارے جانے کے لئے بھی سامان کی ضرورت ہو ا کرتی ہے۔ مگر مرنے کے لئے کسی سامان کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم کعبہ کی حرمت کو ضروری سمجھتے ہیں تو ہمیں موت سے باک نہ ہو گا۔ میں اس وقت جیل سے نکل کر آیا ہوں۔ اگر مصلحتوں پر پابند رہوں تو میرا جیل خانہ میں رہنا فضول ہو گا۔ صاحبان! میں کانگریس میں بھی کہہ آیا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں۔ اور پھر بھی یہی کہوں گا کہ مصلحتوں کو چھوڑ بیٹے اور خدا سے لو لگائیے۔

تحفظ حقوق کی تائیدیں سید جالب کی مدلل تقریر | دوسرا اجلاس علی بردارن کی

تقریریں مینہ رگیا۔ اور اس میں تحفظ حقوق کی تجویز پر گفتگو کی نوبت نہ آئی۔ اس کے دوسرے دن تیسرے اجلاس میں پھر یہ سلسلہ اٹھا اور سید جالب ایڈیٹر مہدم لکھنؤ نے نہایت مدلل تقریر کی۔ انہوں نے کہا: ہماری دی خواہش ہے کہ اتحاد کی سپرٹ برقرار رہے۔ ہمارا مطالبہ اتحاد کے منافی نہیں ہے اور اگر ہے تو لیگ کی علیحدگی کی کیا ضرورت ہے؟ کہا گیا کہ سرکاری ملازمتوں کی استعداد بے سود ہے۔ کیونکہ یہ ایک غلامی ہے۔ میں کہتا ہوں محکوم قوموں کو آنے والی خوشگوار منزل کی تیاری کرتے ہوئے حصول مقاصد کے لئے ہر صیفہ میں بکثرت جانا چاہئے۔ اصلاحات کی اسکیم نافذ ہونے والی ہے۔ ہمارے سامنے ایک نیا دور آنے والا ہے۔ اگر ہم سرکاری دفاتر میں کام کرنا نہ جانتے ہوں گے تو سلف گورنمنٹ کے لئے کہاں سے واقفیت و قابلیت لائیں گے۔ اگر ہمیں یہ مشورہ دیا گیا کہ ہم سرکاری ملازمتوں سے پرہیز کریں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ بیکار و بے قیمت بن جائیں گے اور انتظامی امور میں کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔ ہندو بھائیوں سے اتحاد اور ہے اور عملی زندگی اور جن کو سرکاری دفاتر اور عدالتوں کا تجربہ ہے وہ مشکلات سے واقف ہیں۔ بحیثیت صحافی مجھے علم ہے کہ اس قسم کی شکایتیں ہفتہ

میں بیسیوں آتی ہیں۔ جن میں جائز حقوق پامال کئے جانے کا تذکرہ درج ہوتا ہے چونکہ
 عہدہ دار غیر ہوتے ہیں۔ وہ اسلامی حقوق اور مفاد کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ روزمرہ کی باتیں
 ہیں۔ سچے اتحاد کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کا دوسرا بازو کمزور
 نہ ہو۔ یونیورسٹیز میں نیابت کافی نہ ہوگی تو وہ تعلیم جو ہمارے بچوں کو بہتر بنانے والی ہوگی
 حاصل نہ ہو سکے گی، تاریخ ہمارے حسب منشاء نہ پڑھائی جاسکے گی۔ اگر ہمارے غائبے
 وہاں موجود ہونگے تو یہ تمام شکایتیں از خود رفع ہو جائیں گی۔

اردو زبان کو ہندوستان کی مشترکہ زبان تسلیم نہ کرنا افسوسناک ہی نہیں بلکہ ملکی
 ترقی کو روکنا ہے۔ مدراس سے اردو اخبارات نکلتے ہیں۔ کشمیر میں اردو مشاعرے ہوتے
 ہیں۔ بمبئی اور کراچی سے اردو صحائف جاری ہیں۔ بنگال سے اردو اخبارات نکلتے رہے
 ہیں۔ جن سے دنیا آشنا ہے۔ اور یہ سب فارسی رسم الخط میں تھے اور ہیں۔ مگر جب ہم
 دیکھتے ہیں کہ بعض صوبوں سے اس زبان کا اخراج سرکاری حکم سے کیا جاتا ہے تو ہمیں افسوس
 ہوتا ہے۔ یہ موقع اس وقت شکایت کا نہیں محض اظہار حقیقت کے لئے بیان کیا گیا ہے
 میں آپ کو ایک جگہ کے مقدمہ کی کیفیت سناؤں تو آپ حیران ہونگے کہ وہاں اردو الفباظ
 بصورت فارسی رسم الخط ترک کرائے جارہے ہیں۔ اور مقدمات کی کارروائی ہندو سی
 حروف میں قلمبند ہونے کا حکم نافذ کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے وہاں مسلمان ملازم کم رہ
 گئے ہیں۔ یہ ایک معاملہ ہے جو غور طلب ہے۔ ایک خوشگوار سپرٹ جو پیدا ہو رہی ہے
 اسے ضائع نہ کرنا چاہئے اور کسی بیرونی پر قربان نہ کرنا چاہئے۔ ان صوبوں میں جہاں
 اردو رائج ہے۔ رائج رہے۔ یہی مراسم و راجات میں آزادی قائم رکھی جائے۔
 اگر ہم غفلت کریں گے تو اچھا نتیجہ نہ حاصل کر سکیں گے۔ شعائر اسلامی، فرائض مذہبی
 ایسی چیزیں ہیں جن میں سب یکساں شامل ہیں۔ ہم کوئی نیا حق طلب نہیں کر رہے
 ہیں۔ جو حق آزادی سے ہم حاصل کر سکتے ہیں وہ طلب کر رہے ہیں۔ جو اتحاد کی سپرٹ
 پیدا ہوئی ہے اس کے ہم صدق دل سے مشکور ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے روزانہ

سلوک ہم سے کئے جاتے ہیں ان کے لئے ہم مشکور ہیں۔ اور احسان کا بدلہ احسان دینے پر تیار ہیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ مذہبی مراسم اور شعائر کا تحفظ ضروری ہے۔

مذہب کہنا کہ اس رزولوشن کو پاس کرنے کے بجائے باہمی طور پر سمجھوتہ کر لینا چاہئے میں اس کے متعلق کہوں گا کہ اس کام کو آج ہی کر لیا جائے کون اس کا مخالف ہے ہمارا مطالبہ اتحاد کے کسی طرح منافی نہیں۔ بلکہ جو خوشگوار اسپرٹ پیدا ہوئی ہے، وہ اس میں اضافہ کرنے کا موجب ہے۔ اگر کونسلوں میں ہمارے ممبر نہ ہوتے۔ تو آج لیگ اور کانگریس کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ کرشمہ بہت کچھ ملٹو مارلے اسکیم کے پیدا کردہ ہیں جب ہمارے معتد علیہ کونسلوں میں جائیں گے تو اس اتحاد میں اور زیادہ خوشگوار ترقی ہوگی پس اتحاد وہی سچا ہے کہ دونوں فرقے طاقتور ہوں۔ اور متحدہ طاقت سے ہاتھ بڑھائیں اگر ان میں سے ایک غائب اور ایک کمزور ہوگا تو سچا اتحاد نہ ہوگا۔

اصل تجویز منظور ہو گئی۔ لیگ نے کانگریس کمیٹی کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ قانون اصلاحات ۱۹۱۹ء

ترک بانی گانگوا کا منشور

کے سلسلے میں ضروری مسائل طے کرنے کیلئے وہ ایک کمیٹی قائم کرے اور اسے ہدایت کرے کہ وہ مسلم لیگ کی قائم کی ہوئی کمیٹی سے گفت و شنید کرے۔ ڈاکٹر انصاری نے یہ تجویز منظور کرائی کہ جہانگیر ممکن ہو مسلمان گائے کی جگہ دوسرے جانوروں کی قربانی کریں ان کی رائے میں تحریک ہندو مسلم اتحاد کو زیادہ پختہ کرنے کے واسطے یہ قدم اٹھایا جانا ضروری تھا کیونکہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ بہت ہمدردانہ رویہ اختیار کر رہے تھے انھوں نے یہ بھی کہا کہ ایک بڑے افسر نے انگلستان سے واپس آکر سنا یا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا اہالیان انگلستان کے دلوں پر بڑا اثر پڑا ہے۔ خلافت کے مسئلے میں ہندو ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر مسلمان جھگڑے کی بات (۹) نہ کریں گے تو اتحاد و محبت زیادہ ہوگی صاحب صدر نے ڈاکٹر صاحب کے تجویز پیش کرنے سے پہلے بتایا تھا کہ اتحاد کے فوائد مثلاً ہیں۔ رہا شریں۔ سہ پیل کی مٹی کہ وہ دلی جوش سے اس تجویز کو منظور کریں۔ تصدیق شیرانی

(علیگڈھ) نے کہا کہ انگریز یہ سمجھتے ہیں کہ جب گائے کا مسئلہ سامنے آئے گا مسلمان (۹) اور ہندو آپس میں لڑیں گے ہم اس کی تردید کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دل اور ہمارے خون ایک ہو چکے ہیں۔

سید جالب صاحب نے پریس ایکٹ کی رُو سے عائد کردہ پابندیاں اٹھانی جانے پر زور دیا۔ اور مولانا ظفر علی اور علی برادران کے مصائب کا تذکرہ کیا ان کی یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی شاہی اعلان پر اظہار تشکر کیا گیا۔ ولیعہد کے آنے کی خبر تھی۔ ان کے خیر مقدم کا ارادہ ظاہر کیا گیا جنرل ڈائر کے اس بیان پر جو اس نے ہنزہ کمیٹی کے سامنے دیا تھا پارلیمنٹ کو توجہ دلائی گئی اور اس سے عملی قدم اٹھانے کی درخواست کی گئی۔ ایک تجویز میں قانونی کارروائی شروع ہونے سے قبل اسے ملازمت سے علیحدہ کر دینے اور سرائیکل اوڈوارٹر کا آرمی کمیشن سے تعلق منقطع کئے جانے پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد کی تجویز میں لارڈ چیفسفورڈ کو ہندوستان سے واپس بلا لئے جانے کی درخواست کی گئی مسئلہ خلافت کے سلسلے میں اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا کہ مسلمانان ہند کے مطالبات قبول نہیں کئے گئے۔ نئی صلح مسلمانوں کی عام ناخوشی کی موجودگی میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ انہیں حق ہو گا کہ اپنے رنج و غم کو آئینی حید و جہد کی شکل میں ظاہر کرتے رہیں جس میں برطانوی فوج میں داخل ہونے پر اعتراض کرنا بھی شامل ہے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جواب تک اعتدال پسندوں کے ہاتھوں میں تھی یہ دھمکی اس بات کا کھلا ثبوت تھی کہ اب لیگ انتہا پسند مسلمانوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہی ہے یہ چیز اس وقت اور بھی زیادہ تین طور پر سامنے آگئی جب خلیفہ المسلمین سے ”عمیق اور غیر متزلزل ارادات و عقیدت“ کا اظہار کیا گیا۔ مصر کے مہمان وطن کے اس مطالبے سے اظہار ہمدردی کیا گیا کہ مصریوں کو خود اختیار حکومت کا حق ملنا چاہئے۔ مولانا حشر مہمانی نے سب سے آخر میں یہ تجویز منظور کرائی کہ دیس کھراپنے کا فیصلہ کیا جائے۔ حکومت پر رائل لا اور قانون تحفظ ہند کے قیدیوں کی رہائی کے لئے زور دیا گیا۔ اصلاحات کے لئے مسٹر مانیکو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں کافی بتایا گیا مگر ہندوستانیوں کی اپیل کی گئی کہ ان اصلاحات سے فائدہ اٹھائیں

۱۹۱۹ء کی کانگریس اصلاحات کے معاملے میں کانگریس میں دو پارٹیاں ہو گئی تھیں۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو اصلاحات میں حصہ

لے کر حکومت سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ ان میں گاندھی جی اور پنڈت مدن موہن مالویہ بہت نمایاں تھے۔ دوسری طرف وہ پارٹی تھی جو اصلاحات کی اسکیم کو رد کرنے پر تھی ہوئی تھی۔ اس کے لیڈر بنگال کے مشہور لیڈر مسٹر سی آر داس تھے۔ انھوں نے کانگریس کے سالانہ اجلاس امرتسر میں سب سے پہلے ہی تجویز پیش کی کہ اصلاحات مایوس کن ہیں۔ گاندھی جی نے یہ ترمیم پیش کی کہ تجویز سے لفظ مایوس کن کو خارج کر کے یہ الفاظ رکھے جائیں کہ کانگریس شاہی اعلان کو وفاداری کے ساتھ قبول کرتی ہے جو نئی اصلاحات کے نفاذ سے قبل ہوا ہے اور امید کرتی ہے کہ باشندگان ہند اور افسران حکومت ان اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون کریں گے۔ مسٹر داس اور علی برادران نے "وفاداری" پر اعتراض کیا کیونکہ اس قسم کے الفاظ سے خوشامد کی بات آتی تھی۔ یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ ۱۹۱۹ء میں علی برادران کانگریس میں شامل ہو کر اس کی کارروائیوں میں بہت زیادہ نمایاں حصہ لینے لگے تھے۔

گاندھی جی کی ترمیم کی اجلاس میں بہت مخالفت ہوئی۔ سی آر داس کو تجویز جوں کی توں قائم رہی۔ گاندھی جی کو اپنی ترمیم میں کچھ ادل بدل کرنا پڑا۔ اسی طرح جب انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ پنجاب اور گجرات میں ہندوستانیوں نے جو تشدد کیا اس پر اظہار افسوس کیا جائے اس وقت بھی ان کی سخت مخالفت ہوئی کیونکہ لوگ پنجاب کے واقعات سے بہت اثر لئے ہوئے تھے۔ مگر آخر میں یہ تجویز بھی منظور ہوئی گئی کیونکہ گاندھی جی نے اجلاس میں یہ کہا کہ اگر یہ تجویز منظور ہوئی تو وہ کانگریس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ پنجاب اور گجرات میں ہندوستانیوں نے بھی تشدد کیا ہے وہ کہتے تھے کہ میرے پاس اپنے دعوے کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اجلاس کانگریس کے ڈیلیگیٹوں میں سے بہت سے اس پر چین چین رہے۔ مگر گاندھی جی کی تجویز منظور کر لی گئی۔ گاندھی جی حکومت سے لڑنے کے لئے تیار نہ تھے شہزادہ ولیزادہ (بھارتیہ) اس زمانے میں ہندوستان آئے والے تھے انھوں نے

ولی عہد کے لئے خوش آمدید کی تجویز بھی منظور کرائی۔ لیگ کے اجلاس میں گائے نہ
 ذبح کرنے کے لئے صدر لیگ حاذق الملک حکیم اجمل خاں نے اپنے خطبہ صدارت میں
 زبردست اپیل کی تھی اور اس مضمون کی ایک تجویز بھی اجلاس لیگ میں منظور ہوئی تھی
 کانگریس نے اس پر شکریے کی تجویز منظور کی اور اس پر بھی احتجاج کیا کہ سلطنت ترکی
 اور خلافت کے مسائل کے سلسلے میں برطانوی وزرا مسلمانوں کی خواہشات کو
 پامال کرتے ہوئے مخالفانہ رویہ اختیار کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ لارڈ چیف جڈ
 کی واپسی، جنرل ڈائر کی ملازمت سے برطرفی، اور سر مائیکل اوڈوائے کی آرمی کمیٹی کی
 ممبری سے علیحدگی کا مطالبہ کیا گیا۔ پریس ایکٹ کی منسوخی پر زور دیا گیا۔

تحریک خلافت کے اجرا کے ارادے | حادثات پنجاب اور مسئلہ خلافت کی
 وجہ سے ہندوستان شدید بھینی

میں مبتلا تھا۔ اتحادیوں نے ترکوں کو مجبور کر کے جو دولت آمیز شرائط منوائی تھیں
 ان سے مسلمانوں میں بہت ہیجان تھا جریرۃ العرب کے عراق، عرب، شام اور فلسطین
 وغیرہ علاقے خلیفۃ المسلمین کی سیادت سے جدا کر دیئے جاتے تھے۔ برطانیہ اور فرانس
 نے ان پر حکمرانی قائم کرنے کے بہانے سے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ ایشیائے کوچک
 میں جہاں خالص ترکی آبادی تھی، ہائی کمیشن کے نام سے ایک جماعت کو حکمراں بنادیا
 گیا تھا جس کے سامنے سلطان ترکی کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں تھی پھر لیس
 یونان کو دیدیا گیا تھا۔ یہ طرز عمل مشر لاؤڈ جارج کے اس وعدہ کے بالکل خلاف تھا
 جو انھوں نے دوران جنگ عظیم میں مسلمانوں سے کیا تھا۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا
 کہ ایشیائے کوچک اور تھریس جہن میں خالص ترکی آبادی ہے ترکوں کے زیر نگین رہنے
 دیئے جائینگے اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ ہندوستان کے
 مسلمان اسی وعدے پر اعتبار کر کے اپنے دینی بھائیوں کے خلاف میدان جنگ
 میں لڑنے گئے تھے۔

اتحادیوں کی شرائط صلح سے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم اور غصے کا ایک ہیجان انگیز طوفان برپا تھا۔ امرتسر میں مسلم لیگ کانگریس، اور خلافت کمیٹی کے لیڈروں نے اس صورت حال پر غور کیا تھا اور یہ ارادہ ہو چلا تھا کہ تحریک خلافت کے نام سے ایک زبردست تحریک جاری کی جائے۔ گاندھی جی مسلمانوں سے گہری ہمدردی ظاہر کر رہے تھے۔ ۱۹۱۸ء کے اجلاس دہلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے ایڈریس میں جو بعد کو ضبط ہو گیا اس بنا پر ان کی بڑی تعریف کی تھی کہ وہ سچی بات کہنے سے کبھی نہیں جھجکتے اور انہوں نے ۲۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو والسٹرے کو ایک خط لکھ کر یہ بات صاف کر دی ہے کہ ہندوستان کے سیاستدان مسلمانوں کے احساسات سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اجلاس لیگ امرتسر ۱۹۱۹ء میں صدر منتخب حکیم اجمل خاں نے اپنے خطبہ صدارت میں گاندھی جی کے ہمدردانہ رویے کو بہت سراہا تھا۔ تحریک خلافت شروع کرنے کا ارادہ رکھنے والے گاندھی جی کو بھی تحریک کا ایک نمایاں سرکردہ آدمی رکھنا چاہتے تھے۔ مگر اس برات کے دوٹھا محمد علی ہی تھے۔ وہ جیل سے آزادی کا جذبہ یا ولولہ نہیں بلکہ سودا سر میں لئے ہوئے نکلے تھے۔ امرتسر میں لیگ، کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارموں پر جو تقریریں انہوں نے کیں ان کا ایک ایک لفظ اس زبردست سیاسی طوفان کی خبر دیر با تھا جو عنقریب برپا ہونے والا تھا۔ جس شخص کو ۱۹۱۵ء میں نظر بند کر کے ایک نئی سیاسی دنیا کی تعمیر سے روک دیا گیا تھا اب وہ ہر قربانی کی قیمت پر اپنے خوابوں کو حقیقت کی شکل دینے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انگریز کی حکومت شیطان کی حکومت ہے۔ اس کی جگہ خدا کی حکومت قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے نزدیک یہ مسلم تھا کہ مسلمان صرف اللہ سے ڈر سکتا ہے۔ آکسفورڈ کا گریجویٹ، آئی، سی، ایس کے امتحان میں شریک ہونے والا، جس کا طرز بودہ مانذیم افرنگی تھا، نظر بندی سے نکلا تو حافظ قرآن اور تقریباً مولوی بن چکا تھا۔ اس کے چہرے پر

ڈہائی مٹھی سے بڑی ڈاڑھی اور جسم پر کھدر کا کرتا اور پاجامہ تھا۔ اس نے اعلان کر دیا: "اب میں اللہ کا ہو چکا ہوں۔" کانگریس کے زیادہ سے زیادہ اہل پسند حیرت سے منہ کھولے اور دیدے کھاڑے ہوئے اس رئیس احرار اور شیر حریت کے گرجدار فقرے سنتے تھے۔ مسلم لیگ کے پختہ کار اور بوڑھے سیاستدانوں کی عقلیں برقی شمشیر رکھنے والے اس پرجوش لیڈر کی باتوں کو مانتے ہوئے جھجکتی تھیں مگر دل عقل کا دامن کھینچ کر اس کے ساتھ ساتھ لئے جاتے تھے۔ وہ مکمل اور اکمل رہبر قلعہ باوقار جسارت پر رعب آواز، زندگی کی بجلی دوڑا دینے والا سیاسی فلسفہ، بیباکی، جرأت، جسارت صداقت شعاری، صداقت پرستی، ایثار، بے پناہ طاقت مخالفت، علمیت، اہلیت، قابلیت، پرافتخار اور دردا انگیز تقریر کرنے والی زبان، بے پناہ مضمون کہنے والا قلم، اس کے پاس کیا نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ہندوستان اور مسلمانان ہندوستان کی سیاست ایسے شخص کے پیچھے پیچھے نہ چلتی۔

۱۹۱۹ء میں امرتسر میں ایک نئی جماعت کا پہلا سالانہ اجلاس بھی ہوا تھا یہ جمعیتہ علمائے ہند بھی جو خلافت کمیٹی کے ساتھ ساتھ بنی تھی۔ اور ہندوستان کے سنی علماء کی نمائندہ انجمن کی حیثیت سے وجود میں آئی تھی۔ یہ جانشینا کیسی سے خالی نہ ہو گا کہ علماء ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے مگر مسئلہ خلافت کی فطری سیاسی فضا میں انھیں بھی ایک علیحدہ جماعت بنانی پڑی۔ جس کا بنیادی مقصد مذہبی و سیاسی امور میں مسلمانوں کی رہنمائی تھا۔ جمعیتہ کے مستقل صدر مولانا مفتی کفایت اللہ اور اس کے مستقل سیکرٹری مولانا احمد سعید بنائے گئے۔

تخریک ترک موالات کی بدولت جدوجہد میں اس جماعت کے اثر سے بھی مسلمان کانگریس کی طرف بہت زیادہ کھینچے گئے نمایاں ارکان علی برادران کے دست و بازو اور مشیر کار تھے۔

باب ۱۹

تحریک خلافت

مولانا محمد علی کی وفد خلافت کی تجویز ۱۹۱۹ء کی خلافت کانفرنس میں جس کا مختصر سا ذکر اوپر آچکا ہے یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانان ہند کے چند نمائندے ممالک غیر میں جا کر لوگوں کو بتائیں کہ ترکوں پر کیا ظلم کیا جا رہا ہے اور مسلمان برطانوی حکومت کی وعدہ خلافت پر کتنا بیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ مولانا نے مسئلہ خلافت کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد یہ تجویز کیا کہ ایک وفد انگلستان، فرانس اور اٹلی جائے اور مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کر کے ان ممالک کی رائے عامہ کو اپنا ہمنوا بنائے۔ جنوری کے وسط میں علی برادران کے دستخطوں سے ایک بیان شائع ہوا جس میں ان ہمدردیوں کا شکریہ ادا کر سنے کے بعد جواہر لعل نہرو نے ان سے ظاہر کی تھیں یہ بتایا گیا کہ مسئلہ خلافت کے بارے میں آئندہ کیا راہ عمل اختیار کی جانی والی ہے۔

سب سے پہلے ہندو مسلم رہنماؤں کا ایک وفد اشراف ہند سے ملا۔ اس میں مسٹر محمد علی جناح، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلو وغیرہ تھے۔ جوائڈریس وفد نے پیش کیا وہ مولانا محمد علی ہی کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ مسلمان سلطنت ترکی اور سلطان ترکی کے اقتدار کو بچال دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ سلطان ترکی مسلمانوں کے خلیفہ

ہیں اور ان کی دینی وجاہت کو قائم رکھنے کے لئے دنیوی اقتدار بھی ضروری ہے۔ اگر برطانیہ نے اپنے وہ وعدے پورے نہ کئے جو جنگ کے آغاز میں کئے گئے تھے تو برطانیہ کے اقتدار کو اخلاقی ذلت اور نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا۔ والسٹرائے نے جواب میں یہ کہا کہ میں مسلمانوں کے خیالات کو حکومت برطانیہ کے کانوں تک پہنچا تو وہ دنگا مگر اس سوال کا فیصلہ صرف برطانیہ کے اختیار میں نہیں ہے۔

والسٹرائے کے اس جواب سے مسلمانوں کو مایوسی ہوئی۔ مسلم رہبروں نے ایک زوردار بیان شائع کیا کہ اگر شرائط صلح میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا لحاظ نہ رکھا گیا تو مسلمان حکومت سے رشتہ وفاداری توڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فروری ۱۹۲۲ء میں بمبئی میں خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس ہوا۔ اس میں وفد خلافت پر اعتماد ظاہر کیا گیا اور ایک اعلان میں مسلمانوں کا یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ سلطان ترکی کا اقتدار بحال رکھنے کی غرض سے عرب اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کو ترکی سلطنت سے جدا نہ کیا جائے اور سٹریٹنڈ جارج نے جو قول مسلمانوں کو دیا تھا وہ اب پورا کیا جائے۔ اس زمانے میں صلح کانفرنس کا یہ ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ میں ترکی حکومت رکھی جائے۔ انگلستان کے اخباروں اور متعصب پادریوں کو یہ بھی ناگوار گذرا انہوں نے بڑے زور شور سے صلح کانفرنس کے اس ارادے کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ بعض فرانسیسی، اور امریکن اخبارات بھی زور شور کے ساتھ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکال دیا جائے۔

مسلم لیگ کی پوزیشن | بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کی عنان قیادت لیگ کے ہاتھوں سے نکل کر خلافت کی پیشانی کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ وہ دور خلافت ایچی مشین کا تھا جو مذہبی رنگ لئے ہوئے تھا۔ مسلم لیگ ایک خالص آئینی و سیاسی جماعت ہے۔ ۱۹۲۲ء کے آغاز میں مسلم لیگ کے سکریٹری سید ظہور احمد صاحب نے ”ہمارا لائحہ عمل“ کے

عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا اور اُسے لیگ کے تمام ممبروں کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کا مکمل خاکہ پیش کرنے کے بعد ممبروں سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ جدید مواقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم لیگ کو زیادہ منظم اور قوی بنایا جائے تاکہ لائڈ کیمکش میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ رہ سکیں۔ اس پمفلٹ کے علاوہ ممبروں کو اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء کی تجاویز بھی بھیجی گئیں۔ مگر ان چیزوں کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا کیونکہ رجحانات کا دھارا تمام تر تحریک خلافت کی طرف تھا۔ حالات کے اس ہمہ گیر اثر سے مسلم لیگ نے بھی خلافت کمیٹی کے دوش بدوش تحریک خلافت کو فروغ دینے کی کوششیں شروع کر دیں ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء کو لیگ کونسل کا ایک ضروری ہنگامی جلسہ ہوا اور انگلستان کے اخباروں اور پارلیوں کے روٹیے پر غصے اور اندیشے کا اظہار کیا گیا۔ لیگ نے صاف صاف اپنے اس سچے اور مضبوط عقیدے کا اظہار کر دیا کہ اگر یہ حرکتیں جاری رہیں تو مسلمانوں کے دلوں میں انگلستان کے خلاف جذبہ دشمنی پیدا ہو جائیگا جس کے نتائج بہت خطرناک ہونگے۔ برطانوی کابینہ وزارت سے درخواست کی گئی کہ ہندوستانی وفد خلافت کو صلح کا فرانس میں اپنے مطالبات پیش کرنے کا موقع دیا جائے بشرط صلح کے خلاف شدید غصے کا اظہار کیا گیا۔ اور کونسل نے حکومت کو دہمکی دی کہ مسلمان اقتدار خلافت جزیرۃ العرب کی حرمت اور مقامات مقدسہ کو بحال کر کے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے کیونکہ یہ ان کے مذہب کا مطالبہ ہے۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت مولانا محمد علی کی قیادت میں انگلستان پہنچا جہاں وزیر ہند کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس وقت تک انگلستان خلافت اجماعی مٹیشن کو اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ وفد کے ورود انگلستان کے دن دارالعوام میں قسطنطنیہ کی

واپسی کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی۔ وفد وزیر ہند سے ملا۔ اور ان کے سامنے اپنے خیالات پیش کئے۔ ۱۷ مارچ کو اس کی وزیر اعظم برطانیہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے وفد کے مطالبات کے جواب میں کہا کہ ترکی کو ان علاقوں پر قبضہ رکھنے کی اجازت دی جائیگی جہاں ترکی آبادی ہے۔ مگر غیر ترکی علاقے ان کے حوالے نہیں کئے جاسکتے۔ مسلمانوں کے جذبات میں اس پیر حمانہ جواب سے آگ سی لگ گئی۔ ۱۹ مارچ کو ہندوستان بھر میں ہڑتالیں کی گئیں اور جلسے کر کے مولانا شوکت علی کی تیار کردہ یہ تجویز منظور کی گئی کہ اگر شرائط صلح ہمارے مذہب کے خلاف ہوئیں تو مسلمانان ہند تخت برطانیہ سے وفاداری کا تعلق منقطع کر لینگے گا نہ ہی جی نے بھی ایک اعلان شائع کیا کہ اگر شرائط صلح سے مسلمانان ہند کی تسلی نہ ہوگی تو عدم تعاون کی تحریک جاری کر دی جائے گی۔

وفد خلافت نے انگلستان میں وزیر ہند سے یہ درخواست کی کہ اسے صلح کانفرنس کی سپریم کونسل کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کی اجازت ملے۔ مگر اس کی درخواست منظور نہ ہوئی۔ تاہم قائد وفد نے اپنی زوردار تقریروں سے اور ذمہ دار لوگوں سے ملاقاتیں کر کے رائے عامہ پر کافی اثر ڈالا۔ انگلستان سے وفد خلافت فرانس گیا۔ وہاں مولانا محمد علی بہت سے لیڈروں سے ملے اور اکثر اخبارات پر اپنا اثر ڈال کر ان سے مسلمانوں کے مطالبات کی تائید کرائی۔ انہوں نے برطانوی مزدور پارٹی کے سالانہ اجلاس ۱۹۳۱ء میں بھی مسلمانوں کے مطالبات اور اپنی قوت تقریر کا لوہا منوایا۔ اٹلی پہنچ کر انھوں نے پاپائے روم کو ترکوں سے ہمدردی ظاہر کرنے پر مجبور کیا۔

شرائط صلح سے مسلمانان ہند میں بھینی | ہندوستان میں مسئلہ خلافت کے بارے میں بھینی روز بروز زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ ان حالات میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مقرر کردہ کمیٹی کی

رپورٹ نے جو واقعات پنجاب کی تحقیقات کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اپنی رپورٹ شائع کی۔ اس سے ہندو مسلمانوں میں انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ اور بڑھا۔ سرکاری ہنٹر کمیٹی نے ابھی اپنی رپورٹ شائع نہیں کی تھی۔ اپریل کے مہینہ میں جلیانوالہ باغ کا ہفتہ منایا گیا۔ ۴ مئی کو وہ شرائط شائع ہوئیں جن کی بنیاد پر اتحادی ترکوں سے عہد نامہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ شرطیں وہی تھیں جنکے خلاف مسلمان پُر زور احتجاج کر رہے تھے۔ جو نہی شرائط منظر عام پر آئیں وائسرائے ہند کی طرف سے اعلان نکلا کہ یہ شرطیں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح تو ضرور کرے گی مگر انہیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ مسلمانان ہند میں شدید پین پھیل گئی۔ ۲۸ مئی کو بمبئی میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس میں یہ طے کر دیا گیا کہ مسلمانوں کے لئے حکومت سے عدم تعاون کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ آل انڈیا خلافت کمیٹی ۱۹۱۹ء کے اواخر ہی سے حالات کا رنگ دیکھتے ہوئے عدم تعاون کے لئے تیار تھی۔ ۱۸ اپریل کو مدراس خلافت کانفرنس میں بھی عدم تعاون کا ایک پروگرام سامنے آیا تھا جس میں خطابات کی واپسی اور سرکاری ملازمتیں چھوڑنا شامل تھا جس روز خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا اسی دن ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی۔ کمیٹی کے ہندوستانی ممبروں نے اس پر اختلافی نوٹ لکھے تھے۔ رپورٹ سے یہ ظاہر تھا کہ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کی جانیں حکومت کی نظروں میں ہندوستانیوں کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہیں جو کھلاستلی تعصب ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے جس مراسلے کے ساتھ رپورٹ انگلستان بھیجی اس میں رپورٹ کی حمایت کی گئی۔ اور برطانوی کابینہ وزارت نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی اور پنجاب کے ہوشر یا سانخے کو فقروں میں اڑا دینے کی کوشش کی۔ ۳۰ مئی کو کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس میں ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ اور مسئلہ خلافت کے حل کے لئے خلافت کمیٹی کی عدم تعاون کی تحریک شروع کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کے واسطے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ نہجوں کو الہ آباد کے مقام پر تمام سیاسی پارٹیوں کی ایک کانفرنس طلب کی جائے اور عدم تعاون کی تحریک

شروع کرنے کا مسئلہ اس کے سامنے رکھا جائے۔

۲۲ جون کو آلہ آباد میں آل پارٹیز ہندو مسلم کانفرنس
 ہوئی۔ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کی اشاعت، حکومت
 کی طرف سے ہنٹر کمیٹی کے غلط نتائج کی حمایت، جنرل ڈائر کے مظالم پر پردہ ڈالنے
 کی کوشش، اتحادیوں کی طرف سے ترکوں کے سامنے نا واجب شرائط صلح رکھکر
 انھیں مجبور کرنے، اور مظالم پنجاب کے اثرات نے فضا کو اس قدر گرم اور ہندو
 مسلمانوں کے دلوں کو اس قدر جھپٹا دیا تھا کہ عدم تعاون کے سوا اور کوئی
 راستہ ہی نہ سوجھتا تھا۔ آلہ آباد کانفرنس میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ عدم تعاون کی تحریک
 شروع کر دی جائے۔ مگر عملی قدم اٹھانے سے پہلے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہندو
 مسلمانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی تحریک کا پروگرام تیار کرے۔ اس کمیٹی میں مولانا
 شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، پنڈت موتی لال نہرو اور
 گاندھی جی وغیرہ تھے۔ کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں
 ستمبر میں کلکتہ میں اپنے اپنے خاص اجلاس طلب کریں تاکہ عدم تعاون کی پالیسی
 پر بھی پوری طرح غور ہو سکے۔

۱۸ جولائی کو مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا۔ اس
 میں حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ اگر برطانیہ نے اپنا رویہ
 تبدیل نہ کیا تو مسلمان مجبور ہو کر وہ طرز عمل اختیار کریں گے جس نے حکومت کو
 برے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہندوستانی وفد خلافت کو صلح کانفرنس کے
 سامنے پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔ جو شرائط صلح ترکوں کو پیش کی گئی
 ہیں وہ بالکل غیر منصفانہ اور ناقابل برداشت ہیں، ان سے وہ وعدے ٹوٹ
 جاتے ہیں جو برطانیہ نے مسلمانان ہند سے اسلامی مقامات مقدس، تحریک
 اور ایشیائے کوچک کے سلسلے میں کر رکھے ہیں۔ اور خلافت اسلامی پارہ پارہ

ہو جاتی ہے جسے مسلمان کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ اگر ان شرائط صلح پر اصرار کیا گیا تو مسلمان
 برطانیہ کی عملی مخالفت پر اتر آئیں گے جس کا نتیجہ حکومت اور خود مسلمانوں کے لئے
 بہت بُرا نکلے گا۔ کونسل نے ہنٹر کیمپبی، حکومت ہند کی پالیسی اور برطانوی کامینڈ کے
 طرز عمل کی شدید مذمت کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت قواعد ضوابط تیار
 کرنے کے لئے ایک پارلیمنٹری کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اس نے قواعد ضوابط تیار کئے
 ان سے ایکٹ کی اس اسپرٹ پر ضرب لگی جو اس سے پیشتر ظاہر کی گئی تھی کہ اسکا
 مقصد ہندوستان کو خود اختیاری حکومت کے زینے کی پہلی سیڑھی پر پہنچانا ہے۔
 لیگ کونسل نے ان قواعد ضوابط کے خلاف احتجاج کیا۔ حکومت پر زور دیا گیا کہ
 وہ ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے ہندوستان سے مسلمان یا ہن۔ وستانی
 سپاہ نہ بھیجے۔ آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ شرائط صلح ترکی، خلافت اور مقامات مقدسہ
 (۲) ہنٹر کیمپبی اور منٹالم پنجاب اور (۳) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے قواعد ضوابط پر
 غور اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل متعین کرنے کے واسطے ۶ اور ۷ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں
 آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس منعقد کیا جائے۔ ہندو مسلم کانفرنس، الہ آباد
 کی مقرر کی ہوئی کمیٹی نے اپنا پروگرام شائع کر دیا۔ اس میں برطانوی ماں، برطانوی
 عدالتوں، اور اسکولوں کا بائیکاٹ (مقاطعہ) شامل تھا۔

خلافت کمیٹی کی طرف سے ترک موالات کا اعلان

پہلے شائع کر چکی تھی۔ لیگ اور کانگریس کی رفتار بہت سست تھی۔ یکم اگست کو
 اس نے باقاعدہ طور پر تحریک ترک موالات شروع کر دی۔ کونسلوں، اسکولوں،
 کالجوں، عدالتوں، سرکاری داریوں اور جلسوں اور برطانوی مال کا زور شور سے
 بائیکاٹ کیا جانے لگا۔ مگر تڑپا سختی برتنے سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا۔ ستمبر میں
 مولانا محمد علی ولایت سے واپس آئے۔ علی برادران اور گاندھی سب دورہ کر کے تحریک

کولمب کے ہر گوشے تک پھیلا دیا۔ ہندوؤں کے اعتدال پسند لیڈر جیسے مکس المویہ
 لاجپت رائے وغیرہ اس تحریک کے خلاف تھے کیونکہ انھیں خطرہ تھا کہ مسلمان
 جو اس وقت ہندوؤں سے کہیں زیادہ بیدار اور اثر دار سیاسی طاقت کے الگ
 ہیں افغانستان وغیرہ اسلامی ممالک سے اتحاد کر کے ہندوستان پر اسلامی
 راج قائم کر دیں گے۔ مگر گاندھی جی وغیرہ علی برادران کے زیر اثر تھے۔ وہ ان کے ساتھ
 کام کرتے رہے۔ کانگریس جمیٹیت جماعت اس وقت تک تحریک ترک موالات
 سے باہل الگ تھی۔ اس کتاب کے محدود صفحات تحریک خلافت کے کچھ حالات
 کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ اختصار سے کام لینے کی ضرورت
 ہے۔ ستر خلافت اور مظالم پنجاب کی وجہ سے مسلمانوں میں خاص طور پر جوش
 پھیل ہوا تھا۔ ترک موالات کی تحریک فوراً جوش و خروش سے بھرنے لگی۔ اور ہر حصہ
 ملک میں مخالفت حکومت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سندھ اور سرحد کے غیر مسلمانوں
 نے مولانا ابوالکلام کی تجویز پر افغانستان کو ہجرت شروع کر دی۔ مگر افغانستان کی
 حکومت نے افغانستان میں ان کا داخلہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو ناقابل طمانی
 نقصان پہنچایا۔ کونسل کے کسی ممبر نے شک و شبہ سے بچے تھے۔ حکومت کو تحریک سے
 خدشہ محسوس ہونے لگا تھا اور وہ اپنے اعلانات میں تحریک کو گالیاں دینے پر
 اتر آئی تھی۔

لیگ اور کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ لیگ اور کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ

پراختیار کرنا چاہتی تھیں۔ اسی غرض کے لئے ان کے خاص اجلاس طلب
 کئے گئے تھے۔ کانگریس نے اپنی صوبائی کمیٹیوں سے بھی رائے طلب کی تھی۔
 بنگال نے ترک موالات کی سخت مخالفت کی۔ اس کے بعد سرسی آر داس کے
 نزدیک کونسلوں اور عدالتوں کا ٹیکہ بٹ بٹہ معنی تھا۔ اجلاس کا صدر دار

الاجبت رائے کو بنایا گیا جو گورنمنٹ کی مخالفت کرنے کے لئے تیار نہ تھے حالانکہ گورنمنٹ ہی نے جنگ عظیم شروع ہونے پر انھیں جلا وطن کر دیا تھا۔ کانگریس کے ڈیلیگیٹوں میں سے زیادہ تر تحریک کے خلاف تھے۔ ترک موالات کی تجویز گاندھی جی پیش کرنی چاہتے تھے۔ مگر عام اجلاس میں پیش ہونے سے پیشتر جب کانگریس کی مجلس مضامین کے سامنے انہوں نے اپنی تجویز براۓ منظوری رکھی تو کانگریسیوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ تجویز منظور نہ ہو گئی مگر صرف سات رایوں کی اکثریت سے۔ عام اجلاس میں بھی ایک ترمیم پیش کی گئی۔ مگر تجویز منظور ہو گئی۔

۷ اور ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک کا خاص اجلاس ہوا۔ لیگ نے ترک موالات کی پالیسی پر مکمل طور سے صاف کر دیا اور جزئیات کے اعتبار سے بعض طواف میں یہ ان حدود سے بھی آگے نکل گئی جو کانگریس اور خلافت کمیٹی نے مقرر کی تھیں جس ظالمانہ طریق سے اتحادی طاقتوں نے ترکی حکومت کے ہاتھ باندھ کر اسے ذلت آفریں معاہدہ سیورے ماننے پر مجبور کر دیا تھا اس کی پُرغیض مذمت کی گئی۔ حکومت برطانیہ ترکوں سے بالجبر شرائط صلح منوانے میں نمایاں اور اہم حصہ لے رہی تھی۔ ان شرائط کی رو سے تھریس کا ایک بڑا حصہ اور سمرنا پونان کو دیدیئے گئے تھے۔ بندرگاہ اور استنبول آرمینیا کے علاقے میں شامل کر کے اتحادیوں نے لے لئے۔ ترکی کی فوج گھٹا کر صرف پندرہ ہزار کر دی گئی۔ اس سے ترکوں کے ساتھ تو ظلم ہوا ہی، ان وعدوں کو بھی بیرحمی سے کچل دیا گیا جو مسلسل ہندوستانی مسلمانوں سے کئے جا رہے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمان مسلسل احتجاج کر رہے تھے۔ اس بارے میں ہندوان کے ہمنوا تھے۔ مگر وزیر ہند نے ہندوستان کی طرف سے بھی معاہدہ سیورے پر دستخط کر ڈائے خاص اجلاس میں ان سب باتوں پر غم و غصہ ظاہر کرتے ہوئے کھلم کھلا کہہ دیا کہ مسلمان اس معاہدے میں تبدیلی کرانے کے لئے ہر ممکن موثر ذریعہ اختیار کریں گے مسائل خلافت

و پنجاب کے تصفیے کے بغیر ہندوستان کی چینی دور نہیں ہو سکتی۔ اور مسلم لیگ کی رائے میں باشندگان ہند کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ جب تک مندرجہ بالا شکایت کا ازالہ اور مکمل خود اختیار حکومت کا قیام عمل میں نہ آجائے وہ ترقی پسند اور بلاترک موالات کی پالیسی اختیار کرے جس کا اجرا مرکزی خلافت کمیٹی نے کیا ہے۔

ترک موالات کا پروگرام | چونکہ اس کی ابتدا ان جماعتوں سے ہونی چاہیے جنہوں نے اس وقت تک رائے عامہ کو بنایا اور اس کی ترجمانی کی ہے اور چونکہ حکومت خطابات اور اعزاز و اکرام، سرکاری اسکولوں، عدالتوں، کونسلوں ہی کے ذریعہ سے اپنی طاقت کی جڑ مضبوط کرتی ہے اس نے لیگ مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتی ہے۔

(۱) خطابات اور اعزاز کی مناصب کی واپسی۔ لوکل جماعتوں کی نامزدگی سے ملنے والی ممبریوں سے استعفیاء (۲) سرکاری درباروں اور دیگر سرکاری یا نیم سرکاری تقریبات میں شرکت سے انکار (۳) سرکاری یا نیم سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا مقاطعہ اور ان کی جگہ قومی اسکولوں اور کالجوں کا قیام (۴) سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ اور معاملات کے تصفیے کے لئے غیر سرکاری عدالتوں کا قیام (۵) فوجیوں، کلرکوں اور مزدوروں کی طرف سے عواقب عجب جانے سے انکار (۶) اصلاحات کے ماتحت بنی ہوئی کونسلوں میں ممبر بننے سے انکار اور رائے دہندگان کا امیدواروں کو رائے دینے سے انکار (۷) غیر ملکی چیزوں کا بائیکاٹ (۸) شریعت کی پابندی کرتے ہوئے ان مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ (معاشرتی مقاطعہ) جو اس تجویز پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی اس کے خلاف جائیں۔ مگر بشرط ہے کہ صرف مقامی خلافت کمیٹی کو اس قسم کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کرنے کا حق ہوگا۔ کانگریس نے ترک موالات کی تجویز کو ابھی تک حتمی طور پر منظور نہیں

کیا تھا۔ بنگال اور چارٹر گاندھی جی سے اتفاق نہ رکھتے تھے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ اس پروگرام سے کوئی سیاسی بیداری پیدا نہیں ہوتی۔ تینوں قسم کے یونائٹڈ کالجز کئے گئے ہیں وہ بالکل فضول ہیں۔ آخری فیصلہ ناگپور کانگریس ۱۹۲۲ء میں ہونا تھا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ حکومت کے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ علی برادران اور دیگر تارک موالات مسلم لیڈر پورے جوش و خروش سے کام کر رہے تھے۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مخالفت حکومت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ عدم تعاون کی تحریک کا ایک پہلو سرکاری یا نیم سرکاری کالجوں کا بائیکاٹ بھی تھا۔ اکتوبر میں علی برادران اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ نے علیگڑھ ہائیوے کالج کے ارباب اختیار کو حکومت سے تعلق منقطع کرنے کی ترغیب دی اور ان کے انکار پر براہ راست طلباء سے کالج چھوڑ دینے کے لئے اپیل کی۔ محمد علی کی موثر تقریریں طلباء کو کالج سے نکال رہیں۔ علیگڑھ کالج کے احاطہ کے باہر اس کے مقابلے پر ایک نیا قومی ادارہ قائم ہو گیا جس کا نام اکابرین قوم نے ”جامعہ ملیہ اسلامیہ“ رکھا۔ اس سے ان کا مقصد ایک ایسی درسگاہ کو وجود میں لانا تھا جو مسلمان بچوں کو قومی و ملی پیمانے پر تعلیم دے جامعہ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ شاید اس دور کی تمام مسلم قومی درسگاہوں میں تنہا یہی ایک ایسا ادارہ ہے جو رد عمل کی طوفانی موجوں سے زندہ بچ کر زندہ رہ بھی سکا ہے۔ ترک موالات کی تحریک میں مسلمانوں نے اپنی بے پناہ قربانیوں سے جان ڈالی۔ ہزاروں لکھوں نے نوکریاں چھوڑیں اتنے ہی خوشی خوشی چلے گئے۔ بے شمار روپیہ بطور چندہ دیا گیا ہو ترکوں کو بھیجا گیا اور تحریک پڑی صرف ہوا۔ پولیس کا خوف نوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔ تحریک خلافت کے حامیوں نے جیل خانے کا یہ تصور بدل دیا کہ وہاں مجرم اور بد معاش بھیجے

جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ذمی حیثیت اور قابل لوگ جیلوں میں بند ہوئے۔ قید کاٹنا عزت کی نشانی بن گیا۔ ہزاروں نے خطابات واپس کر دیئے۔ وکالتیں چھوڑ دیں، سرکاری اور نیم سرکاری اسکولوں کے مقابلے پر سینکڑوں جگہ قومی درس گاہیں قائم ہو گئیں۔ یہ سارا کوشش علی برادران اور ان کے رفقاء کے کار کی انتھک جدوجہد کا تھا جنہوں نے ہندوستان میں مسلمان قوم کو ایک ایسی زبردست سیاسی طاقت بنا دیا تھا جس سے حکومت بھی خوف کھانے لگی تھی۔ ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر محمد علی شوکت علی کا نام تھا۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ امن پسند ہندوؤں کے دلوں میں بھی جرأت کی آگ سلگادی۔ اس کارنامے کا سب سے بڑا میدان سالانہ اجلاس کانگریس ناگیور ۱۹۲۰ء تھا جہاں گاندھی جی کے سوا باقی سب ہندو لیڈر ترک موالات کے پروگرام کے مخالف تھے

کانگریس کے سالانہ اجلاس ناگیور میں ترک موالات منظور | **کلکتہ کے خاص اجلاس کانگریس**

۱۹۲۰ء کے بعد سالانہ اجلاس ناگیور میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے تحریک ترک موالات جاری کرنے کے بارے میں آخری فیصلہ ہوا تھا۔ مشرعی وجے ناگھو اچاریہ اس کے صدر تھے جو خاص اجلاس کلکتہ کے صدر لالہ لاجپت رائے کی طرح ترک موالات سے اتفاق نہ رکھتے تھے۔ سب سے زیادہ مخالفت بنگال کے لیڈر سی آر داس کی طرف سے ہو رہی تھی جو کانگریس کے خاص اجلاس کلکتہ کے فیصلے کو سمجھنے کے لئے مشرقی بنگال اور آسام سے ۲۵۰ ڈیلیگیٹوں کی فوج لائے۔ ہمارا شہر والے بھی مخالف تھے۔ انگلستان کی مزدور پارٹی کے ہندوستان سے ہمدردی رکھنے والے ارکان جیسے کرنل ورج وڈین وغیرہ بھی مجلس مضامین میں تجویز کی مخالفت کرنے لگے۔ ہنڈت مالویہ بھی سخت مخالف تھے۔ اعتدال پسندوں کی طرف سے مشرجناح نے اس تحریک کو قبل

از وقت اور ہندوستان کی آئینی ترقی کے لئے مضر بتایا۔ مگر مسلمانوں کی بحیثیت قوم
 ترک موالات کی پر جو ش حمایت اور مسلمانوں کے سب سے زیادہ طاقتور لیڈر
 محمد علی کی پُر زور وکالت کے آگے کوئی مخالفت ٹھہر نہ سکی۔ اس اجلاس میں کل
 ۱۴۵۸۲ ڈیلیگیٹوں میں سے ۱۰۵۰ مسلمان تھے۔ انگلستان کی مزدور پارٹی
 کے نمائندے مسٹر وینج وڈہین نے کہا: اس تحریک سے آپ کے ان ہمدردوں
 کے لئے جو انگلستان میں آپ کی حمایت میں کام کرتے ہیں، دشواریاں پیدا
 ہو جائیں گی۔ خود آپ کو بھی اس میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پولیس
 والے ہر وقت آپ کا پیچھا کرینگے۔ قانون پیشہ افراد جنہیں تاج برطانیہ کا
 وفادار رہنے کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، ترک موالات کی تحریک میں شامل
 نہ ہونگے۔ آپ لوگ ایک نامعلوم صحرائیں گھسے جا رہے ہیں۔ آپ کو
 کوئی معتد تغیری پروگرام سامنے رکھنا چاہئے۔ جو ان کی تقریر ختم ہوئی مولینا
 محمد علی نے کہا: یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ ہندوستان کے باہر ہمارا کوئی دوست
 ہے۔ ہماری نجات خود ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں اپنا مستقبل خود ہی
 تعمیر کرنا ہے۔ بہت کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے یہ راہ عمل اختیار کی ہے
 پولیس کی بھی آپ نے ایک ہی کہی۔ وہ ہندوستان کی سیاست میں کوئی
 نئی چیز تھوڑے ہی ہے۔ گزشتہ پندرہ سال کے دوران میں ہم نے حقوق کا
 ایک ایک جتہ اسی سرخ چکر چمکی کی سائے میں حاصل کیا ہے۔ بے شک
 قانون پیشہ حضرات کو وفاداری کے حلف نامے پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔
 اسی لئے تو ہمارا ان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ سندیں چاک کر ڈالیں۔ ہم جانتے
 ہیں کہ ہم ایک بے برگ و گیاہ صحرائیں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر کیوں؟
 اس لئے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس بہشت نژاد مقام کنعان کا راستہ
 اسی صحرائیں سے ہو کر جاتا ہے۔

جناح کانگریس سے الگ | سی آر داس نے محمد علی کا اثر قبول کرتے ہوئے مخالفت واپس لے لی۔ اور عام اجلاس میں ترک موالات

کارپولیویشن ان ہی نے پیش کیا اور سب لیڈر بھی شکست کھا گئے۔ ان میں سے کسی کو محمد علی نے منایا، کسی کو نظر انداز کر دیا، کسی کو پوری طرح مخالفت نہ کرنے دی۔ مگر وہ عملی سیاستداں محمد علی جناح کو اس بارے میں مطمئن نہ کر سکے۔ جناح کی رائے میں ابھی ہندوستان اس جنگ کے لئے تیار نہ تھا جو گاندھی اور محمد علی چھیڑنی چاہتے تھے کیونکہ ہندوستانی سیاست کا سب سے زیادہ مشکل مسئلہ ہندو مسلم اتحاد ابھی پوری طرح حل نہ ہوا تھا۔ ترک موالات سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے جناح ہمیشہ سے لئے کانگریس سے باہر نکل آئے

۱۹۲۰ء میں مسلم لیگ کی حالت | جیسا کہ گذشتہ اوراق سے ظاہر ہے ۱۹۱۹ء تک مسلم لیگ نہ صرف

مسلمانوں بلکہ کل ہندوستان کی طاقتور ترین سیاسی جماعت تھی۔ ۱۹۱۹ء کے اجلاس کی کارروائیوں کو اسی خیال سے زیادہ سے زیادہ تفصیل سے درج کر دیا گیا ہے کہ مسلم لیگ کی ۱۹۱۹ء کی مضبوط پوزیشن اچھی طرح روشنی میں آجائے۔ مسئلہ خلافت کے بارے میں بھی ۱۹۱۹ء کے اجلاس مسلم لیگ میں زوردار طریق سے حکومت کی مخالفت کی گئی تھی۔ لیکن شاید ان لوگوں نے جو مسئلہ خلافت سے سلسلہ میں ایک مخالفانہ تحریک جاری کرنا چاہتے تھے مسلم لیگ جیسی آئینی و دستوری جماعت کے میدان کو اپنے لئے محدود سمجھا۔ اس لئے جولائی ۱۹۱۹ء میں انہوں نے مرکزی خلافت کمیٹی کے نام سے ایک دوسری سیاسی جماعت بنائی جس نے خلافت کا لفظ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کتاب کی محدود گنجائش اور انداز بیان کسی اظہار رائے یا تنقید و تبصرہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تاہم صرف بطور اضافہ

معلومات چند باتیں جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ خلافت کمیٹی کے بانی حکیم
 اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ڈاکٹر سیف الدین
 کچو، مسٹر یقوب حسن دراس وغیرہ تھے۔ یہ سب لوگ مسلم لیگ کی اسٹیج کے
 نمایاں ترین ایکٹر تھے۔ بلکہ انہیں لیگ کے روح رواں کہا جاسکتا ہے۔
 حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچو مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء کو علی الترتیب
 صدر اور صدر استقبالیہ تھے۔ ڈاکٹر انصاری اجلاس دہلی ۱۹۱۸ء کے صدر
 استقبالیہ تھے اور ان کا فاضلانہ خطبہ استقبالیہ مسئلہ خلافت پر مسلم لیگ کے
 پلیٹ فارم سے ایسا زبردست چیلنج تھا کہ حکومت نے اسے ضبط کر لیا تھا۔
 اس اجلاس میں حضرت مولانا عبدالباری کے ارشاد پر جلسہ گاہ کے یونین
 جیک (برطانوی جھنڈے) اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے تھے اور یہ باغیانہ
 حرکت صدر منتخب مسٹر فضل الحق (بنگال) نے کی تھی۔ مسلم لیگ کی اسی باغیانہ
 فضا کو دیکھتے ہوئے ہمارا جہ بہادر آف محمود آباد جیسے اعتدال پسند لیڈر
 نے جنہوں نے لیگ کے خاص اجلاس بمبئی ۱۹۱۸ء کی صدارت کرتے ہوئے
 مونٹ فورڈ ریفارمرز کی دھجیاں اڑادی تھیں، صدارت سے استعفیٰ دیدیا تھا
 ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ ایک انتہا پسند جماعت تھی۔ حکومت اسے خطرناک
 سمجھتی تھی۔ مسٹر جناح جو ہمیشہ آئین و قانون کے میدان میں حکومت کے
 سب سے بڑے مد مقابل رہے ہیں اس کے مستقل صدر تھے۔ مگر علی اور ان
 کے لئے لیگ کی ”تنگ“ فضا بقدر شوق نہ تھی۔ انہوں نے اپنی ہرگز میوں
 سے مسلمانوں کی توجہ کا رخ صرف خلافت کمیٹی کی طرف پھیر دیا۔ مسلم لیگ
 برابر ان کا ساتھ دیتی رہی۔ اس لئے تحریک خلافت اور ترک موالات
 کو بھی قبول کر لیا مگر محمد علی اسے اپنے اور اپنے رفقاء کے لئے ناکافی
 سمجھتے تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کی انتہا پسندی جیسے ایندروں اور خان

بہدروں کو نفرت کی باڑھ پر رکھ کر سچ مچ کاٹوڑی بن جانے مجبور کر دیا ہندوؤں کی انتہا پسندی سے منزلوں آگے نکل گئی جنہوں نے اپنے نرم گرم دونوں طبقوں کو اپنے ساتھ لے کر رکھا۔

اس سے اکثر و بیشتر صوبائی لیگیں بیکار ہو گئیں۔ مقامی خلافت کمیٹیوں کے سامنے ان کی کوئی پوچھ نہ تھی۔ یا تو یہ حالت تھی کہ مسلمان لیگ کے پلیٹ فارم کی جانب پروانوں کی طرح کھینچے آتے تھے یا یہ کیفیت ہو گئی کہ مسلمانوں کی دلچسپی کو سرد کر کے لئے پنجاب اور یوپی میں لیگ کے سفری ایجنٹ دورے کر کے لیگ کا پروپیگنڈا کرتے ہیں اور صوبائی لیگ کی از سر نو تنظیم کرنے کے لئے ممبر بنانے کیلئے جاتے ہیں مگر مسلمان اور بالخصوص اوسط طبقے کے تعلیم یافتہ مسلمان کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتے۔ کچھ تو اس لئے مخالف ہیں کہ یہ سرکار پرستوں اور دشمنان اسلام کے حامیوں کی جماعت ہے اور کچھ اس لئے اس کا ساتھ نہیں دیتے کہ لیگ ترک موالات کا پروگرام ضرور اختیار کرے گی۔ ۱۹۲۷ء میں لیگ کے کل سارے نو سو ممبر ہیں۔ مگر ان میں سے صرف ایک تہائی چندہ ادا کرتے ہیں۔ جن پر کچھ لایا ہے وہ ادائیگی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ وصولی چندہ کے سلسلے میں صدر دفتر مسلم لیگ سے چھ سو دی پیاں روانہ ہوتی ہیں مگر ان میں سے صرف ایک سو سینتالیس چھڑائی جاتی ہیں باقی مکتوب الیہ لینے سے انکار ہی ہے یا "واپس کر دی گئی" کا افسوسناک طعنے لگے ہوئے واپس آجاتی ہیں اور وی پی کے خزانے کا دفتر مزید بار پڑتا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں لیگ کی کونسل کے چھ جلسے ہوئے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں صرف تین ہو سکے، تین جلسے کو رم پورا ہونے کی وجہ سے برناست کر دیئے گئے۔ لیگ کے قاعدے کے مطابق غیر حاضر ممبروں میں سے دس فیصدی تحریری رائیں بھیج دیتے تو بھی جلسے ہو سکتے تھے۔ مگر ایسا بھی نہ کیا گیا۔ سید ظہور احمد آنریری سکریٹری رپورٹ مسلم لیگ بابت ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں "بہت سے ان نمایاں ممبران لیگ سامنے بھی نہیں آیا جس کی وجہ سے لانا اجلاسوں میں بڑی گہری کمی

لیتے رہے ہیں اور اکثر اوقات خلاف مرضی امور پر بڑی مستعدی سے زبانی نکتہ چینی کرتے رہے ہیں۔ آگے چل کر اسی صفحے پر لکھتے ہیں: ”ہر چند میں کونسل کے آئندہ جلسوں کے بارے میں تجاویز اور مشورے حاصل کرنے پر رضامند بلکہ اس کے لئے بے چین رہا مگر اس قسم کے خطوط آدھے درجن سے بھی کم آئے۔“

مسلم لیگ کا تبرہ اس سالانہ اجلاس ناگپور ۱۹۲۱ء

اس عدم یکجہی کا سبب یہ تھا کہ مسلم لیگ کے سرکردہ ممبر

خلافت کمیٹی اور کانگریس کے میدانوں میں چلے گئے تھے۔ تحریک ترک موالات جاری ہو جانے کے بعد وہ سب عملی طور پر لیگ سے تقریباً جدا ہو گئے۔ لیگ کے تیسرے اجلاس کا صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بنایا گیا۔ وہ تحریک ترک موالات کے نمایاں ترین ایڈ مولانا محمد علی کے دست راست، ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی، پتہ کانگریسی اور سخت ترین مخالف حکومت تھے۔ لیگ کی صدارت کا تاج ان کے سر پر رکھا جانے سے یہ ظاہر ہے کہ لیگ کی فضا اس وقت کیا تھی۔ مگر جہان تک کونسلوں کے بائیکاٹ کا تعلق ہے ہر ایک مسلم لیگی اسکے لئے تیار نہ تھا۔ ایسی حالت میں بھی جبکہ اکثر مقامات پر کونسلوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا گیا اور کونسلوں سے نفرت ظاہر کرنے کیلئے خلافت والوں نے کہیں کسی علوائی کو اور کہیں کسی بھنگی کو کونسل کا ممبر بنوایا، مسلم لیگ کے بہت سے ممبران انتخابات سے کونسل کے ممبر بنے۔ عام طور پر جتنے طلباء نے اسکول چھوڑے اتنے دکیوں نے اپنی سندیں چاک نہیں کیں اور نہ اتنے مقامہ بازاروں نے سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ سودیشی کی تحریک خوب چلی۔ ڈاکٹر انصاری خلافتی تقویٰ مستقل صدر لیگ سرجان انکی ہر رائے سے متفق نہ تھے مگر کچھ چینی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو صدر منتخب کر دیا تھا۔ انکی وجہ یہ تھی کہ حکیم جمل خاں ورڈاکٹر انصاری انتہا پسند خلافتیوں میں سب سے زیادہ متوازن اور اعتدال پسند سمجھے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی خطبہ صدارت میں سلیٹے کیساتھ سبب باتوں کو دہرایا جو کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے کہی جا رہی تھیں۔

باب

مولانا محمد علی کی گرفتاری تک

ملک تحریک ترک موالات کو قبول کر کے آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ سیاسی میدان میں اعتدال پسند سمجھے جاتے تھے۔ یا ہشاد دیئے گئے۔ مسلمان انتہا پسندوں نے تو مسلم لیگ کو بھی اس جرم میں کہ وہ پہلے کبھی اعتدال پسندوں کی جماعت تھی، سیاسی ترقی کا نا اہل سمجھتے ہوئے پس پشت ڈال دیا حالانکہ ۱۹۱۹ء میں محمد علی کے سیاسی شیخ پر نمودار ہو کر تحریک خلافت شروع کرنے سے ذرا قبل تک مسلم لیگ بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ مگر اس پر بھی لیگ کے نمایاں ترین اعتدال پسند محمد علی جناح نے مولانا محمد علی سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے حکومت کا دست و بازو بننے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ ایوان حکومت میں گھس کر اس کی مخالفت کرتے رہے۔ وہ انہی مخالفت کو بے فائدہ مخالفت سے موتہ تر سمجھتے تھے۔ تحریک کا سیلاب حکومت کی بندشوں کے باوجود جوش و خروش سے آگے بڑھا۔ ہزاروں طلباء درس گاہیں اور دکن ایڈالتیں چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے۔ صدر امیر اصحاب نے سرکاری خطابات واپس کر دیئے۔ بدیشی کپڑے کا زوردار طریقہ پر بائیکاٹ کیا گیا۔ گھر گھر چنے چلنے لگے۔ حکومت نے لیڈروں اور حامیان تحریک کو گرفتار کرنے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جیلیں بھری جا رہی تھیں۔ کئی مقامات پر گرفتاریوں پر بس نہ کر کے گولی بھی چلائی گئی۔ بہت سے زخمی اور مقتول ہوئے۔ مسلمان اس تمام جدوجہد میں پیش پیش تھے۔ واقعات ہر ایک کو اس بات کے اعتراف پر

موجود کرتے ہیں کہ قربانی اور سیداری کی یہ فضائل ہی کی پیدا کی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے مولیوں نے خود کو اردو وطن پر نشانہ کیا۔ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ ساحل بالا بار پر آباد ہیں اور تجارت

یا کاشتکاری کرتے ہیں۔ حکومت کی یہ کوششیں تھی کہ تحریک خلافت مولیوں جیسے پکے، چری اور جنگجو لوگوں میں نہ پہنچنے پائے، مگر سیٹھ یعقوب حسن نے (جو مسلم لیگ کے پراسے کارکن تھے) بڑی جرأت سے مولیوں کے علاقہ کا دورہ کیا اور انہیں مسئلہ خلافت و مقامات مقدسہ کی اہمیت بتا کر تحریک میں شامل کر لیا۔ حکومت نے انہیں گرفتار کیا جس سے مولیوں میں بے چینی پھیل گئی۔ احتجاجی جلسے ہوئے۔ جلوس بھی نکالے گئے مگر تشدد سے پرہیز کیا گیا۔ مولیوں جیسے جنگجو لوگوں کو عدم تشدد پر اس قدر سختی سے کاربند دیکھ کر دنیا انجمنیت بددعاں رہ گئی۔ حکومت نے مولیوں کے علاقے میں سخت گیری کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا۔ تاریخ ہند کی وہ لرزہ خیز ٹریدی جیسے فسادات مولیوں کی ہیں ان واقعات کے جو ہم بیان کر رہے ہیں، چھ ماہ بعد ہوئی مگر ضروری معامہ ہوتا کہ مولیوں کی غمناک داستان تمام و کمال ہمیں بیان کر دی جائے۔ اگست میں حکومت نے علاقہ مولیوں میں دفعہ ۴۴ نافذ کر دی کیونکہ کلکٹر بالا بار دیکھ رہا تھا کہ تحریک خلافت مولیوں میں ہندوستان کے ہر حصے سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل کر حکومت کیلئے زیادہ سے زیادہ خطرناک شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ سیٹھ یعقوب حسن کی گرفتاری سے ان میں اضطراب بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں مولیوں کا کئی کٹ میں جمع ہو گئے۔ پولیس نے ان پر لاکھیاں برسائیں۔ مولیوں والیوں کی وردیاں چھین لی گئیں۔ انھوں نے بھاگ کر مسجد میں پناہ لی تو فوج نے مسجد کے گرد گھیر ڈال دیا اور مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جب مولیوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کو گرفتار کیا گیا اور مساجد کے اماموں کی ہتھک کی گئی تو ان کے روحانی رہبر تھے، تو مولیوں نے غصے سے بے قابو ہو گئے۔ حکومت بھی تیار تھی۔ فوج کی بندو قوں کا منہ مولیوں کے

سینوں کی طرف پھیر دیا۔ اس زبردست کشمکش میں چار سو موپلے ہلاک ہوئے۔ تمام علاقے میں شورش پھیل گئی۔ ہندو مہاجنوں نے لوٹے جانے کے خوف سے حکومت کے سایہ حفاظت میں پناہ ڈھونڈی۔ ان کی یہ حرکت موپلوں کو بڑی لگی۔ حکومت کے ساتھ ہندو مہاجن اور زمیندار بھی شورش بھانسانہ بن گئے۔ ضبط کی عنان ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد یہ قدرتی بات تھی کہ موپلے تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے حکومت کے خلاف آتشیں اسلحہ اور تلواریں استعمال کیں۔ حکومت کی طرف داری کرنے والے ہندو زمینداروں اور سپاہیوں کے مکانات کو جلا ڈالا، مندروں کو سہا کیا، تار توڑ ڈالے، ریل کی لائن اکھاڑ دی۔ بہت سے ہندو بھی جو حکومت کے مخالف تھے، ریل کی پٹریاں اکھاڑنے میں موپلوں کے ساتھ تھے۔ آگست میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی ایک میٹنگ میں موپلوں کے تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اس پر اظہارِ افسوس کیا گیا کہ وہ ہندوؤں کو جبراً مسلمان بناتے ہیں۔ کانگریس کی اس تجویز سے یہ جھلکتا ہے کہ موپلے ہندوؤں پر زیادتی کر رہے تھے۔ مگر جمیتہ العلماء کی مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹی نے یہ بیان سن کر کیا کہ موپلوں نے صرف ان ہندوؤں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا جو حکومت کے دست و بازو سیکران پر ظلم کر رہے تھے۔ حکومت نے موپلوں پر شدید ترین مظالم کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ایک موقع پر ٹھیک گرمیوں میں سو موپلے قیدیوں کو مل گاڑی کہہ ڈالوں میں مقفل کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھیجا گیا۔ جس سے ستر سو پلے دم گھٹنے سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ موپلوں کی شورش کو دبانے کے لئے حکومت کے خزانے سے ۵۵ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ یہ روپیہ موپلوں کے ٹھنڈا کرنے میں نہیں بلکہ انھیں عیسیت و نابود کرنے کی کوشش میں خرچ کیا گیا۔ ہزاروں ہلاک کئے گئے۔ ہزاروں قیدیوں کو لایا گیا اور مالی اعتبار سے ان کا نام و نشان مٹا ڈالنے کی پوری کوشش کی گئی۔ ۱۰ نومبر کو ایک کونسل نے یہ تجویز منظور کی کہ اس وقت تک فسادات موپلہ کی بابت کوئی آزاد اور بے لاک شہادت سہلک کے رویہ

موجود نہیں ہے۔ سرکاری ذرائع سے جو اطلاعات مشہور ہو رہی ہیں، ان پر مسلمانان ہند ہرگز اعتماد کرنے کو تیار نہیں اور وہ ان سنگین سزاؤں کو سخت رنج اور غصے کی نظر سے دیکھتے ہیں جو جنگی عدالتیں بشمول سزائے موت موپلوں کو دے رہی ہیں حالانکہ خود سرکاری بیانات کے مطابق نام نہاد جنگی معرکوں میں موپلوں کے ہزاروں آدمی ایک قتل اور زخمی ہو چکے ہیں۔ نیز جو ہولناک واقعہ ایک سو موپلوں قیدیوں میں سے ۵۶ آدمیوں کے ریل گاڑی میں جاں بحق تسلیم ہونے اور چودہ کے بعد میں وفات پا جائے گا حال میں پیش آیا ہے اس نے تمام اہل اسلام کے قلوب میں خوف و وحشت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لئے کونسل کا یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ کم سے کم تین ارکان مسلم لیگ کی ایک کمیٹی اس غرض سے مامور کی جائے کہ وہ علاقہ بالا بار میں جا کر فسادات موپلا کے اسباب و واقعات پر مع ان افسوسناک خبروں کے جو بالا بار میں ہندوؤں کے جبراً مسلمان بنائے جانے کی نسبت مشہور ہو رہی ہیں تحقیقات کرے۔ موپلوں کی داستان غم بیان کر چکنے کے بعد ہم ۱۹۲۱ء کے آغاز میں واپس لوٹ آتے ہیں۔ اور حالات کا سلسلہ ایک اہم نقطہ سے شروع کرتے ہیں۔

علی برادران کی حکومت سے نام نہاد معافی | گاندھی جی علی برادران کیساتھ ملک کے دوروں میں مصروف

تھے۔ مگر بیشتر ہندو لیڈر مولانا محمد علی کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ وہ تشدد کے حامی ہیں اور ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہتے ہیں۔ محمد علی کے متعلق ہندو لیڈر روکنے شبہ کو اسلامی دنیا کے سیاسی تیز رفتاری سے اور بھی تقویت پہنچی جس دور میں ترکی کی پوزیشن روز بروز بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ صلح کانفرنس نے ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یورپین حکومتوں میں تقسیم کر دینے کا ہتھیار کھینچا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا۔ مئی ۱۹۱۹ء میں سمرنا فتح ہو چکا تھا۔ اور اتحادی صلح کانفرنس

کے فیصلے کے مطابق اُسے یونانیوں کے حوالے کر چکے تھے۔ قوم پرست ترک جن کے سرعسکر مصطفیٰ اکمال تھے اس قبضے کو توڑنے کی فکر میں تھے۔ انہوں نے اناطولیہ میں ایک عارضی حکومت قائم کر لی۔ ۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور استنبول میں گھسکر قوم پرست ترکوں پر شدید مظالم کئے خلیفۃ المسلمین اتحادیوں کے قیدی سے تھے۔ ان سے مصطفیٰ اکمال اور خالدہ ازیب خانم کے لئے سزائے موت کے احکام لکھوائے گئے۔ مصطفیٰ اکمال انگورہ گئے۔ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو انہوں نے گریٹ نیشنل اسمبلی کے نام سے مستقل حکومت قائم کر لی۔ ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء کو معاہدہ سیورے ہوا مگر مصطفیٰ اکمال نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور دریائے سکیر یا ریونانیوں کو شکست دی۔ ترکوں کی روز افزوں کامیابی پر ہندو سیاستدانوں کے ایک طبقے کا پان اسلام ازم کا خوف بڑھتا جاتا تھا۔ اس طبقے کے نمایاں ترین فرد پنڈت مالویہ تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ وہ ترک موالد کے مخالف تھے۔ پھر بھی کانگریس میں شامل تھے۔ گو کانگریس کے علی پدگرام سے بالکل علیحدہ تھے۔ لارڈ رڈنگ نئے وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان آئے تو پنڈت مالویہ نے ان میں اور گاندھی جی میں ملاقات کرائی۔ وائسرائے نے یہ شکایت کی کہ علی برادران کی تقریروں سے تشدد کی اسپرٹ ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ پان اسلام ازم کے حامی بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹرکی اقتدار کی بحالی اور ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں ہند کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ علی برادران اپنی خطرناک پالیسی ترک کر دیں۔ کہا جاتا ہے کہ گاندھی جی نے وائسرائے کو جواب دیا کہ علی برادران عدم تشدد کے عقیدے کو مانتے ہیں مگر وائسرائے کی ملاقات سے واپس آکر انہوں نے علی برادران سے یہی خواہش کی کہ وہ ان شبہات کی تردید میں ایک بیان شائع کریں مولانا محمد علی اس خیال سے بیان دینے پر آمادہ ہو گئے مگر انکار کرنے کی صورت میں ان کے مخالفین گاندھی جی کو علی برادران کی طرف سے بدگمان نہ کر دیں۔ مگر انہوں نے

وہ اقتباسات دیکھتے چاہے جن سے واشرائے ہند کو تشدد کی بو آئی تھی کاتھن جی نے واشرائے کو تار دیکر وہ اقتباسات منگا دیئے۔ مولانا محمد علی نے انہیں دیکھنے کے بعد صاف انکار کر دیا کہ کسی سے بھی تشدد کا پتہ نہیں چلتا اور اگر اب بھی کسی کو غلط فہمی ہے تو ہم اظہار افسوس کرتے ہیں۔ لیکن جوہنی یہ بیان شائع ہوا واشرائے نے گاندھی جی کو مبارکباد کا ایک تار دیا جس کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ واشرائے اس بات پر بہت خوش ہیں کہ گاندھی جی نے واشرائے کے کہنے سے اپنے ایک ساتھی سے اعتراف قصور کرا دیا ہے اور واشرائے اس معافی کو فخرِ خدا نہ اسپرٹ سے کام لیتے ہوئے قبول کرتے ہیں۔ اسی دن جیمس فورڈ کلب میں واشرائے کی ایک تقریر تھی۔ انہوں نے اس تقریر میں بھی محمد علی کے بیان کا طویل تذکرہ کیا اور جن واقعات کی آخری کرہی کے طور پر بیان دیا گیا تھا انہیں اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا مشہور مخالف برطانیہ محمد علی نے ان کی معمولی سی کوشش سے حکومت سے اپنی مخالفانہ جدوجہد کے لئے عاجز نہ طور پر معافی طلب کی ہے اور حکومت بخوشی اسے معاف کرتی ہے جو اس کی رعایا پروری اور مسرت نظر کی کھلی دلیل ہے۔ واشرائے کی چال کی کامیابی محمد علی سے زیادہ گاندھی جی اور ان سے زیادہ نالوی جی کی ناعاقبت اندیشی سے ہوئی تھی۔ مگر اس پر سب سے زیادہ طیش مولانا محمد علی کو آیا۔ ۸ جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی کے مقام پر آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اس کے صدر مولانا محمد علی تھے۔ اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ کوئی مسلمان نہ تو برطانوی فوج کی ملازمت کرے نہ اس میں بھرتی ہوا اور نہ بھرتی میں کسی قسم کی امداد کرے کیونکہ کسی صاحب ایمان مسلمان کا دوسرے مسلمان پر تلوار اٹھانا گناہِ عظیم ہے۔ انگریزوں میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور یونانیوں میں سخت جنگ ہو رہی تھی اور انگریز کار حجامان یہ تھا کہ یونانیوں کی مدد کیلئے ہندوستانی فوجیں بھیجی جائیں۔ اس سلسلے میں ایک دوسری تجویز منظور ہوئی کہ اگر حکومت نے انگریزوں کی جنگ میں ترکوں کی مخالفت کی تو مسلمانان ہند آزادی کامل کا اعلان کر دیں گے اور آٹھ سالانہ اجلاس کانگریس

میں "آزاد شوریہ ہند" کا جھنڈا بلند کر دیا جائیگا۔ اسلام کے دشمنوں کی اعانت اور خدمت کو مذہباً حرام قرار دینے میں علمائے دین نے بھی محمد علی کا ساتھ دیا۔ تجویز کی بنیاد پر ایک فوج لے تیار کیا گیا جس پر پانچ سو علما اسلام کے دستخط تھے۔ تجویز اور فتوے کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں میں حکومت کے خلاف ایک زبردست طوفان مخالفت اٹھا۔ اور ہزار ہا مسلمان اپنے وسائل معاش کو بے جگہی کے ساتھ بریاد کر کے دفتروں سے باہر نکل آئے جہاں ان کی جگہیں فوراً دوسروں نے پُر کر لیں یہ فضا محمد علی کی دلیرانہ تقریروں سے پُر ہوئی تھی۔ مثال کے طور پر صرف ایک تقریر کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو انہوں نے کراچی کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "مجھے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ آپ لوگوں کے دلوں میں ہمت ہو، مردانگی ہو اور آزادی کی محبت ہو۔ اگر آپ کو غلامی پسند نہیں اگر آپ آزادی کے متمنی ہیں تو آپ کو ان کے راج سے اٹکنا چاہیئے۔ اور آپ کے دلوں میں اس حکومت کی طرف سے نفرت برائی اور بدخواہی ہونی چاہیئے۔ کیا یہاں کوئی وکیل ہے؟ کیا کسی کو دفعہ ۱۲۴ الف کے الفاظ یاد ہیں؟ اگر مجھ سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو تو بتاؤ۔ دفعہ ۱۲۴ میں نفرت، بددلی اور بدخواہی کا ذکر ہے۔ اگر اس دفعہ میں کچھ اور بھی ہو تو وہ بھی اس گورنمنٹ کی طرف سے آپ کے دلوں میں ہونا چاہیئے۔"

خلافت کا انفرنس کراچی کی تجویز اور مولانا محمد علی کی تقریر کراچی کے تقریباً تین مہینے بعد کانگریس نے بھی اس پروگرام کو اپنا یا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو کانگریس کمیٹیوں کو ہدایت کی گئی کہ ہر جگہ جلسے کر کے مولانا محمد علی کی تقریر کراچی کو دہرایا جائے۔ خود کانگریس نے بھی اپنے ایک جلسہ میں اسی مضمون کی ایک تجویز منظور کی۔ مولانا محمد علی کا تنہا کارنامہ تجویز اور تقریر کراچی ہی نہیں تھا۔ انہوں نے خلافت کانفرنس میں ایک زوردار تقریر کرتے ہوئے "اٹھ اٹھ بھادر کی اس چالاکی کا پردہ بھی بڑی جرات اور بیباکی کے ساتھ چاک کیا تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ حکومت ان سب باتوں کو ٹھنڈے پٹیوں کیسے دیکھتی! مخالفین

ترک موالات مالویہ اور سپرو وغیرہ قسم کے لوگ بھی برابر حکومت کو شبہ دے رہے تھے۔
 علی برادران اور ان کے رفقاء کے کارڈ اکثر کچلو، مولوی نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد
 سندھی، مولانا حسین احمد مدنی اور سوامی شنکر آچاریہ کو جنہوں نے تجویز کراچی کی تائید کی
 تھی گرفتار کر لیا گیا۔ کراچی میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں
 مقدمہ کراچی مولانا محمد علی اور دیگر ملزمان کی حق گوئی اور جرأت گفتار کی وجہ سے ایک
 عظیم النظیر یادگار بنا رہا۔ سوامی شنکر آچاریہ کو چھوڑ دیا گیا اور باقی پانچ مسلم رہبران
 کو دو دو سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ محمد علی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری
 اور سزایابی سے مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی۔ ملک میں سینکڑوں مقامات پر جلسے
 ہوئے۔ ان میں کراچی کے نقید یوں کی سزایابی پر شدید احتجاج کیا گیا اور جس تجویز پر
 سزا دی گئی تھی اسے دہرایا گیا۔ گاندھی جی نے ترجیاتی میں اسی تقریر کو علامہ دہرایا حکومت
 نے سختی شروع کر دی۔ بجا بجا گرفتاریاں شروع ہو گئیں مگر لوگوں کے دلوں سے حکومت
 جیلخانوں اور پولیس کا خوف اٹھ چکا تھا۔ ہر معاملے میں سیف سپریم کورٹ منٹ کی مخالفت
 کی جانے لگی۔ اس کے لئے اپنی حیثیت قائم رکھنا دشوار ہو گیا۔ پرنس آف ویلز (دلیہند
 انگلستان) جدید اصلاحات کے ماتحت ملی ہوئی نئی اسمبلی کا افتتاح کرنے کیلئے ہندوستان
 آنا چاہتے تھے۔ مگر دشوار صورت حال کو دیکھتے ہوئے ڈیوک آف کنٹا کو بھیج دیا گیا
 تھا۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں شہزادہ ولیعہد بھی ہندوستان آئے۔ ان کے صاحبزائی پر قدم
 رکھتے ہی ہندوستان میں ہڑتالوں سے ان کا غیر مقدم کیا گیا۔ مگر قسمتی سے اسی کے
 ساتھ بیٹی میں فسادات شروع ہو گئے جو چاروں دن تک جاری رہے۔ مسلمان علی برادران
 کی سزایابی پر بہت جبین تھے۔ انہوں نے ۲۵ دسمبر کو پرنس آف ویلز کے کلکتے آنے
 کے موقع پر مکمل بائیکاٹ کر کے اپنے جذبات کے اظہار کا فیصلہ کر لیا تھا۔ خلافت اور
 کانگریس کے تمام لیڈروں پر جمع تھے۔ لارڈ ریڈنگ بہت پریشان تھے۔ اور چاہتے
 تھے کہ پرنس آف ویلز کی آمد کلکتہ پر بحالہ مظاہرے نہ کئے جائیں۔ مالویہ جی ایک مرتبہ

حکومت کے آڑے آئے۔ انہوں نے حکومت اور اس کے مخالفوں میں سمجھوتہ کرانے کی ترکیب چلی۔ ۲۱ دسمبر کو وہ ایک وفد لیکر دائرہ سرائے سے ملے۔ سی آر داس علی پوہیل میں قید تھے۔ ان سے مشورہ کیا گیا۔ گاندھی جی حکومت سے جو سمجھوتہ کر رہے تھے اس سے صرف سول نافرمانی کے قیدیوں کی رہائی ہوئی۔ داس نے اس پر زور دیا کہ قانون ترمیم ضابطہ فوجداری سے جتنے کارکن گرفتار کئے گئے ہیں ان سب کو رہا کیا جائے تاکہ علی برادران اور ان کے رفقاء کے کاربھی رہا ہو سکیں۔ گاندھی جی نے دستوں اور نفاذ کے خیال سے متفق ہو کر کراچی کے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اسے مان لیا اور یہ طے ہوا کہ مارچ ۱۹۲۲ء کو اصلاحات کی اسکیم پر غور کرنے کے لئے ایک گول میز کانفرنس کی جائے اس میں خلافت اور کانگریس کے ۲۲ نمائندے شامل ہوں۔ لیکن حکومت فتوے علمائے اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں سزا پانے والوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ گاندھی جی ابھی جواب پر غور کر رہے تھے مگر حکیم جمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور دیگر رہبر کلکتہ سے روانہ ہو گئے۔ اور گفت و شنید ختم ہو گئی۔ پرنس آف ویلز کی آمد کے دن شاندار مکمل ہڑتال ہوئی اور ہندوستان بھر میں تحریک زور شور سے جاری رہی

۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ کی حالت

مسلمانوں کی توجہ مسلم لیگ کی جانب سے ہٹنی شروع ہو گئی تھی۔ وہ ہمہ تن تحریک ترک موالات کی طرف متوجہ تھے۔ اکثر صوبائی لیگیں نیم جان حالت میں تھیں۔ جدید قواعد پر جو اجلاس امرتسر ۱۹۱۹ء میں منظور ہوئے تھے ابھی تک عمل نہیں ہو سکا تھا۔ سفیر بھی مقرر کئے گئے تاکہ وہ صوبوں میں لیگ کے حق میں فضا پیدا کریں مگر نئی روح پھونکنے یا صوبائی لیگوں کو از سر نو مرتب کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ ممبروں کے رجسٹر میں اکینہزار سے زیادہ نام درج تھے مگر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء تک صرف ٹیڑھ سو ممبروں نے چندہ دیا۔ وصولی چندہ کے لئے اطلاع دینے کے بعد ۵۱۴ ممبروں کو روانہ کئے گئے مگر صرف ۱۲۶ چھڑا دیئے گئے باقی واپس آ گئے۔ لیگ کونسل کے سال بھر میں

حضرت مولانا جلیسہ ہو سکے حالانکہ سلسلہ میں تین اور سلسلہ میں چھ جلسے ہوئے تھے۔ ایک جلسہ میں تو ممبروں کا کورم ہی پورا نہ ہوا۔ غیر حاضر ممبروں سے اس فیصلہ کی اپنی تحریری رائیں بھیج دیے تو بھی جلسہ ہو جاتا مگر ایسا بھی نہ کیا گیا۔ کونسل کے دو جلسوں میں سے ایک ۲۴ اکتوبر اور دوسرا ۳۰ نومبر کو ہوا۔ ۲۴ کے جلسے میں احمد آباد کے مسلمانوں کی دعوت منظور کی گئی کیسالاہ اجلاس سلسلہ احمد آباد میں منعقد کیا جائے۔ مولانا ابوالکلام کو اس اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا۔ مگر مولانا نے صدر بننے سے انکار کر دیا۔ اسلئے ۳۰ نومبر کے جلسے میں ان کی جگہ مولانا حضرت مولانا کو صدر چنا گیا۔ ممبروں کے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی۔ اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی حکومت انگریزوں کو مالی امداد دینے کے لئے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے ممبران لیگ کو اس کام میں ارکان خلافت کا ساتھ دینے کی ہدایت کی گئی۔ جمعیتہ العلماء نے اپنے سالانہ اجلاس میں امیر شریعت کے تقرر کا فیصلہ کر دیا تھا۔ کونسل نے یہ اسے خارج کر کے محبت میں اس قسم کا کوئی فیصلہ کرنا مناسب ہے۔

علی برادران کے قید ہونے کے بعد مولانا ابوالکلام، ارکان جمعیتہ اور دیگر مسلمانان نے خلافت کمیٹیوں کے کام کو کانگریس کی طرف منتقل کر دیا۔ لیگ سے قیادت خلافت کمیٹی کو منتقل کی گئی۔ اب وہ اس کے ہاتھوں سے بھی چھین گئی اور تحریک کا سارا انداز کانگریس میں چلا گیا۔ سلسلہ میں لیگ کا جو سالانہ اجلاس مولانا حضرت مولانا کی صدارت میں احمد آباد میں ہوا اس کی کاروائیاں بھی کانگریس کے سالانہ اجلاس کی کارروائیوں کی ایک گونج معلوم ہوتی تھیں۔ مولانا حضرت مولانا، انتہا پسند رہے سچے جانتے تھے انھوں نے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں سواجیہ کے معنی غیر ملکی کنٹرول سے بالکل مقرر اور کمال آزادی بنائے جس پر گاندھی جی میں اور ان میں زور دیا بھڑپ ہو گئی۔ کیونکہ گاندھی جی اتنے آگے بڑھنے پر آمادہ نہ تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا کو غیر ذمہ دار متحرک کا خطاب دیا۔ لیگ کے خطبہ صدارت میں مولانا نے انگریزوں کو ہم کی دی ڈنگ انھوں نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہ کی تو مسلمانوں کو قرآن حکیم کے اس کلمہ پر عمل کرنا چاہیے گا فاقہ تو ہم حمایت و جدوجہد

(قتل کر ڈالو جہاں پاؤ تم ان کو) بعد کو ان کا خطبہ صدارت ضبط ہو گیا اور مولانا کو اس باغیانہ اسپرٹ کے اظہار کے جرم میں بیس سال کی سزا دی گئی جو اپیل میں دو برس کی رہ گئی۔

۱۹۲۲ء کے آغاز میں ترکوں کو متواتر کامیابی ہوتی گئی۔ مصطفیٰ کمال نے یونانیوں کو شکست دیدی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکوں کی فتح سے خوشی کی ہر دوڑ گئی۔ مشرکین نے جنہوں نے مسلمانان ہند کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا تھا وزیر ہند کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ معاہدہ سیورے پر نظر ثانی کی گئی اور اتحادی ترکوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے گو عرب پھر بھی ان کے حوالے نہ کیا گیا۔ مالویہ جی برابر حکومت اور گاندھی جی میں صلح کرانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ۱۲ جنوری کو بمبئی میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں بیاضابطہ طور پر گاندھی جی بھی شریک ہونے گئے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کانفرنس کی کوششوں کو کامیاب ہونے کا موقع دینے کے خیال سے سول نافرمانی کا ارادہ ایک ماہ کیلئے ملتوی کر دیا۔ مگر وائسرائے بہادر نے ان شرطوں کو منظور نہ کیا جو کانفرنس کی طرف سے پیش کی گئیں۔ کانگریس سول نافرمانی شروع کرنے والی تھی۔ ملک عدم ادائیگی محصول کی مہم پر تیار تھا مگر فروری کو چورچوڑی میں عوام نے ایک تھانے کو آگ لگا کر اکیس سپاہیوں اور ایک سب انسپکٹر کو زخمی کر دیا۔ اس سے گاندھی جی نے ۱۲ فروری کو باردولی میں ورکنگ کمیٹی میں ایک تجویز منظور کر کے تحریک بند کر دی کیونکہ ان کے خیال میں ملک ابھی عدم تشدد کے لئے تیار نہیں تھا۔ مسلمانوں کے سب لیڈر اس وقت جیل میں تھے۔ خلافت کا کام کانگریس میں منتقل کیا ہی جا چکا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ ہندوستان بھر میں گاندھی جی کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جولیڈ جیل میں تھے انہوں نے غم و غصہ اور شکر ایتھ سے بھرے خطوط بھیجے۔ کئی برادران کو سب سے زیادہ ملال ہوا۔ ہر ترقی پسند گاندھی جی سے ناراض تھا۔ ۲۲ فروری کو دہلی میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ چاروں طرف سے ان پر تنقیدیں کی بوچھاڑ ہوئی۔ مگر رائے شماری میں جیت اپنی کو چھوٹی۔ ۱۳ مارچ کو حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا اور تین برس کے لئے جیل میں ڈال دیا۔

باب ۲۱

ہندو مسلم فسادات کا دور

مصطفیٰ اکمال پاشا کی شان دار فتح ۱۹۲۲ء ترکوں کے لئے نئی زندگی کا پیام بن کر آیا۔ یونانیوں کو مصطفیٰ اکمال کے شاندار اقدام کے نتیجے کے طور پر کھلی اور مکمل شکست ہوئی۔ اور اتحادی معاہدہ سیورے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وزیر ہنر مسٹر مائیگو نے اس کی نظر ثانی کی درخواست کی جو مسلمانوں کی طرفدار سی سمجھی گئی اور پارلیمنٹ میں ان سے استعفیٰ طلب کر لیا گیا۔ وہ نہ صرف وزارت سے استعفیٰ ہوئے بلکہ دارالعوام کی ممبری سے بھی سبکدوش ہو گئے۔ مسلمان ان کی اس قربانی سے بہت متاثر ہوئے۔ ترکوں کی فتوحات پر مسلمانان ہند میں وہ پُر جوش جذبہ تہنیت اہرہاں لینے لگا جسے ان کی سیاسی جدوجہد کی تاریخ سے ایک عجیب مگر پُر نفردا بستی تھی اور جس میں ان کی تاریخ کی ایک شاندار داستان عمل پہنچاں تھی۔ نوزان میں صلح ہوئی ۲۰ نومبر کو اتحادی سلطنتوں نے سیاسی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے ایک کانفرنس کی جو دو ماہ تک ہوتی رہی۔ خلیفہ وحید الدین کو جو انگریزوں کا آدمی بن چکا تھا ترکی سے فرار ہو کر ایک انگریزی جہاز میں چھپنا پڑا ترکوں نے خلیفہ کے بھتیجے عبدالحمید آفندی کو خلیفہ مقرر کر کے خلافت کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور مصطفیٰ اکمال کی صدارت میں شورائیت حکومت قائم کر لی۔ یہ ایک نئی قومی عظمت کی پیدائش کا دن تھا۔ ترکوں کو فوجی سے زیادہ سیاسی اور ان دونوں سے زیادہ فکری

و معنوی فتح حاصل ہوئی جس کے بغیر سیاست کی فہمندیوں ہیچ ہیں۔ یہ فتح غازی عصمت پاشا انونو کے تدبیر و فراست کا نتیجہ تھی جنہوں نے لارڈ کرزن ٹائمنہ برطانیہ کی دہکیوں کے باوجود برابر کے شریک کی حیثیت سے اپنے تمام مطالبات منوائے عرب کی آزادی کے علاوہ باقی وہ تمام باتیں تسلیم کر لی گئیں جن کا ترکی اور مسلمانان ہند نے مطالبہ کیا تھا۔ ترکی سلطنت محفوظ ہو گئی۔ اسے تھریس اور ایشیائے کوچک کے زرخیز علاقوں سے محروم نہیں کیا گیا۔ ترکی کی خود مختاری اور برابری پر بھی صاد کر دیا گیا۔ درانیال کو بین الاقوامی بنایا گیا مگر اس پر کبھی ترکوں کا اقتدار تسلیم کیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہوا کہ وعدے پورے کئے گئے بلکہ اس لئے ہوا کہ وعدے فتح کئے گئے۔

کانگریس میں گروہ بندی محمد علی اور گاندھی کے جیلوں میں بند ہو جانے کے بعد حصول آزادی کی جدوجہد اور تحریک ہندو مسلم اتحاد کا رد عمل بڑی تیزی سے شروع ہوا۔ کانگریس میں پنڈت موتی لال نہرو، سی آر داس، سرینواس آئنگر، اور ان کے ہم خیال کونسلوں میں داخلے کا پروگرام پیش کرنے لگے۔ گاندھی کے پیروان کے مخالف تھے۔ مگر ان لوگوں نے ڈاکٹر انصاری سٹروی جے پٹیل، حکیم اجمل خاں، پنڈت موتی لال نہرو، راجگوپال اچاریہ وغیرہ کی ایک کمیٹی مقرر کرادی جس کا کام ملک کا دورہ کر کے حالات کا اندازہ لگانا تھا خلافت کمیٹی نے بھی اس مقصد کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ کانگریس کی کمیٹی کی رپورٹ پر نمبر تک غور نہ کیا جاسکا۔ اس رپورٹ میں سول نافرمانی کے پروگرام کو قریب قریب ملتوی کر دیا گیا تھا اور داخلہ کونسل کی سفارش کی گئی تھی۔ خلافت کمیٹی کی مقرر کردہ کمیٹی نے کونسلوں کے بائیکاٹ کی رائے ظاہر کی۔ لیکن خلافت کمیٹی کا سارا تعمیری کام کانگریس کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ بالکل بے اثر رہی۔ کانگریس کے عملی دست و بازو شل ہو چکے تھے۔ مگر گاندھی اور علی برادران کو مانے

والے داخلہ کونسل کے حامیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔ ملکائے کے اجلاس نومبر ۱۹۲۲ء میں انہوں نے پنڈت موتی لال نہرو اور سی آر داس کی ایک نہ چلنے دی۔ اور بات سالانہ اجلاس کانگریس گیا تک ٹل گئی۔ گیا میں بھی داخلہ کونسل کے مخالف جیت گئے۔ سی آر داس نے فوراً ایک سوراخ پارٹی بنالی۔ وہ بنگال کونسل پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ پنڈت موتی لال نے شملہ اور دہلی کے ایوانہائے حکومت کی تسخیر کا کام سنبھالا۔ مخالفین کہتے تھے کہ یہ جہات کیسے کامیاب ہو سکتی ہیں۔ جبکہ ابھی ۲ اگست کو وزیر اعظم برطانیہ لارڈ جارج نے نظام حکومت کو ایک آہنی شکنجہ ظاہر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں اس ڈھب سے حکومت کی جارہی ہے کہ ہندوستان کانگریزوں کی امداد کے بغیر کبھی کام چل ہی نہ سکیگا سوراخ پارٹی کا قیام ترک موالات کے خلاف بغاوت اور اس کا خاتمہ کہا جاسکتا ہے۔ گیا کانگریس کے موقع پر جمعیت العلماء نے بھی فتوے شائع کر دیا تھا کہ داخلہ کونسل حرام نہیں ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کا ردِ عمل | ہندو مسلم اتحاد کا ردِ عمل ہندو مسلم قسادات کی شکل میں شروع ہوا۔ ۱۹۲۲ء کے آغاز میں

لارڈ فشی رام عرف سوامی شرمدھانند کو جو ہندوؤں کے آریہ فرقے کے ایک نمایاں رہبر تھے، حکومت نے بلا شرط رہا کر دیا۔ وہ ترک موالات کی تحریک میں قید ہوئے تھے۔ اور ابھی ان کی قید کی میعاد پوری نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے رہائی کے فوراً بعد راجپوتانہ میں ملکائے راجپوتوں کی شدھی کا کام شروع کر دیا اس تحریک کا مقصد ان مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا جو پوری طرح اسلامی مذہب اور معاشرت سے بہرہ ور نہ ہوئے ہوں۔ مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ توہین آمیز اور مخالفت انگیز اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ان کے مذہب پر حملہ کیا جائے۔ ان میں تحریک خدافت کے ایام سے بھی زبردست ترہجیان پیدا ہو گیا

مولانا سید غلام بھیک نیرنگ وکیل انبالہ نے تبلیغ کی تحریک اٹھائی تاکہ مسلمان اپنی مدافعت کر سکیں۔ سوامی جی کے علاوہ پنڈت مالویہ بھی اس جدید فضا کے پیدا کرنے والوں میں سمجھے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ کے فسادات کی ذمہ داری مسلمانوں ہی پر ڈالی اور اپنی تقریروں سے ہندو مسلمانوں کی باہمی مخالفت کو بھڑکایا۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں سنگھٹن کی تحریک شروع ہو گئی۔ اس کا مقصد ہندوؤں کو منظم کرنا تھا۔ یہ کوئی بری بات نہیں تھی مگر سنگھٹن کے کرتا و ہر تا لوگوں کے افعال سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ اس کا مقصد ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے پر منظم کرنا ہے۔ اس کے جواب میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے مسلمانوں کو متحد اور قومی بنانے کے لئے تحریک تنظیم کی بنیاد ڈالی ان چیزوں کا لازمی نتیجہ ہندو مسلمانوں میں کشیدگی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ہندو مسلم اتحاد کو سب سے پہلی ٹھیس ملتان پنجاب میں لگی جہاں ستمبر ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر فساد ہوا بہت جلد یہ آگ پنجاب کے شہروں اور گائوؤں اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی۔ کہیں اس پر فساد ہوا کہ کسی راستے سے مسلمانوں کے تعزیئے نکلنے دینے کے لئے ہندو اپنے پھیل کا ایک تنا کیوں کاٹیں۔ کہیں اس بات پر خونریز لڑائی ہوئی کہ نماز کے وقت ہندوؤں کو مسجدوں کے آگے باجہ بجانے کا حق ہے کہیں یہ سوال اٹھا کہ مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کا استحقاق نہیں ہے کیونکہ ہندو اسے مقدس سمجھتے ہیں۔ ان فسادات میں لاکھیاں اینٹیں یا تشگیر مادے اور ہتھیار بھی کچھ استعمال کیا گیا۔ کونسلوں اور کمیٹیوں اور سرکاری دفتر میں پڑھے لکھے ہندو مسلمانوں میں چل گئی۔ مسلمان آبادی کے تناسب سے اپنے حقوق طلب کرتے تھے۔ ہندو اس مطالبے پر رہم ہوتے۔ لگتے تھے۔ یوپی میں انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ ایکٹ کی ترتیب کے وقت علامہ معاہدہ لکھنؤ کو توڑا۔ معاہدے میں مسلمانان یوپی کو ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ۳۰ فیصدی نمائندگی دی گئی تھی، ہندوؤں نے اسے ٹھنکا کر

۲۵ فیصد می کر دیا اور مسلمانوں کے ۳ حصے کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے اس معاملے کو طے شدہ بھی قرار دیدیا حالانکہ معاہدے میں یہ تھا کہ کسی قوم کے ۳ ممبر اپنی قوم سے تعلق رکھنے والے کسی مسودہ قانون یا تجویز کے خلاف ہوں تو اسے مسترد کر دیا جائیگا۔ اس سے مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ پنجاب اور بنگال میں تو ہندو اقلیتوں کی پوزیشن ہماری اکثریتوں کو گھٹا کر مضبوط کر لی گئی۔ اور ہندو اکثریتوں کے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کو ایسا متناسب دینے سے بھی گریز کیا جا رہا ہے جو ہر صورت اکثریت پر کوئی برا اثر نہ ڈال سکے گا۔

۱۹۲۲ء میں مسلم لیگ کی باپوس کن حالت

مسلمانوں کی دلچسپی اس قدر گھٹ گئی تھی کہ ۱۹۲۲ء میں ۱۰۹۳ ممبروں میں سے صرف ۲۳ ممبروں نے چندہ دیا۔ اس سال لیگ کی کونسل کا ایک بھی جلسہ نہیں ہوا۔ سید ظہور احمد صاحب سکریٹری لیگ کونسل کے آئندہ جلسوں کے لئے تجاویز حاصل کرنے کے بہت خواہشمند رہے۔ انھوں نے بار بار ممبروں سے استدعایں بھی کیں مگر وہ بیکار گئیں۔ اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ تمام ماجرا بیان کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں۔ ”شائد اس کی وجہ میری کثیر التعداد خطائیں ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرے بعد میری جگہ پر جو سکریٹری صاحب منتخب ہونگے وہ کامیاب ہونگے“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء میں مسلم لیگ زندگی اور موت کی کشمکش میں پڑی ہوئی تھی۔ خلافت کمیٹی نسبتاً بہتر حالت میں تھی۔ کانگریس کی کشتی بھی انتشار اور گروہ بندی کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ داخلہ کونسل کی تجویز گیا کانگریس میں نامنظور ہو چکی تھی مگر اب کانگریس والے رفتہ رفتہ داخلہ کونسل کی طرف جھکتے جا رہے تھے۔

۱۹۲۳ء شروع ہوتے ہی ہندو مسلمانوں کے اختلافات اور بھی زیادہ زور و شور سے ظاہر ہونے لگے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ملکی ترقی ایک خواب ہے۔ مگر جانے

ہوئے بھی جلسوں اور اخباروں میں نمایاں ہندو مسلمان تعصبات کو برابر بھار رہے تھے جس سے نادان عوام ہندوستان کی سڑکوں پر بیدریغ اپنا خون بہا رہے تھے اجیڑ، میرٹھ، سہارنپور، آگرہ وغیرہ متعدد مقامات پر ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کی ہولیاں کھیل رہے تھے۔ کانگریس نے اس سلسلے میں اتنا تو ضرور کیا کہ اپنی یکم جنوری کی مینگ میں ڈاکٹر انصاری سے قومی اتحاد کے متعلق ایک اسکیم تیار کرنے کی درخواست کی مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکی۔ اس کے ایوان میں تو داخلہ کونسل کے سوال پر افراتفری مچی ہوئی تھی۔ سی آر اس استعفیٰ واپس لینے اور سوراخ پارٹی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور ان کے مخالفین یہ دہکی دے رہے تھے کہ ہم کونسلوں کے بائیکاٹ کی ہم شروع کرنی چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ دونوں میں سے کون قیادت کرے۔ مسلم لیگ کے پندرہویں سالانہ اجلاس لکھنؤ میں صدر استقبالیہ شیخ شاہ حسین لکھنؤ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں یہ تجویز کیا کہ جمعیۃ علماء ہند کو مذہبی نوعیت کے معاملات سونپ دیئے جائیں اور خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کو ملکر ایک کر دیا جائے اور جمہوریت کا رنگ غالب کرنے کے لئے لیگ کے دستور میں اصلاح کر لی جائے۔ اجلاس کے صدر منتخب شیخ غلام بھرگرمی تھے جو ایک سنجیدہ مزاج خاموش اور سچے خادم قوم و ملک نوجوان تھے۔ انھوں نے برطانیہ کی خارجہ پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی کہ اس نے بلا واسطہ سے دشمنانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور ہندوستان کی سیاست پر ایک نظر ڈالنے کے بعد بتایا کہ ہندوستان کا سیاسی نصب العین حصول حکومت خود اختیاری ہونا چاہئے اور گورنمنٹ پر زور دیا کہ اسے اصلاحات پر فوراً نظر ثانی کر کے ہندوستان کو اس نصب العین سے قریب تر لانا چاہئے۔ آپ نے یہ تجویز کیا کہ مختلف پارٹیوں کے لیڈروں میز کا نفرنس کر کے ایک مشترکہ سیاسی پروگرام بنائیں۔ بھرگرمی صاحب نے ہندو مسلم

مناقشات کی مذمت کرتے ہوئے رواداری کے لئے اپیل کی۔ فرقہ واریت کو مٹاتیا
مگر حالات کے اعتبار سے اسے یہی قرار دیا۔ لیگ سے وجود کی اہمیت ظاہر کرتے
ہوئے کہا کہ اس میں ہر خیال کے لوگوں کے لئے گنجائش ہے۔ خلافت کمیٹی کا ایک
معیّنہ مشن ہے اس لئے یہ سوال ہی نہ پیدا ہونا چاہئے کہ لیگ کو توڑ کر خلافت کمیٹی
کو قائم رکھا جائے۔

مولانا محمد علی و ابوالکلام آزاد ہندو مسلم فساد کی مذمت میں
ہندو مسلم فساد
زیادہ سے زیادہ

شدید صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ اگست ۱۹۴۳ء میں مولانا محمد علی دو
سال کی قید بامشقت کاٹ کر جیل سے رہا ہوئے۔ انہوں نے ہندو مسلم فسادات
کی مذمت کی اور انہیں روکنے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ وہ کانگریس کے سالانہ
اجلاس کو کنڈا دے صدر منتخب تھے۔ اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے کہا۔
اگر ہمارا مقصد غلط نظر صرف علم اور پیل کے درخت ہیں تو یہ ساری کانگریس کمیٹیاں
اور خلافت کمیٹیاں محض تمسخر ہیں۔ سالانہ اجلاس سے قبل ستمبر ۱۹۴۳ء میں کانگریس کا
ایک خاص اجلاس ہوا تھا۔ اس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ انہوں نے
اپنے خطبہ صدارت کے اہم ترین حصے میں ہندو مسلم اتحاد پر بہت زور دیا۔ انہوں
نے کہا کہ اگر آج آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ترک موالاتی کونسلوں میں جائیں یا
نہ جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن خدا آج اس کا فیصلہ کر کے یہاں سے اٹھئے کہ ہندوستان
اپنی آزادی کی زخمی امیدوں کو بچائے رکھے یا اگر وہ اور سہارنپور کی خون آلود سرزمین
میں دفن کر دے۔

مسلمان معاہدہ نوزان سے کسی حد تک یہ سمجھ کر مطمئن تھے کہ
خلافت کا عزل
ترکوں کی ہستی برقرار رہ گئی جو استحکام خلافت کی ضامن ہے
مگر ترکی میں پان اسلام ازم (دین الاسلامیت) کی جگہ تحریک اتحاد تورانی مقبول ہوتی

جاری تھی۔ سر آغا خاں اور سید امیر علی نے مسلمانان ہند کی خواہشات کی ترجمانی کرتے ہوئے ترکوں سے خلافت کو برقرار رکھنے کی استدعا کی تو اس کے جواب میں عصمت پاشا انونو نے ۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ء کو ٹانگز کے نامہ نگار کو انٹرویو (موقع ملاقات) دیتے ہوئے کہا کہ اس قسم کے لوگ غیر ملکی اور برطانیہ کے لگے بندھے آدمی ہیں۔ ان کو جو مذہباً شیعہ ہیں ترکوں کو نصیحت فرمانے کی کیا ضرورت ہے کہ انھیں یہ کرنا چاہئے اور یہ نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی قومی اسمبلی نے ایک تجویز منظور کر کے خلافت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں قدرتی طور پر اس سے غم و افسوس کی لہر دوڑ گئی۔ جس چیز کے لئے انہوں نے اتنی قربانیاں دیں وہی ختم ہو گئی۔ خلافت کمیٹی نے عزل خلافت پر بہت افسوس ظاہر کیا اور دنیا کے اسلام کے کسی دوسرے حصے میں قیام خلافت کی تجویز منظور کی۔

۱۹۲۴ء میں ہندو مسلم کشیدگی اور بھی بڑھنے لگی۔ بڑے بڑے حامیان ہندو مسلم اتحاد اپنے عقائد میں متزلزل ہو گئے۔ کانگریس کے خاص اجلاس دہلی میں اکثر انصاری اور لالہ لاجپت رائے کو ہندو مسلم مسئلے کا حل دریافت کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ انہوں نے سولن پریکٹ مرتب کیا تھا جس میں جداگانہ انتخاب کے اصول اور پنجاب اور بنگال میں ہندو مسلم اکثریت کو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر کانگریس کے اجلاس میں یہ پریکٹ منظور نہ ہوا۔ اب وہاں بھی ہما سبھائی ذہنیت کے لوگ آگھسے تھے۔ البتہ بنگال میں سی آر داس نے اسے نافذ کر دیا۔ ہندو ہما سبھارو زبر و زریادہ طاقتور جماعت بنتی جا رہی تھی۔ وہ معاہدہ لکھنؤ ۱۹۱۶ء کے بائیں خلافت تھی، خود کو ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کہتی تھی اور اس بات کی دعویٰ دیتی تھی کہ کانگریس ہندوؤں کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ اگر مسلمانوں کو ہندوؤں سے سمجھوتہ کرنا ہے تو وہ ہما سبھا سے بات کریں۔ کانگریسی لیڈروں کو اس کی تردید کی فرصت نہ تھی۔ وہ کونسلوں پر قبضہ کر کے سوراخ حاصل کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ ہندو مسلم فسادات برابر

جاری تھے۔ گلبرگہ شریف، لکھنؤ، شاہجہاں پور، الہ آباد، جیلپور وغیرہ مقامات ہندو مسلمانوں کی طاقت آزمائی کے میدان بنے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ اس حالت میں غیر منظم اور پر آئندہ رہنا قومی زوال اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔ انہوں نے لیگ کو منظم اور از سر نو زندہ کرنے کی طرف توجہ کی۔

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسٹر جناح کا طلوع نو | قوم کی نظریں ایک بار پھر مسٹر جناح کی طرف

اٹھیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۵ء کے دیباچے میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ دس برس بعد ایک کمیشن مقرر کر کے تحقیقات کرائی جائیگی کہ اصلاحات کس حد تک کامیاب ثابت ہوئیں۔ وہ وقت نزدیک آ رہا تھا۔ مسلمانوں کے سامنے ایک عملی پروگرام رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس کی تکمیل مسٹر جناح جیسے بلند پایہ مفقین و آئین شناس اور ہمہ در و اسلام سیاست داں ہی کے ہاتھوں ہو سکتی تھی۔

مسلم لیگ کا پندرہواں سالانہ اجلاس لاہور ۱۹۲۲ء | چنانچہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کا جو معنی ۲۲ء

میں ہوا انہی کو صدر بنایا گیا۔ ہندو مسلم مناقشات اور آئینی جدوجہد کے آغاز کے دور میں وہی کشتی قوم کے بہترین ناخدا ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایک قانون داں مدبر بھی تھے اور اہل کانگریس کے معیار کے مطابق قوم پرست بھی تھے۔ ذاتی طور پر مسٹر جناح مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی کے مخالف تھے۔ لیکن وہ ایک حقیقت پرست پالیٹیشن (مدبر) ہوتے ہوئے اس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے تھے کہ دوسروں کے طرز عمل نے مسلمانوں کو جماعت ہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں اپنے حقوق کی حفاظت پر مجبور کر دیا ہے جس کیلئے انھیں جداگانہ نیابت کی ضرورت ہے۔ اجلاس میں مسٹر جناح نے قوم کی سیاسی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایک عملی پروگرام کی اہمیت ظاہر کی۔ چنانچہ اجلاس نے ایسی تجاویز منظور کیں جن سے اس قسم کا پروگرام وجود میں آگیا۔ ہندوستان میں

کامل ذمہ دار یا خود اختیار حکومت کے قیام پر زور دیا گیا۔ اس مطالبہ کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی شرط لگائی گئی۔ ان ذرائع پر بھی مکمل بحث ہوئی جن سے ہندوستان کے لئے ذمہ دار حکومت اور مسلمانوں کے لئے حقوق حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان طریقوں پر بھی غور کیا گیا جن سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے مطالبات کو آگے بڑھانے کے لئے مسلم لیگ کو از سر نو منظم کرنے کا ارادہ کر لیا گیا اور خلافت کمیٹی سے جس نے تمام سیاسی مسائل کو بھی اپنے دائرہ عمل میں گھیر لیا تھا کوئی ایسا سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ ہوا جس سے مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی میں تصادم نہ ہو تصادم سے بچنے کی اس لئے بہت ضرورت تھی کہ اس طرح مسلمانوں کو متحد اور منظم کر کے ملکی ترقی میں حصہ لینے کے قابل بنایا جاسکتا تھا۔ ہندوؤں کے طرز عمل سے مسلمان بچتے ہو گئے تھے۔ اجلاس لیگ نے انھیں جنگا کر مستعد کر دیا اور ایک پروگرام کی شکل میں قومی لائحہ عمل بھی ان کے سامنے رکھ دیا۔

اتحاد کی کوششیں | ہندو مسلم تنازعات اور کشیدگی برابر بڑھ رہی تھی۔ شہنشاہی سنگھٹن، ہندو مہاسیما، مالویہ اور لاجپت رائے کا

طولی بول رہا تھا۔ گاندھی جی اپنی شدید علالت کی وجہ سے جیل سے رہا کر دیئے گئے تھے۔ مگر اب ملک کی سیاسی فضا ان کا کوئی دباؤ قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ کانگریس میں سوراجی اپنی رائے منوالے پر تلے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے رہائی کے بعد جوہو میں سی آر داس اور پنڈت موتی لال نہرو سے گفت و شنید کی۔ سوریہو سے اختلاف رائے رکھتے ہوئے بھی گاندھی جی کو ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ بنگال میں نوجوان پارٹی تشدد پر اتر آئی تھی۔ اس نے انگریزوں پر ہم مارنے شروع کر دیئے تھے۔ یہ تحریک عدم تشدد سے کھلی بغاوت تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے معاملے میں بھی گاندھی جی کی کچھ نہ سنی گئی۔ ستمبر ۱۹۴۶ء میں تشددی

اور سنگتہٹن کے اثر سے کوہاٹ میں ایک خوفناک ترین ہندو مسلم فساد ہوا۔ گاندھی جی اور مولانا شوکت علی واقعات کی تحقیقات کے لئے کوہاٹ گئے۔ علی برادران ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرگرم کوششیں کر رہے تھے۔ کوہاٹ کے فسادات پر گاندھی جی اور مولانا شوکت علی دونوں نے جب اگانہ رپورٹیں تیار کیں۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کو فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ کہا کہ ”مسلمان دنگی ہیں۔ ہندو بزدل ہیں“ مولانا شوکت علی کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کو کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا۔ اسی زمانے میں دہلی میں بھی زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔ گاندھی جی نے دہلی میں مولانا محمد علی کے مکان پر ایکس روز کا فاقہ شروع کر دیا۔ مناقشات کی آگ کو بجھانے کے لئے خیر خواہان ملک نے ۲۴ ستمبر سے ۲ اکتوبر تک دہلی میں ایک اتحاد کانفرنس کی جس میں ایک قومی پنچایت بنائی گئی جس میں گاندھی جی کے علاوہ حکیم اجمل خاں اور لالہ لاجپت رائے وغیرہ تھے۔ پنچایت نے فسادات کو روکنے اور مذہبی روداری قائم کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ ۱۶ اکتوبر کو پنچایت کے فیصلے کے مطابق ہندوستان بھر میں جلسے ہوئے جن میں گاندھی جی کی بجائی صحت کے لئے دعا اور قومی پنچایت کے اصولوں کی تائید کی گئی۔ خیال یہ ہوا کہ ایک آل پارٹیز کانفرنس دسب جماعتوں کی مجلس انومبر میں بمبئی میں طلب کی جائے۔ اور اس میں ہندو مسلم مسئلے کا حل سوچا جائے۔ مگر یہ کانفرنس نومبر میں نہ ہو سکی۔ البتہ دسمبر میں لاہور میں ہندو مسلم رہبروں کا ایک جلسہ ہوا جس میں تقریباً سبھی نمایاں ہندو مسلم لیڈر موجود تھے پنجاب ہندو مسلم فساد کا سب سے بڑا کھڑا رہ چکا تھا اس لئے جلسے میں پنجابی تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کے سیاسی اختلافات پر گفتگو ہوئی مسلمانوں نے تناسب آبادی کے لحاظ سے نمائندگی ملنے کا مطالبہ کیا۔ سیکھوں نے مراعات، طلب کیں ہندوؤں کی طرف سے صرف یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر پنجاب میں مسلمانوں کو یقینی اکثریت حاصل ہو گئی تو جنگجو ہونے کی وجہ سے وہ پنجاب اور ہندوستان کے لئے

ایک خطرہ بن جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان حقوق کا مطالبہ ترک کر دیں، سیاست کو مذہب سے جدا رکھیں، بیرونی ممالک اسلامیہ سے منقطع ہو کر صرف ہندوستانی بنیں، ششما پراعت راض نہ کریں، تنظیم کو چھوڑ دیں کیونکہ اس میں ہندوؤں کی مخالفت کا جذبہ ہے، جہد اگانہ نمائندگی پر زور نہ دیں اور دستبرد اور لوکل بورڈوں اور یونیورسٹیوں اور دفاتر میں بھی جہد اگانہ نیابت کا اصول رائج نہ کریں۔

مسلم لیگ کا سو طواں سالانہ اجلاس بمبئی ۱۹۲۷ء اس تاریک فضا کو شمع اتحاد سے

روشن کرنے کے وسائل سوچنے کے لئے بمبئی میں لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس کے انعقاد میں بہت کچھ مشرجناح کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں بھی انہی کی کوشش سے بمبئی میں اجلاس لیگ ہوا تھا۔ مگر زمانہ کس قدر بدل چکا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں سب قوموں میں اتحاد کی خواہش تھی۔ ۱۹۲۷ء میں ہر طرف سے نا اتفاقی کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ مگر ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ اور مشرجناح ملک اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے پر زور جہد و جہد پر آمادہ تھے۔ رضا علی صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اس پر زور دیا کہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دینے کے معاملے میں حکومت کو جلد کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ اور فوج میں ہندوستانیوں کو بھی دتمہ دار عہدے دینے چاہئیں۔ انہوں نے لیگ کی پچھلے چند سال کی بے عملی پر روشنی ڈالی اور یہ وائے ظالمہ کی کہ خلافت کمیٹی کو مذہبی معاملات سونپ دیئے جائیں اور داخلی امور لیگ سنبھال لے۔ سب سے بڑا مسئلہ ہندو مسلم اتحاد اور مسلمانوں کے حقوق کا تھا۔ رضا علی صاحب نے ۱۹۲۷ء سے لیکر ۱۹۲۷ء تک کے واقعات پر ایک نظر ڈالی اور ہندو مسلم مناقشات کے لئے عوام سے زیادہ لیڈروں کو ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے ششما سنگھن اور تنظیم کے کارکنوں سے ان تحریکوں کو بند کر دینے کی اپیل کی۔ ۱۹۲۷ء کے ہندو مسلم سمجھوتہ کا ذکر چھپر کر انہوں

نے بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کے اعتراض کا تذکرہ کیا کہ ان صوبوں میں مسلم اکثریت کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ ان کے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ یوپی کے ہندوؤں نے ۱۹۲۲ء میں سب سے پہلے ڈسٹرکٹ بورڈوں میں اس صوبے کی مسلم اقلیت کی نمائندگی سمجھوتے کے مقرر کردہ اعداد سے کم کر کے سمجھوتے کی خلاف ورزی کی۔ ہر کیف باہمی سمجھوتے سے معاہدے پر نظر ثانی ہو سکتی تھی۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں ایک کمیٹی بنائی گئی کہ وہ جماعتہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق کے حصول کی غرض سے مطالبات مرتب کرے اور دوسری انجمنوں سے گفت و شنید کر کے مسلم لیگ کو صورت حال سے باخبر کرے۔

آل پارٹیز کانفرنس بمبئی | ہندو مسلم کشیدگی براہِ بڑھ رہی تھی۔ جو آل پارٹیز کانفرنس نومبر ۱۹۳۴ء میں نہ ہو سکی تھی اسے جنوری ۱۹۳۵ء

میں ایک اشد ضرورت سمجھتے ہوئے دہلی میں منعقد کیا گیا۔ کانفرنس میں یہ معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے لیڈر مسلمانوں کے مطالبہ جب راگنا نہ نیابت کے بالکل مخالف ہیں کیونکہ وہ اسے ایک ایسی برائی سمجھتے ہیں جو قومیت کی راہِ ترقی میں مائل ہے۔ یہ خیال پٹت مالویہ نے ظاہر کیا اور مسلمانوں سے دریافت کیا گیا کہ اگر معاہدہ لکھنؤ میں وہ کچھ ترمیمات چاہتے ہیں تو انہیں طاعنہ کریں تاکہ ان کی روشنی میں گفتگو کیا سکے مسلمانوں کو ہندوؤں کے اس طعنے سے بہت مایوسی ہوئی۔ مسٹر جناح کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ ہے کہ بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو اور دوسرے صوبوں میں اقلیتوں کی حفاظت کے جو اصول معاہدہ لکھنؤ میں طے کئے جا چکے ہیں وہ قائم رہیں۔ اور ملازمتوں کا بھی تصفیہ ہو جائے۔ لالہ لاجپت رائے نے لاجپت انصاری پیکٹ سولن میں جب راگنا نہ نمائندگی کو تسلیم کر لیا تھا مگر اب وہ نیا اقلیت میں ہوئے۔ علی بادوان نے اتحاد کے لئے اپیل کی۔ ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی

کہ وہ جماعت ہائے قانون ساز اور ملازمتوں میں مختلف اقوام کی نمائندگی کے بارے میں
اسیکم تیار کرے۔ اس کمیٹی کو یہ بھی بتانا تھا کہ کن ورائٹس سے سب قوموں کا نگریں
میں شامل کیا جاسکتا ہے اور سورا ج کی وہ کونسی اسیکم ہو سکتی ہے جو بنظر حالات
سب کے لئے قابل قبول ہو۔ کمیٹی کی کامیابی کی شروع ہی سے کوئی اُمید نہ
تھی۔ یہ ناکام رہی۔ اور اس طرح ناکام رہی کہ آئندہ کے لئے کوشش کا راستہ
بھی مسدود نظر آنے لگا۔

مئی ۱۹۲۵ء میں کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے اعلان کر دیا کہ
مجھے ہندو مسلم کشمکش کا کوئی علاج نہیں سوچتا۔ یہ ہندو مہاسبھا کی کھلی
فست تھی۔ اب مالوی، لاجپت رائے اور شر دھانند ہندو قوم کے مسئلہ لیڈر
تھے۔ کلکتہ، الہ آباد وغیرہ مقامات پر خونریز فسادات اور لڑائیاں ہوئیں۔ کانگریس
ان حالات کو ختم کرنے پر قدرت نہ رکھتی تھی۔ اس کا سارا زور سمٹ کر کونسلوں میں
چلا گیا تھا۔ گاندھی جی عملی پنڈت موتی لال کے حق میں رہبر ہی سے دست بردار
ہو چکے تھے۔ کانگریس مکمل طور پر سورا جیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ ان میں ایک
گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو عہدے قبول کرنے کے حق میں تھا۔ گاندھی جی اعلان
کر چکے تھے کہ ترک موالات اب میرے لئے ایک دماغی رجحان سے زیادہ نہیں
مسلمانوں نے امرتسر میں ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی۔ اس کی غایت باہمی
مشورہ تھی۔ مگر اس زمانے میں حالات کا بہاؤ کچھ ایسا تھا کہ یہ کانفرنس مجلس
مشاورہ کی جگہ تنظیم کانفرنس بن گئی۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا مقصد حاصل
نہ ہو سکا۔

لیگ کی حالت اس وقت پہلے کی بہ نسبت کچھ بہتر ہو گئی تھی مگر اب بھی مسلمانوں
کی بے حسی کا یہ عالم تھا کہ گو ممبران کو اجلاس لاہور کی کارروائی بھی گئی اور ظہور احمد
صاحب سریشی لیگ نے ۲۰ اگست کو اپنے ایک گشتی مراسلے کے ذریعے

سے اجلاس لاہور کے عسلی پر وگرام کا ایک واضح خاکہ بھی ان کے سامنے رکھ دیا مگر قوم کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ اجلاس لاہور میں ایک کمیٹی دوسری سیاسی جماعتوں سے مشورہ کر کے دستور اساسی بنانے اور دوسری خلافت کمیٹی سے اختلافات دور کرنے کے لئے بنی تھی۔ مگر ان کمیٹیوں کا کوئی جلسہ ہی نہیں ہوا۔ اجلاس بمبئی میں جہاں آل پارٹیز کانفرنس دہلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی وہیں ان دونوں کمیٹیوں کی تجلید بھی کی گئی مگر کچھ بھی اس سلسلے میں کوئی کام نہ ہو سکا۔ مگر جہاں تک ہندو مسلم اتحاد اور ملکی ترقی کا سوال ہے مسلم لیگ کے نمایاں رہبر برابر اپنا کام کرتے رہے۔

مسلم لیگ کا سترہواں اجلاس علیگڑھ ۱۹۲۵ء | مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس

کے موقع پر علیگڑھ میں ہوا۔ اس کے صدر آئرلینڈ سر عبدالحکیم تھے جو بنگال کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر اور مدراس ہائیکورٹ کے جج رہ چکے تھے۔ انہوں نے ہندو مسلم تعلقات پر ایک طویل تبصرہ کرنے کے بعد یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان کو سلطنت انگلشیہ کے ایک جزو شریک کی حیثیت سے ترقی کرنی ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کی طرف سے متحدہ آئرلینڈ نظام بنا کر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو مسلمانوں کے سربراہ اور وہ نمائندوں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جائے سر عبدالحکیم نے صاف کہہ دیا کہ اگر موجودہ حالات میں مشترکہ یا مخلوط انتخاب رکھا گیا تو اہم اقلیتوں کو نقصان پہنچے گا۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں جماعت ہائے قانون ساز میں تناسب آبادی کے لحاظ سے نشستیں دی جائیں اس وقت مسلمانوں کی تین سیاسی جماعتیں کام کر رہی تھیں۔ مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور تنظیم کانفرنس۔ جمیئہ علمائے ہند اور تبلیغ کانفرنس نے مذہبی امور کی نگہداشت کا کام سنبھال لیا تھا۔ صدر لیگ نے ان تینوں جماعتوں کے کام کی تعریف کی اور مسلم لیگ کی اہمیت

ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے ارکان کو جماعتہائے قانون ساز میں مضبوط جماعتیں بنانیکی اشد ضرورت ہے تاکہ مسلم حقوق کی صحیح طور پر حفاظت ہو سکے۔ انہوں نے بین الاسلامی مسائل وقت پر بھی روشنی ڈالی اور اردو زبان کو عربی رسم الخط میں قومی زبان بنائے جانے پر زور دیا۔ ۱۹۲۵ء کے دودگر اہم واقعات سلطان ابن سعود کا شریف حسین کو شکست دیکر حجاز پر قبضہ اور حکومت برطانیہ کا ریفارمز (اصلاحات) کی تیسری قسط کے سلسلے میں ایک شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان ہیں۔

ہندو لیڈروں کا طرز عمل | اس اعلان پر سوراج پارٹی نے اسمبلی میں ایک تجویز رکھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ہندوستان کو مکمل خود اختیاری حکومت تفویض کرنے کے خیال سے اصلاح کی جائے اور اصلاحات کا تصفیہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ قریبی زمانے میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے پارٹی کے اس مطالبے کا حکومت پر کوئی اثر نہوا کیونکہ ایک تو ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی تھی۔ دوسرے نو دسواچی آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پاش تھے۔ ۱۹۲۶ء کے آغاز میں سورا جیوں کا اختلاف رائے نمایاں طور پر منظر عام پر آگیا۔ اب سوراج پارٹی کے بعض نمایاں رکن، جیسے لاجپت رائے کیلکرا و جبیکر وغیرہ عہدے قبول کر کے حکومت سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ ترک موالات کو چھوڑ کر کانگریس نے داخلہ کونسل کا راستہ پکڑا۔ اب کونسل میں داخل ہونے کے بعد بعض کانگریسی عہدے قبول کرنے پر آگئے۔ لالہ لاجپت رائے تو حکومت سے تعاون ہی کی صلاح دینے لگے۔ اب وہ کانگریسی ہونے پر قناعت نہ کر کے ہندو قوم کے لیڈر بن چکے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں بجٹ پیش ہونے پر مرکزی اسمبلی میں پنڈت موتی لال نہرو نے پارٹی سمیت واک آؤٹ احتجاجاً ترک اجلاس کہیا تو اسے لالہ لاجپت رائے نے ہندو قوم کے لئے بہت نقصان دہ قرار دیا۔ انہوں نے ہندوؤں کو اس بات کی تلقین شروع کر دی کہ جو حکومت کے گڑھے میں انہیں بہانہ سمجھو۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ حکومت سے مل کر ہندو قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں یا نہیں۔ بھائی پرباشی جو ہندو جمہاسیما کے ایک تابندہ سنارے بن رہے تھے ہندوؤں کو سرکار سے بلکہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کی تعلیم دے رہے تھے۔ مالویہ جی کا تو یہ اعتقاد ہی تھا کہ

سوراج ہندوراج ہو گا۔ رنگا آڑ صاحب اسی بات کو جمہوری انداز سے یوں ظاہر کرتے تھے۔ کہ سوراجیہ کاراج اکثریت کاراج ہے جو کانگریس کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ ان سب باتوں کے اثرات سے ہندو مسلم مناقشات روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔

فسادات کلکتہ | اپریل ۱۹۰۷ء میں کلکتہ میں خوفناک ہندو مسلم فسادات ہو ہی چکے تھے پورے چھ ہفتوں تک کلکتہ کی گلیاں ہندو مسلمانوں کے خون سے رنگین رہیں۔ آریہ سماج کی سرگرمیوں پر مسلمانوں کو بڑا زبردست اعتراض تھا کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مشتعل کر دینے والی حرکات کرتے تھے۔ کلکتہ کا فساد آریہ سماجیوں اور چند مسلمانوں کے باہمی جھگڑے ہی سے شروع ہوا تھا۔ مگر بہت جلد فساد کی آگ سب طرف پھیل گئی تھی۔ مسجدیں سمار کی گئیں، مندر گرائے گئے۔ لوٹ مار اور ہلاکت کا ایک زبردست طوفان پھٹ پڑا۔ کل ۱۱۰ آدمی ہلاک اور ۵۷۹ آدمی مجروح ہوئے۔ لڑاؤ دن اسی زمانے میں نئے نئے واقعات سے مقرر ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے ایک بیان سنائے کر کے ہندو مسلمانوں سے پُر امن رہنے کی اپیل کی۔

ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ جس ہندو کے متعلق ہندوؤں کو ذرا بھی شبہ ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرف جھکا ہوا ہے یا آزاد خیال واقع ہوا ہے، اس کی ہر میدان میں پوری قوت سے مخالفت کرتے تھے۔ یوپی میں سوراج پارٹی کو انتخابات میں بڑی زبردست شکست ہوئی۔ شکست کیا مخالفین نے اسے بالکل پچھاڑ دیا۔ پنڈت موتی لال نہرو پر حکم چھڑا یہ الزام لگایا گیا کہ وہ گائے کا گوشت کھاتے ہیں، گھاؤ کشی کی حامی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسجدوں کے آگے باج بجا نابند کریں۔ پنڈت جی نے اپنی ایک تقریر میں یہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ میں ان الزامات کی تردید عام جلسوں میں تو کر سکتا تھا مگر وہ تو ہر گائے اور ہر گھر میں پہنچ چکے تھے جہاں میرا پہنچنا مشکل تھا۔

قوم پرور مسلم لیڈروں کا طرز عمل | مسلم لیڈروں میں سے کچھ تو حکومت سے تعاون کر رہے تھے اور کچھ حکومت کے

مخالف ہونے کے علاوہ اب ہندوؤں کی حرکتوں کا بھی ترکی بہ ترکی جواب دینے پر آمادہ تھے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ہندو مسلم اتحاد کے فسادات کی ضربوں سے چور چور ہوجانے کے باوجود اب تک اسے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان میں نمایاں ترین علی برادران تھے گاندھی جی اس دور میں سیاسیات سے علیحدگی اختیار کر کے ساہیو آشرم میں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ مولینا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، مولینا ابوالکلام اور ڈاکٹر محمود وغیرہ نے کئی بار ان سے فضا کو صاف کرنے کی درخواست کی مگر ان کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ تاہم علی برادران خاموش نہ بیٹھے۔ وہ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارموں اور اپنے اخبار کے ذریعے سے برابر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ انہوں نے تنظیم اور تبلیغ کی تحریکوں کی مخالفت کی۔ اس پر مسلمانوں نے ان کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا کہ آخر وہ شذیہ اور سنگمشتن کی مخالفت کیوں نہیں کرتے۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ یہ کام محب وطن ہندو لیڈروں کو کرنا چاہئے۔ انہوں نے پنڈت موتی لال کو فساد پرور ہندو لیڈروں کی مذمت کرنے کی صلاح دی۔ مگر پنڈت جی ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اگر وہ لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کرتے تو آئندہ انتخابات میں ان کی امداد سے محروم ہو جانے کا امکان تھا جو سوراخ پارٹی کی کامیابی پر برا اثر ڈالتا۔ یہ بات مولانا کو بری لگی اور حکیم اجمل خاں صاحب نے بھی پنڈت موتی لال سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب وہ مسلمانوں سے جی کوئی توقع نہ رکھیں۔ مئی ۲۶ء میں خلافت کمیٹی کا ایک خاص اجلاس دہلی میں ہوا جس کے صدر علامہ ستیہ سلیمان ندوی تھے۔ اس میں بھی محب وطن ہندوؤں کے اس طرز عمل پر افسوس ظاہر کیا گیا کہ وہ ہندو ہما سبھا، مونچے اور شر دھاتن کی اتحاد شکن حرکتوں کی مذمت نہیں کرتے۔ اور جس دیر میں سے مسلمان محب وطن اپنے اس رنگ کے مسلمانوں سے بڑے ہیں کانگریسی ہندو اپنے اتحاد کش ہما سبھاٹیوں سے اس طرح لڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ مگر اس اظہار

افسوس کے باوجود خلافت کا نفرنس میں ہندوؤں کی طرف سے بیزاری کا اعلان نہیں کیا گیا اور نہ ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا عندیہ ظاہر کیا گیا۔ محمد علی کا خیال تھا کہ یہ دور آزمائش ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ نہ تو خود مشتعل ہوں اور نہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالیں جس سے دوسروں کو مشتعل ہونے کا موقع ملے۔ مولانا محمد علی عوام کو بالکل بیگناہ قرار دیتے تھے کانگریس کے اجلاس میں یہ خبر ملی کہ قاضی عبدالرشید نے سوامی شرمدھانند کو قتل کر ڈالا تو جو تجویز مولانا محمد علی نے مرتب کی اور جسے گاندھی جی نے پیش کیا اس میں یہی الفاظ تھے کہ سوامی شرمدھانند کے قتل کا مجرم قاضی عبدالرشید نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف منافرت پھیلاتے اور عوام کو اکساتے ہیں۔

اب مسلمان متحدہ قومیت سے
مسلمانوں کی قومی سیاسی پالیسی کیا ہوگی؟

ان میں ملکی ترقی اور سیاسی اتحاد کا جذبہ اب بھی زندہ تھا کہ ہندوؤں کے عام رجحان کو دیکھتے ہوئے بحیثیت اقلیت تحفظ حقوق کی ضرورت سب کو محسوس ہونے لگی تھی۔ نظام حکومت میں اہم تبدیلیاں ہونے والی تھیں مسلمانوں کو اپنی سیاسی حیثیت پر ایک نظر ڈال کر اپنی قومی پالیسی بنانی تھی۔ برطانوی حکومت اس پالیسی کا اعلان کر چکی تھی کہ وہ ہندوستان کو خود اختیار حکومت دینی چاہتی ہے۔ مسلمان یہ جاننے سے بے پرواہ نہیں رہ سکتے تھے کہ آئندہ مرحلہ ترقی میں ان کی کیا جگہ ہوگی۔ گذشتہ چند برسوں میں انہوں نے ہندو لیڈروں کا یہ طرز عمل دیکھا تھا کہ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کو حکومت کی نظروں میں مجرم بنانے کے لئے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہتے ہیں اور ہندوستان کی سرزمین سے انہیں کوئی وابستگی نہیں ہے۔ دوسری طرف جب وہ اپنے جائز حقوق طلب کرتے ہیں تاکہ فراغت اور عین سے اس سرزمین کے پُر امن فرزندوں کی طرح زندگی گذاریں تو سب انہیں حقوق سے محروم رکھنے پر کمر کس لیتے ہیں۔ بنگال میں سی آر داس نے مسلمانوں کے حقوق دلوانے کے لئے جو معاہدہ بنگال نافذ کیا تھا اسے ٹھکرا دیا گیا تھا

مرفضل حسین نے پنجاب میں معاہدہ لکھنؤ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق محفوظ کئے تو ایک طوفان مخالفت برپا ہو گیا۔ خود کانگریس نے لاجپت انصاری میکاٹ کو منظور کیا۔ مسلمانوں کے حقوق طلب کرنے پر ہندو یہ جواب دیتے ہیں کہ تم میں لیاقت کی کمی ہے۔ لیکن انگریز جب ہندوستانیوں کو حکومت کرنے کے ناقابل بناتے تھے تو ان سے یہ کہتے تھے کہ تجربہ خود سکھا دیتا ہے۔

مسلم لیگ کا اٹھارواں سالانہ اجلاس دہلی ۱۹۲۶ء لیگ کا جو سالانہ اجلاس اس سال دہلی میں ہوا

اسے مسلمانوں کی آئندہ پالیسی کی وضاحت کرنی تھی۔ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین ایم اے صدر مجلس استقبالیہ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے مطالبات کا مسودہ تیار کریں اور اگر کانگریس دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو اس کے ساتھ اشتراک عمل کریں مگر اپنے مطالبات جداگانہ انتخاب اور ملازمتوں میں تناسب کے لحاظ سے حصہ اور مذہب اور تمدن کے آئینی تحفظ پر زور دیں۔ سر عبدالقادر صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں یہ صلاح دی کہ موجودہ صورت میں مسلمانوں کو منظم ہو کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہیے اور یہ کام لیگ کے ذریعے سے ہونا چاہیے جو مسلمانوں کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ انہوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ اگر معاہدہ لکھنؤ میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو تو لیگ اور کانگریس کے چیدہ چیدہ نمائندے کانفرنس کر کے ایک جدید معاہدہ مرتب کریں۔ مسلمان معاہدہ پر نظر ثانی کیسے تیار ہیں۔ وہ ہسبلی کونسلوں اور سرکاری ملازمتوں میں کافی نمائندگی چاہتے ہیں۔ سر عبدالقادر نے بتایا کہ ہندو لیڈر مسلمانوں کی نمائندگی کے اصول کو تو مانتے ہیں مگر یہ چاہتے ہیں کہ یہ نمائندگی مخلوط یا مشترک انتخاب سے ہو۔ انہوں نے کہا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مخالفت کس وجہ سے ہے مشترکہ انتخاب میں جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ پسند بھی نہیں ہے اور ہندوؤں کو اس سے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ اس طریق انتخاب کو اس وقت تک رکھنا چاہیے جب تک بے اعتمادی کی فضا موجود ہے۔ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کا سرکاری لوکریوں میں تناسب کے لحاظ سے حصہ مانگنا برحق ہے۔ انہوں نے ہندوؤں کے اس شبہ کا ازالہ کیا کہ بیرون ہند کے مسلمانوں سے

ہمدردی رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کی حب الوطنی میں کمی آجاتی ہے اور لگائے اور باجے کے مسئلے پر بھی تفصیلات سے روشنی ڈالنے کے بعد رواداری کی اپیل کی۔ آپ نے مسلمانوں کی تمام انجمنوں کو ایک ہو کر آئیو اے شاہی کمیشن کے سامنے مطالبات پیش کر لے کا مشورہ دیا اور اپنے خطبہ صدارت کو سوامی شرودھانند کے قتل پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ختم کیا۔

تجاویز دہلی ۱۹۲۲ء **۲۷**
 ہندو مسلم فسادات کی جو فضا ۱۹۲۲ء سے قائم ہو چکی تھی وہ ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی۔ کانگریس کا پروگرام اب کونسلوں تک ہی محدود رہ گیا تھا۔ گاندھی جی اس پروگرام کو ملک کے لئے نقصان دہ بتا رہے تھے مگر تھے سراج پارٹی کے ساتھ ہی۔ ہندو مہاسبھا کا زور بند چکا تھا۔ اس کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا مسلمانوں کے مطالبات یہ تھے کہ برطانیہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء پر جلد از جلد نظر ثانی کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے جس کی تحقیقات کی بنیادوں پر حصول حکومت خود اختیاری کی اسکیم تیار ہو۔ اسکیم میں اقلیتوں کی مناسب نمائندگی کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ انہیں جداگانہ نمائندگی کا حق دیا جائے۔ صوبہ سرحد میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ سب قوموں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہو۔ اگر کسی ادارے میں کسی قوم کے ممبروں کا تین چوتھائی حصہ کسی تجویز کی جو ان کے قومی مفاد سے تعلق ہو مخالفت کرے تو تجویز پیش ہونے کے ناقابل قرار دی جائے۔ ہندو لیڈروں کو مسلمانوں کے یہ مطالبات ناپسند تھے۔ وہ اس بات پر بہت شدید مد سے اصرار کرتے تھے کہ مسلمان مخلوط یا مشترکہ انتخاب کا اصول مان لیں مسلمانوں کا یہ کہنا تھا کہ ہندوستان کی ایک کی تاریخ میں کبھی اکثریت کی حکومت نہیں ہوئی۔ آنے والی اصلاحات سے پہلی بار ایسی حکومت قائم ہو گی جس میں نہ کسی کو کوئی خاص اختیار چلیگا نہ ویٹو سے قانون نامنظور ہو سکیں گے بلکہ ہر فیصلہ اکثریت کے فیصلے سے ہو گا۔ لیکن ہندوؤں کو ۶ فیصد کی اکثریت حاصل ہے۔ ہم ان سے دو تہائی کم ہیں۔ ایسی صورت میں ہم سیاسی تحفظات کے بغیر کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی ذہنیت آج بھی وہی ہے جو ۱۹۰۹ء میں تھی، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہندوؤں کی غلامی قبول کریں۔ اس سے ہم اعلان بیزاری کرتے ہیں۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء کو ویسٹمنسٹر ہاؤس دہلی میں مولانا محمد علی کی کوششوں سے ہر طبقہ اور خیال

کے نمایاں مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا جس کی صدارت مسٹر جناح نے کی۔ دن کے دس بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک مسلسل بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ شرکاء نے اجلاس کو کسی ایسے راستے کی تلاش تھی جس سے مسلمانوں کو ہندوستان کی سرزمین پر باعزت زندگی بسر کرتے ہوئے انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کی غلامی سے نجات حاصل ہو جائے۔ آخر یہ طے ہوا کہ مشترکہ انتخاب مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ منظور کر لیا جائے۔ سندھ کو صوبہ بمبئی سے جدا کر کے علیحدہ صوبہ بنادیا جائے (اس سے مسلم اکثریت کا ایک صوبہ وجود میں آتا تھا) سرحد اور بلوچستان کو بھی یہی اصلاح دی جائے جو دوسرے صوبوں کو ملیں۔ پنجاب اور بنگال میں نمائندگی آبادی کے تناسب سے ہو۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے نشستوں کا ایک تہائی حصہ مخصوص ہو۔ ملازمتوں کے سوال کو آئندہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ انہیں تجاویز دہلی کہتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اصلاحات کی مزید قسط ملنے سے قبل مسلمانوں نے متفقہ طور پر اپنے قومی مطالبات حکومت اور ہندوؤں کے سامنے رکھ دیے۔ ہندو مہاسبھا نے اس کے دوسرے ہی دن اپنا جلسہ کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم مخلوط انتخاب تو منظور کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے باقی مطالبات نام منظور کئے جاتے ہیں۔ ہندو اخبارات نے اب علی برادران اور ان کے شرکاء کا مسلمان محب وطنوں کو بھی نکتہ چینیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اپنے ہفتی کے اجلاس بمبئی میں ڈاکٹر انصاری کے اثر سے تجاویز دہلی کو منظور کر لیا۔ مسٹر سری نواس آئمنگرنے بھی ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں زبردست کوشش کی۔ وہ اس سال کانگریس کے صدر تھے۔ مگر مہاسبھا کے اثرات اس وقت ملک پر بہت زیادہ حاوی تھے۔ ملک کے ہر گوشے میں ہندو مسلم فسادات پورے تھے۔ بمبئی سے، ر مٹی تک لاہور میں ایک خوفناک ترین فساد ہوتا رہا۔ جولائی میں راجپال کی شرانگیزی کتاب کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کی کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں پنجاب کے ایک دریدہ دہن آریہ راجپال نے ذوق کفر کفر نہ باشد "نگیلا رسول" کے نام سے رسول پاکؐ کی زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں ذات اقدس پروردہؐ کو یہودی کے ساتھ حملہ کئے گئے تھے۔ مصنف پر اسی وقت فوجی مقدمہ دائر ہو گیا تھا۔ وہ دو سال تک جیل رہا۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں راجپال کو سزا دی گئی۔ مگر لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس د لہریہ نے حکم

نے اسے رہا کر دیا۔ اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید بے چینی پھیل گئی۔ ہر مسلمان کے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ سب مسلمانوں نے مشتعل لفظ ہو کر کہا کہ کتاب غضب کی جائے مصنف کو سزا دی جائے اور جسٹس دلیپ سنگھ کو عدالت عالیہ کے جج کے ناقابل قرار دیتے ہوئے مستعفی ہونے پر مجبور کیا جائے۔ مولانا محمد علی کی یہ رائے تھی کہ بنیادی قصور قانون ضابطہ نو جداری کا ہے جس میں مذہبی پیشواؤں کی توہین پر سزا دینے کے لئے کوئی صاف اور واضح دفعہ نہیں۔ انہوں نے دہلی میں ایک زبردست جلسہ کیا جس میں میں ہزار مسلمان شریک تھے اور ایک تجویز منظور کرائی کہ اس سلسلے میں اسمبلی میں ایک قانون منظور کرایا جائے۔ مولانا نے فوراً ایک مسودہ قانون بھی تیار کر لیا جس کی رو سے کسی مذہب یا مذہبی پیشوا کی توہین قانوناً جرم قرار دی گئی تھی۔ اگست میں سرزاد نقا علی خاں نے اسے مرکزی اسمبلی میں پیش کر کے قانون بنوا دیا۔ ہندو مسلم فسادات برابر جاری تھے۔ ملتان بریلی، ناگپور وغیرہ مقامات پر بھی فسادات ہوئے۔ والٹر اے ہن نے ہندو مسلمانوں سے قیام امن کی اپیل کی اور یہ تجویز کیا کہ ہندو مسلم رہبروں کو ایک اتحاد کانفرنس کر کے متنازعہ فیہ معاملات کو سلجھانا چاہئے۔ مولانا محمد علی، مسٹر جناح اور دوسرے مسلم رہنما اور چند مخلص کانگریسی ہندو بھی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک آل پارٹیز اتحاد کانفرنس کی۔ مگر ہندو رہنما سمجھا والوں نے سب کوششیں اکارت کر دیں۔ اس سے پہلے بھی کئی اتحاد کانفرنسیں اسی طرح ناکام رہ چکی تھیں۔ تاہم سری نواس آئنگم اور مولانا محمد علی شکست قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مولانا کی طرح آئنگم بھی ہندو مسلم اتحاد کے بڑے زبردست حامی تھے۔ وہ اسے اپنی زندگی کا خواب سمجھتے تھے۔ اکتوبر میں انہوں نے کانگریس کی طرف سے ایک اتحاد کانفرنس کی۔ اس میں گائے اور باجے کا فارمولہ تیار کیا گیا کہ اگر ملک میں مذہبی عقائد کے بارے میں ہر شخص کو مکمل آزادی ملنی چاہئے۔ ہندوؤں کو کسی خاص تیوہار یا جلوس پر مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کی پوری آزادی ہونی چاہئے۔ لیکن مسجدوں کے سامنے خاص طور پر کھڑے ہو کر مظاہرے کرنا نہایت قابل اعتراض ہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے تیوہاروں پر گانگوشی کی عام اجازت ہے مگر کسی شارع عام پر یا کسی مندر وغیرہ کے سامنے ایسا کرنے سے بچنا چاہئے۔

باب

مسلمانوں کے قومی مطالبات

سائمن کمیشن ۳۱ نومبر کو واشنگٹن نے ہندوستان کے مختلف طبقوں کے نمائندہ ممبروں سے ملاقات کی اور انہیں وزیر ہند کا اعلان دکھایا جس میں درج تھا کہ حکومت برطانیہ ایک شاہی کمیشن مقرر کرتی ہے جو ہندوستان میں دورہ کرے گا۔ اور تحقیقات کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں یہ بتائے گا کہ خود اختیار حکومت کی جو قسط ہندوستان کو دی گئی تھی ملک نے اسے کتنا کامیاب بنایا اور آئندہ قسط کے لئے وہ کہاں تک تیار ہے کمیشن کی رپورٹ کی تجاویز کو برطانوی حکومت برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کرے گی۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوگی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کے رہنما رپورٹ پر اپنی اپنی آراء کا اظہار کریں۔ چنانچہ ہندوستان کی مرکزی جماعت قانون ساز اور دیگر نمائندوں کی ایک مشترکہ کمیٹی بنے گی اور پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہونے سے قبل کمیشن کی تجاویز اس کے آگے رکھی جائیں گی۔ حکومت برطانیہ نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو دستوری تجویزیں ہندوستانیوں کی طرف سے پیش ہوں وہ متفقہ اور سب کے لئے قابل قبول ہوں۔

اس کمیشن میں سب انگریز ممبر تھے۔ مسلم لیڈروں، مسلم لیگ اور کانگریس **بائیکاٹ کا فیصلہ** نے کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ مسٹر محمد علی جناح اور مولانا محمد علی کے اثر سے ہوا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ کو ہماری قیمت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسا کمیشن مقرر کر کے کافی نہیں ہے جس میں سب انگریز

ہیں جو ہندوستان کی حالت کو جاننے کے اعتبار سے محض جاہل ہیں۔ مولینا محمد علی تو اتنے آگے
 بڑھے ہوئے تھے کہ اگر کمیشن کے سب ممبر ہندوستانی ہوتے تو بھی انہیں اعتراض ہوتا کیونکہ وہ
 اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ مرکز و ہندوستان پر انگلستان کو صرف اس لئے
 حکومت کرنے کا حق ہے کہ وہ زیادہ منظم اور طاقتور ہے۔ مگر مسلم لیگ کے ایک طبقے نے سر محمد شفیع
 کی قیادت میں اس فیصلے کو ماننے سے انکار کیا۔ اس طبقے کے لوگ کہتے تھے کہ ہمیں ہندوؤں سے کسی قسم
 کی کوئی توقع نہیں ہے اس لئے کمیشن سے تعاون کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہئے تاہم جناح
 اور محمد علی کے مقابلے میں سر شفیع کی نہ جیل سکی۔ قوم حیثیت مجموعی انہی کے ساتھ تھی۔ مشکل یہ آپڑی
 کہ سر شفیع ۱۹۲۸ء کے سالانہ اجلاس کلکتہ کے صدر منتخب ہو چکے تھے۔ صدر منتخب اور صدر
 مستقل مسٹر جناح کے اختلاف رائے سے بڑی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ سر شفیع نے لیگ کا سالانہ
 اجلاس اپنی صدارت میں لاہور میں کیا اور اس میں کمیشن سے تعاون کی تجویز منظور کرائی۔ مگر
 محمد علی جناح اور مولینا محمد علی دونوں نے اس اجلاس کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے مسلم لیگ انیسواں
 سالانہ اجلاس کلکتہ ہی میں منعقد کیا۔ مولوی سر محمد یعقوب اس کے صدر بنائے گئے۔ مدر اس
 میں دنوں کانگرئیس کا سالانہ اجلاس ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ وہاں مسلمانوں کی تجاویز
 دلی کو منظور کر لیا گیا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں سے ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام
 کرنے کی پروزراپیل کی گئی۔ اور ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ملک کی دیگر اہم سیاسی جماعتوں
 سے تبادلہ خیالات کر کے حکومت برطانیہ کو جواب دینے کے لئے ایک کانٹنٹی ٹیوشن (دستور
 اساسی) مرتب کرے۔ کانگریس نے مکمل قومی آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ گاندھی جی
 اس اجلاس میں موجود نہیں تھے۔ اس قسم کی تجویز کے منظور ہو جانے کی متعدد وجوہات میں سے
 ایک وجہ یہی تھی کہ انہیں اس تجویز کی منظوری کا علم بعد میں ہوا۔

مسلم لیگ کا انیسواں سالانہ اجلاس کلکتہ اس اجلاس کی مفصل کارروائی
 درج کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اہم ترین قابل ذکر امور صرف دو ہیں۔ تجاویز دلی کا اعادہ کیا گیا اور مولانا محمد علی نے

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تجویز منظور کرانی مسلمانوں کے آئندہ پروگرام کا تصفیہ وہ سب سے زیادہ اہم کام تھا جو اس اجلاس نے کیا۔ ایک تجویز منظور کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس لیگ کی کونسل کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ ایک سب کمیٹی مقرر کرے۔ یہ سب کمیٹی کانگریس و رکننگ کمیٹی اور دوسری مناسب سیاسی جماعتوں سے ہندوستان کے لئے ایک ایسا دستور اساسی قریب کرنے کے کام میں اشتراک عمل کرے جس میں مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ تجاویز دہلی کے مطابق ہو جائے۔ کانگریس نے یہ طے کیا تھا کہ مارچ ۱۹۲۸ء میں ایک نیشنل کنونشن و صلی میں منعقد کی جائے۔ لیگ نے اس کنونشن کو کامیاب بنانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ گائے باجے اور آزادی خمیر و مذہب کے بارے میں کانگریس نے جو تجویز منظور کی تھی اس کی بھی لیگ نے تائید کی۔ اس سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پھر سید اہولے لگی۔ پنڈت مالویہ نے جب آل انڈیا کانگریس سے اجلاس میں تجاویز دہلی کی تائید کی تو مولانا محمد علی نے خوش ہو کر کہا: اگر پنڈت مالویہ اپنی اس اسپرٹ پر عمل بھی کریں تو جبریل و فرشتے یہ فرمائیں گے کہ ہم اقلیتوں کے محافظ ہیں تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ تم چھوٹ بول رہے ہو اقلیتوں کے محافظ تو پنڈت مالویہ ہیں۔ مسٹر جناح نے ایک تقریر میں کہا: میں میل ملاپ کے اس ہاتھ کا خیر مقدم کرتا ہوں جو ہندو پنڈتوں نے ہماری طرف بڑھایا ہے۔ یہ اقدام ان مراعات سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے جو حکومت کر سکتی ہے۔ ہم برطانیہ کے خلاف آئینی جنگ کا اعلان کر چکے ہیں سفید فام افراد کا کمیشن مقرر کر کے برطانیہ نے ہمیں نااہل قرار دیا ہے۔ یہ ہماری روحوں کا قتل ہے جس کا ہم پوری طاقت سے مقابلہ کریں گے۔ شفیق لیگ کمیشن سے تعاون کی تیاریاں کرتی رہی۔ مگر جناح اور محمد علی کے اثر سے مسلمانوں میں کمیشن کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ کانگریس اور ہندو مہاسیما میں بھی اسی قسم کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

۳ فروری کو سائمن کمیشن نے ہندوستان میں قدم رکھا تو سارے ہندوستان میں ہڑتال تھی جہاں کہیں کمیشن گیا لوگوں نے سائمن لیگ

سائمن کمیشن کا کامیاب بائیکاٹ اختلافات کا آغاز

(سائمن واپس جاؤ) کے پرجوش نعروں سے اس کا استقبال کیا۔ ہندوستانی لیڈروں نے فروری میں

دہلی میں ایک آل پارٹیز (کل جماعت) کانفرنس کی جو دو ماہ تک جاری رہی مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے اس میں شامل نہیں ہوئی کیونکہ آئینی اعتبار سے لیگ کانفرنس کے فیصلوں کو عام اجلاس میں منظور کرانے بغیر قبول نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس کانفرنس کو کامیاب بھی دیکھنا چاہتی تھی اور علی گڑھ اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ لیگ کے بعض نمایاں ممبران ذاتی حیثیت سے اس میں شامل ہوئے۔ کانفرنس کے کل ۱۲۵ اجلاس کئے گئے۔ اقلیتوں کے حقوق اور ہندو مسلم اتحاد کا سوال بھی سامنے آیا۔ کانفرنس ماہ مئی تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ اس اثنا میں ہندو مہاسبھا پھر مسلم تجاویز دہلی کی مخالفت کرنے لگی۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ ہندو کسی جگہ بھی ایسی اقلیت کی حیثیت میں ہوں جو مسلمانوں سے کم طاقت کہتی ہو۔ یوں کل ہندوستان کی ہندو اکثریت میں طے طریقوں پر راج نہیں کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر مونسے صدر ہندو مہاسبھا کا اصرار تھا کہ یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے، یہاں صرف ہندو راج قائم ہونا چاہیے۔ جو کانگریسی ہندو مہاسبھا کی طرف جھکے ہوئے تھے وہ اسی بات کو متحدہ قومیت ہند کی ضرورت کے پرے میں میان کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں نے مخلوط انتخاب تو قبول کر ہی لیا ہے اب نشستوں کے تعین اور حقوق وغیرہ کے سوال کو اڑا دینا چاہیے۔ اس فضا کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ کے ذمہ دار رہبروں نے اعلان کر دیا کہ وہ صرف تجاویز دہلی کے تسلیم کئے جانے کی شرط پر مسلمانوں کے لئے مخلوط انتخاب قبول کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ سکھ لیگ بھی ہندو مہاسبھا کی رفاقت کا دم بھر رہی تھی مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا اور سکھ لیگ میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

تاہم ابھی اتحاد کی امید باقی تھی۔ آل پارٹیز کانفرنس نے سندھ کی علی گڑھ اور اقلیتوں **نہرو رپورٹ** کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے دو کمیشنیاں مقرر کر دی تھیں۔ انٹرمیڈیٹ کو بمبئی میں آل پارٹیز کا ملتوی شدہ جلسہ ہوا اور پینڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی مقرر ہوئی کہ وہ ہندوستان کے لئے ایک دستور اساسی تیار کرے تاکہ برطانیہ کے اسٹیجنگ کا جواب دیا جاسکے کہ اگر ہندوستانی اپنی طرف سے اصلاحات کی ترقی تجاویز پیش کر سکتے ہیں تو کریں۔ وزیر ہند لارڈ پرکین ہیڈ نے اپنی طعن و تشنیع سے بھری ہوئی ایک تقریر میں کہا تھا کہ کتہہ و کجماہی کرتے ہیں اور گامزدی چاہتی ہی رہتی ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے اس کے

جواب میں یہ کہا کرتے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ بھونکنا ہی نہیں کاٹنا بھی جانتے ہیں۔

آل پارٹیز کانفرنس بھی میں ہندو مسلم لیڈروں کے اختلافات پوری طرح سامنے آ گئے۔ جہاں پہا اور سکھ لیگ کے نمائندوں نے پوری طاقت سے مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت کی مگر ڈاکٹر انصاری وغیرہ کا خیال تھا کہ نہرو کمیٹی بدراس کانگریس کی تجویز، مسلم لیگ، ہندو جہاسیما، سکھ لیگ اور دیگر سیاسی جمہوں کی تجویزوں، خود اختیار حکومت کے قیام کے امکانات اور دیگر آئینی مشوروں پر غور کرنے کے بعد ضرور کوئی مناسب راستہ نکال لیگی۔ جولائی میں آل پارٹیز کانفرنس کا ایک اور جلسہ ہوا اور نہرو کمیٹی کی رپورٹ اس کے سامنے رکھی گئی۔ اس میں ملک کا سیاسی نصب العین برطانیہ کے ماتحت حصول درجہ نوآبادیات رکھا گیا تھا۔ معاملات خارجہ دلیفنس (حفظ مملکت) اور فوج وغیرہ کو فی الوقت وائسرائے ہند اور پارلیمنٹ کے زیر اختصار رکھا گیا تھا۔ ہندوستان کے لئے مرکزی نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا۔ برطانوی تجارت کو دیگر ممالک کی تجارت پر ترجیح دی گئی تھی۔ علیحدگی ہند کے بارے میں پریشدہ رکھی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے اختراجات کا بار خود اٹھا سکے تو یہی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جب آگاہ انتخاب کو ہمیشہ کے لئے ختم کرتے ہوئے غلط یا مشترک انتخاب کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور اقلیتوں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ سالانہ کیے جا رہے لیکن نوکالعدم کر کے مسلم اقلیتوں کے صوبوں میں انہیں جو ویٹج دیا سنگ یعنی تناسب آبادی سے کچھ زیادہ نشستیں) ملا ہوا تھا اسے بھی منسوخ کر دیا گیا تھا۔

مولانا شوکت علی اور حسرت موہانی کی صدائے مخالفت

کے قائل تھے۔ ان سے نہرو رپورٹ کی تائید کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر نے میں بغرض علاج یورپ جا چکے تھے۔ مگر مولانا حسرت موہانی اور شوکت علی نے رپورٹ کی مخالفت کی۔ مولانا حسرت موہانی نے اسے لارڈ برکن ہیڈ کی فتح قرار دیا جو اس بات کے لئے مقرر تھے کہ ہندوستان کے لیڈر برطانیہ سے تعلق قائم رکھنے کا اعلان کر دیں۔ مولانا مرکزہ نظام حکومت کے بھی خلاف تھے۔ وہ ہندوستان کو آزاد صوبوں کا فیڈریشن دونوں کو سمجھنا

چاہتے تھے۔ اسی طرح وہ جداگانہ انتخاب اور تناسب کے لحاظ سے نمائندگی کو مٹانے کے حق میں بھی نہیں تھے۔ مسلمانوں کا ایک دوسرا طبقہ جس میں مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر انصاری، مولانا طغر علیخان، تصدق احمد شرانی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، رپورٹ کی حمایت میں تھا۔ بعض دوسرے نمایاں مسلمان رہبر جیسے ہمارا جہ محمود آباد اور مسٹر جناح وغیرہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں نہرو رپورٹ میں ترمیمیں کر کے درجہ نوآبادیات کو منظور کر لیا جائے۔ انکے خیال میں مکمل آزادی کا مطالبہ خلافتِ تہذیبیہ کیونکہ ابھی ہندوستان میں قوموں کے باہمی تعلقات اور آئینِ ہندوستان کی نوعیت کے بارے میں کوئی یقینی معیار مقرر نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک مسلمانوں کے حقوق کا سوال تھا مسٹر جناح کی یہ پختہ رائے تھی کہ اکثریت کو کسی اقلیت پر غلبہ پانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ جمہوری اسپرٹ کے خلاف ہے۔ اقلیت کے شکوک بے جا نہیں ہیں۔ اکثریت کے لئے انہیں دو کرنا ضروری ہے ورنہ ملک کی ترقی کا راستہ ٹک جائیگا۔ مسلم لیگ کی اکثریت اسی خیال کی تھی۔ سر شفیق کی جماعت بنیادی طور پر ہی نہرو رپورٹ کے خلاف تھی۔ وہ ہندوؤں سے کسی قسم کا اتحاد کرنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ بلکہ سائنٹسٹیشن کے سامنے اپنی طرف سے ایک یادداشت پیش کر چکی تھی گو اس کے مطالبات کو ساری مسلمان قوم کی قبولیت حاصل نہ تھی۔ جمعیۃ علماء ہند نہرو رپورٹ کی مخالفت اور تجاویز دہلی کے حق میں تھی۔

آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ اگست ۱۹۴۸ء کو لکھنؤ میں نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لئے آل پارٹیز کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ خلافت کمیٹی کے صدر اور سکریٹری مولانا شفیق داؤدی اور مولانا شوکت علی جمعیۃ علماء کے صدر اور سکریٹری مفتی کفایت اللہ اور مولانا حمید سعید، مسلم لیگ کے صدر مولوی سر یعقوب اور مولانا حسین احمد وغیرہ بھی شریک ہوئے۔ یہ سب کسی نہ کسی اعتبار سے نہرو رپورٹ کے مخالف تھے۔ مگر ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام وغیرہ کی تائید حاصل ہو جانے کی وجہ سے ان کی رائے کو کوئی وزن نہ دیا گیا۔ اس پر یہ طبقہ و خیال کے مسلمانوں کی طرف سے رپورٹ کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔ انہوں نے اخبارات اور جلسوں کے ذریعہ سے شدید مظاہرنا شروع کیا۔ مسٹر جناح نے بھی رپورٹ کی مخالفت

کی۔ وہ صرف اس صورت میں اسے قبول کرنے کے لئے تیار تھے جبکہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کو تجاویز و ہٹی کی شکل میں تسلیم کرتے ہوئے اس میں ضروری ترمیمیں کر دی جائیں۔

مولانا محمد علی نہرو رپورٹ کی مخالفت میں | مولانا محمد علی نے بھی ولایت سے انگریز و رپورٹ کے خلاف آواز اٹھائی۔ اردو ستمبر کو

آل پارٹیز کانفرنس پٹنہ میں انہوں نے کہا: ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کی جاتی تھی کہ خلیق خدا کی ملک ملک کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔ نہرو رپورٹ کا مقصد محض یہ ہے کہ خلیق خدا کی ملک ملک والٹر اسٹریٹ یا پارلیمنٹ کا اور حکم ہندو مہا سبھا بہادر کا۔ درجہ نوآبادیات کو تسلیم کر لینے اور اس میں بھی مسلمانوں کے تحفظ حقوق سے انکار کرنے کے یہی معنی ہیں۔ مولانا مکمل آزادی ہند کے پُر جو ش حامی بلکہ اس تصور کے بانی مہاتما تھے۔ وہ مسلم راج چاہتے تھے نہ ہندو راج برداشت کر سکتے تھے بلکہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد دیکھنے کے آرزو مند تھے مسلمانوں کو آپ کی شخصیت سے جو غیر معمولی گرویدگی تھی اور جو غیر معمولی رسوخ انہیں مسلم عوام و خواص میں حاصل تھا اس سے کام لے کر مولانا نے من حیث قوم مسلمانوں میں نہرو رپورٹ کو ناقابل قبول بنادیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ذمہ دار افراد کو بھی اپنا کامل ہمنوا بنانا چاہا مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ مسلم لیگ یہ تو تسلیم کرتی تھی کہ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی حق تلفی کی گئی ہے جس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ مگر وہ مولانا کے مکمل آزادی کے تصور کو باقتضائے حالات قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ جس طرح اس نے شفیق پارٹی کے اس رویہ کو خلاف تدبیر سمجھتے ہوئے اسے لیگ سے خارج کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو حکومت سے مکمل نفاذ کرنا چاہیے اسی طرح لیگ نے علی برادران کی پٹنہ کی اس تجویز کو بھی رد کر دیا جس میں نہرو رپورٹ کو اس بنا پر ناقابل تسلیم قرار دیا گیا تھا کہ اس میں مکمل آزادی کی تجویز نہیں ہے۔ اس معاملے میں مسلم لیگ کی پوزیشن کانگریس سے زیادہ مضبوط تھی جس کے متعلق یہ خیال کیا جانے لگا تھا کہ وہ ہندو مہا سبھا کی دھمکیوں سے دب گئی ہے۔

کاٹمانڈو کنونشن اور میسواں سالانہ اجلاس مسلم لیگ | ستمبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں سبھی سیاسی جماعتوں کے

سالانہ اجلاس تھے۔ ۲۲ دسمبر کو ایک نیشنل کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ نہرو رپورٹ پر نظر ثانی کی جائے۔ تمام سیاسی جماعتوں کو اس میں اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی گئی۔ ۲۱ دسمبر کو کلکتہ ہی میں مسلم لیگ کا بیسیواں سالانہ اجلاس ہوا۔ اس کے صدر ہمارا جہاد راف محمود آباد تھے وہ ۱۹۱۸ء میں بھی لیگ کے اجلاس خاص بمبئی کی صدارت کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے مختصر خطبہ صدارت میں نہرو رپورٹ کے مطالبہ درجہ تو آبادیات کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اکثریت سے اقلیتوں کو ملٹن کر دینے کی اپیل کی اور یہ مشورہ دیا کہ مسلم لیگ اپنے نمائندے منتخب کر کے کنونشن میں بھیجے۔ مسٹر جھانگل کی تجویز پر ۲۰ با اختیار نمائندے کنونشن میں رپورٹ میں ترمیمیں کرانے کے لئے چنے گئے۔ مولانا محمد علی اور ان کے بعض رفقاء کے کاربھی خلافت کمیٹی اور جمعیتہ علمائے ہند کے نمائندوں کی حیثیت سے کنونشن میں شامل ہوئے۔ مگر مسٹر جناح اور مولانا محمد علی کی پرزور اور مدلل تقریروں کے باوجود کنونشن نے ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کنونشن میں مہاسیباٹیوں کا طرز عمل بہت دھچکپ تھا۔ وہ بار بار دہمکیاں دیتے تھے کہ اگر رپورٹ میں ایک فتوہ نہ بھی کم کیا گیا تو ہم کنونشن کو ٹھکرا کر اٹھ جائیں گے۔ مولانا محمد علی جب تقریر کرنے اٹھے تو انہیں بار بار روکا گیا۔ جب مولانا نے دلیری کے ساتھ یہ کہا کہ جو لوگ کامل آزادی کے مخالف ہیں وہ ملک کے بزدل فرزند ہیں تو جلسے میں ایک زبردست غلغلہ احتجاج بلند ہو گیا اور لوگ ان کا دامن پکڑ پکڑ کر بٹھاسے کی کوشش کرنے لگے۔ مسٹر جناح، ہمارا جہاد راف محمود آباد اور مسٹر جھانگل وغیرہ رپورٹ میں مسلم حقوق کے سلسلے میں چند ترمیمات چاہتے تھے اور رپورٹ کو منظور کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر مہاسیبا کے زور اور پرنٹ موتی لال کے اس اصرار نے کہ رپورٹ یا تو پوری منظور کی جائے یا پوری مسٹر کیجائے ان کی بھی نہ چلنے دی۔ مسٹر جھانگل نے بعد میں کنونشن کے اس رویے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اگر کنونشن مسلمانوں کے ان ۲۳ نمائندوں سے گفتگوئے مفاہمت کرنے سے قاصر رہا ہے تو وہ ہندوستان کے کسی مسلمان سے بھی سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ نمائندے بھی دشمن وطن سمجھے جاسکتے ہیں تو سمجھ لو کہ ہندوستان میں ایک بھی قوم پرور مسلمان نہیں ہے۔“

جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے اپنے نمائندے بھیجیں۔ یہ ملک کا مروجہ قانون ہے۔
 بغیر ان کی رضامندی کے مسلمانوں کو ان کے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ (۴) ان
 حالات میں جو اس وقت ہیں اور اس وقت تک جب تک یہ حالات رہیں مسلمانوں کیلئے
 جداگانہ نیابت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ (۵) جب تک مسلمانوں کو یہ اطمینان نہ ہو جائے
 کہ ان کے حقوق مناسب طور پر محفوظ ہو گئے ہیں وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے کہ مشروط یا غیر
 مشروط طور پر مخلوط یا مشترکہ انتخاب رائج کر دیا جائے۔ (۶) اس مقصد کے حصول کے لئے
 یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مرکز اور صوبوں کے وزارتوں کا مینوں میں ان کا جائز حصہ دیا
 جائے (۷) یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف قانون ساز جماعتوں اور آئینی اداروں میں ان کی نیابت
 اس طریق سے ہو کہ جہاں ان کی آبادی کثیر ہے وہاں ان کی اکثریت اقلیت میں تبدیل
 نہ ہو، نیز جہاں ان کی اقلیت ہے وہاں رائج الوقت قانون کی رو سے ملی ہوئی نیابت میں
 فرق نہ آئے۔ (۸) مرکزی جماعت ہائے قانون ساز میں مسلمانوں کو ۳۳ فی صدی نیابت کا
 حق ملنا چاہئے۔ (۹) سندھ کو بھٹی سے غیر مشروط طور پر جدا کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے جس
 کا علیحدہ نظام حکومت اور جداگانہ جماعت قانون ساز ہو۔ ہندو اقلیت کو سندھ میں اسی
 طرح مؤثر نمائندگی ملے جس طرح مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کو دی جائے گی۔
 (۱۰) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ (۱۱) سرکاری ملازمتوں میں
 مسلمانوں کو ان کا مناسب حصہ دلوانے کا قانون نافذ و بہت کیا جائے۔ (۱۲) مسلمانوں کے
 تمدن، مذہب، زبان اور تعلیم کے تحفظ کے لئے دستور میں تحفظات رکھے جائیں۔ (۱۳) دستور
 اساسی میں یہ طے کر دیا جائے کہ نفاذ کے بعد اس میں اس وقت تک کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا
 جائے گا جب تک کہ وہ صوبے اور ریاستیں جن کے مجموعے سے ہندوستان کی وفاقی حکومت
 بنی ہو متفقہ طور پر اس کی خواہش نہیں کریں گے۔ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ مسلمان کسی ایسے
 دستور اساسی کو قبول نہیں کریں گے جو ان اصولوں کو تسلیم نہ کرے۔ تجویز کی تائید مولانا محمد علی
 مفتی کفایت اللہ اور علامہ اقبال، وغیرہ نے کی۔

مسلم نیشنلسٹ پارٹی | مسلم کانفرنس کے متعلق ان مسلمانوں کو جو خود کو قوم پرست کہتے تھے یہ شکایت تھی کہ یہ ٹوٹیوں کی جماعت ہے کیونکہ سر آغا خاں

اس کے صدر اور سر شفیق اس کے روح رواں ہیں۔ مولانا حسرت موہانی، علی برادران، مفتی کفایت اللہ، سربراہ ایم رحمتہ اللہ، حاجی عبداللہ باریوں، مولوی مرتضیٰ بہادر، علامہ اقبال، سید جالب، مسٹر سید عبدالعزیز، پیر شریف، مسٹر فضل الحق جیسے لوگ بھی مسلم کانفرنس میں شامل تھے مگر نیشنلسٹ مسلمانوں کا یہ اصرار باہر قائم رہا کہ شرکائے کانفرنس مسلمانوں کے مفاد کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔ مسلم کانفرنس کا کوئی نصب العین مقرر نہیں کیا گیا تھا تا کہ ہر جماعت اور شریک اپنے اپنے نصب العین پر قائم رہ کر بھی کارروائی میں حصہ لے سکے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مکمل اتحاد و اتفاق ممکن ہو جائے۔ مگر مسلم نیشنلسٹ کانفرنس میں شامل نہ ہوئے۔ انہوں نے مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے نام سے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنائی جس کا پہلا اجلاس ۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء کو مولانا ابوالکلام کی صدارت میں ہوا۔ جماعت کا مقصد مسلمانوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنا تھا تا کہ وہ فرقہ پرستی (۹) سے بالا ہو کر ملکی جدوجہد میں حصہ لیں۔ پارٹی کے سکریٹری صدق احمد شروانی اور خزانچی ڈاکٹر انصاری تھے۔ نشان لوگوں کا بھی یہی تھا کہ اکثریت اور اقلیت میں ایسے خوشگوار تعلقات قائم ہو جائیں کہ اکثریت فرائضی کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لے۔

جناب کے نکات | مسلم کانفرنس میں جو متفقہ تجویز منظور ہوئی تھی اس کے نکات مسلم لیگ کے اس نقشہ مطالبات ہی سے اخذ کئے گئے تھے جو سر جناب نے تیار کیا تھا اور جسے ترمیمات کی شکل میں نہرو رپورٹ میں رکھوا سننے کی کوشش کی گئی تھی مگر یہ نکات لیگ کے مطالبات کا صرف ایک جزو تھے جو صرف مسلمانوں کے حقوق کے حصول سے تعلق رکھتے تھے جبکہ لیگ کا پورا نقشہ مطالبات مسلمانوں کے حقوق کے علاوہ ان کے ہندوؤں کے دوش بدوش آئینی ترقی کرنے کے راستوں پر بھی حاوی تھا۔ لیکن لیگ اس کھل لائحہ عمل کو اسی وقت مسلمانوں میں مقبول بنا سکتی تھی جب کنونشن میں اس کی مسلمانوں کے سیاسی حقوق والی ترمیمات مان لی جائیں۔ ہندو وہاں سمجھا کے اثر سے جب کنونشن میں لیگ کے باختیار نمائندوں

کو ناکامی ہوئی تو لیگ نے مسلم حقوق کے مطالبات پر پوری قوت سے اصرار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلم کانفرنس میں شریع کے تجویز حقوق پیش کرنے کے معنی یہ تھے کہ وہ کم از کم اس پہلو پر

• مسٹر جناح سے اختلاف نہیں رکھتے اور تحفظ حقوق کے معاملے میں لیگ کے دونوں بازو ہم آہنگ ہو کر کام کر سکتے ہیں۔ لیگ کے سکریٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے شریع پارٹی سے دونوں بازووں کے متعلق جو کچھ متفقہ لائحہ عمل بنانے کے مسئلے پر گفتگو کی شریع پارٹی اس پر رضامند ہو گئی۔ لیگ کی کونسل کا جو جلسہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو روشن ٹھیٹر جمیری دروازہ میں ہوا وہ دونوں بازوؤں کا متفقہ جلسہ تھا۔ نیشنلسٹ مسلم آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ مگر مسٹر جناح کے ہمہ گیر لائحہ عمل میں ان کے لئے کٹشش باقی تھی۔ اس جلسہ میں مولانا ابوالکلام، تصدق احمد شروانی اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ بھی آئے۔ علی برادران بھی اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ شامل اجلاس ہوئے۔ مسٹر جناح نے ایک تحریری بیان پڑھا۔ انہوں نے نہرو کمیٹی کی رپورٹ کو ہندو تجاویز قرار دیتے ہوئے رد کر دیا اور بتایا کہ وہ مسلم تجاویز دہلی مسئلہ کے جواب میں تیار کی گئی ہیں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ صرف مسلمانوں ہی نے نہرو رپورٹ کو رد نہیں کیا ہے بلکہ ہندوستان کی دوسری غیر ہندو جماعتوں نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مسلم کانفرنس کی تجویز کو مسٹر جناح نے زیادہ بہتر سانچے اور آئینی پیرائے میں ڈھال کر ہم انکات کی شکل دی۔ کونسل نے انہیں متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ (۱) انکات یہ ہیں۔ (۱) ہندوستان کی آئندہ حکومت فیڈرل (دو فاتی) ہوگی۔ (۲) صوبوں کو کامل صوبائی خود اختیاری دی جائے گی۔ (۳) اقلیتوں کو ہر صوبے میں کافی اور اثر دار نمائندگی ملیگی۔ کسی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت میں یا اقلیت رکھنے والی قوموں کے مساوی حالت میں تبدیل نہ کیا جائے گا۔ (۴) ہر مرکزی جماعت ہائے قانون ساز میں مسلمانوں کو کل ایوان کی ایک تہائی نشستیں دی جائیں گی۔ (۵) نمائندگی جداگانہ انتخاب سے ہوگی۔ البتہ اپنی مرضی سے کوئی قوم اس سے مستفیدار ہو سکتی گی۔ (۶) صوبوں کے حدود میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے گی جس سے پنجاب اور بنگال کی اکثریتوں کو نقصان پہنچے۔ (۷) سب قوموں کو آزاد مذہبی ضمیر و مذہب حاصل ہوگی۔ (۸) اگر کسی جماعت قانون ساز میں ایک قوم کے تین چوتھائی ممبر کسی

مسودہ قانون یا تحریک یا ترمیم کو اپنے قومی مفاد کے لئے مضر سمجھیں تو وہ منظور نہ ہوگا۔ (۹) سندھ کو بلا شرط بھٹی سے جدا کر کے مستقل صوبہ بنادیا جائے۔ (۱۰) صوبہ سرحد و بلوچستان میں دوسرے صوبوں جیسی خود اختیاء صوبائی حکومتیں قائم کی جائیں۔ (۱۱) سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دیا جائے۔ (۱۲) اسلامی تہذیب، زبان، تعلیم، مذہب، شریعت اور خیراتی اداروں کی حفاظت کے لئے دستور میں مناسب تحفظات رکھے جائیں اور سرکاری نویم ہکری اداروں سے ملنے والی امداد میں ان کا مناسب حصہ ہو۔ (۱۴) صوبوں اور ریاستوں کی مرضی کے بغیر دستور میں کوئی ترمیم نہ ہو سکے گی۔

تقاریر جناح

میں قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی وہ تمام بصیرت افروز اور پُر اذ معلومات تقریریں ہیں جن کے مطالعہ سے ہندوستان کی گذشتہ اور موجودہ سیاسی حالت کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ سیاسی معلومات کے علاوہ قائد اعظم کی فصیح و بلیغ تقریریں فن خطابت اور جادو بیانی کا زندہ نمونہ بھی ہیں۔ مسٹر جناح کی سیاست اور تدبیر کا تو ایک دنیا لوہا مان چکی ہے مگر ان کی جادو بیانی، شوکت القاطا اور اثر آفرینی ان تقریروں ہی سے معلوم ہوگی۔

کتاب میں ہر تقریر سے پہلے تعارف میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ یہ کب اور کن حالات میں کی گئی تھی۔

قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنہ

اردو کمپنی حویلی اعظم خان ہلی

باب ۳

جدید دستور ۱۹۳۵ء

سائمن کمیشن اپنی امدادی کمیٹیوں سمیت برابر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ ۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو اس نے اپنا کام ختم کر لیا۔ جب کمیشن ہندوستان سے رخصت ہو کر انگلستان پہنچا تو کنزرویٹو دقت امت پسند پارٹی کی وہ وزارت بدل چکی تھی جس نے اسے مقرر کیا تھا اور لیبر پارٹی برسرِ اقتدار تھی اس وزارت میں وزیرِ اعظم مسٹر رامنے میکڈانلڈ تھے جن کے متعلق کانگریسی حلقوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ ہندوستان سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب اوپننگ آف انڈیا ریبدرٹی ہند بھی لکھی تھی جس میں ہندوستان کے سیاسی ولولوں کی تصویر چمکدار رنگوں میں پیش کی گئی تھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ کانگریس اور ہندوؤں سے کسی قدر ہم آہنگ ہیں۔ اسی لئے مولانا محمد علی انہیں اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں بھائی راجی مکند اعلیٰ لکھا کرتے تھے۔ لیبر پارٹی کے کابینے میں مسٹر دیوڈمین کو وزیر ہند بنایا گیا تھا۔ وہ بھی ہندوستان کے ہمدرد گئے جاتے تھے۔ وائسرائے ہند لارڈ ارون کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ایک سچے اور نیکدل عیسائی ہیں اور ہر سچے عیسائی گناہ ہی جی کو حضرت عیسیٰ کے پیغام کی تجدید کرنے والا سمجھتا ہے۔ اس فضائے کانگریسیوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ دسمبر ۱۹۳۵ء میں نہرو رپورٹ کو منظور کرتے ہوئے کانگریس نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ حکومت برطانیہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء تک اسے منظور کر لے ورنہ کانگریس عدم ادائیگی کا لیسنہ و محصولات وغیرہ کی عدم شروع کر دیگی۔ فروری ۱۹۳۶ء کے پہلے ہفتہ میں گاندھی جی نے یورپ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا جہاں سے انہیں دعوت نامے موصول ہو رہے تھے کیونکہ وہ کانگریس کے

پروگرام کی کامیابی کے ذرائع سوچنے کا زبردست کام شروع کرنا چاہتے تھے اور آنے والے سال کی جدوجہد اور شکمش کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی فکر میں تھے۔ یہ بعد از قیاس نہیں ہے کہ انہیں مزدور پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کا یقین ہو چکا تھا جس کے متعلق کانگریس حلقوں میں عام خیال یہ تھا کہ وہ کانگریس کی طرف داری کرے گی۔ کونسلوں کے اندر اور باہر کانگریس کے طرزِ عمل سے ان کے بڑھے ہوئے حوصلوں کا مظاہرہ ہونے لگا۔ دہشت انگیزوں نے حکومت کے خلاف نشہ و حرکات کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس سے نیٹے کے لئے گورنمنٹ نے اپریل میں اسمبلی میں ایک مسودہ قانون سپلیک سیفیٹی بل (مسودہ تحفظ عامہ) کے نام سے رکھا۔ مسٹر وٹھل بھائی ٹیل اس وقت اسمبلی کے صدر تھے انھوں نے حکومت سے کہا کہ وہ مقدمہ سازش میرٹھ کے اختتام تک اسے روک لے۔ حکومت نے اس مشورے کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں مسٹر ٹیل نے بحیثیت صدر اسمبلی اسکے پیش ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن وائسرائے نے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں تقریر کے حکومت کو سپلیک سیفیٹی بل کے اختیارات دے دیئے۔ مسٹر ٹیل اب اور آگے بڑھے۔ انہوں نے وائسرائے کو ایک خط لکھ کر اس بات پر پریکٹس کیا کہ ان کے رولنگ پیر وائسرائے نے کیوں نکتہ چینی کی اور وائسرائے کے سکریٹری نے نہایت نرم الفاظ میں جواب دیا کہ وائسرائے کا ارادہ نہ تو آپ کے رولنگ پرنکتہ چینی کرنے کا تھا اور نہ وہ آپ پر اعتراض کرنا چاہتے تھے۔

۸ اپریل کو دہشت انگیزوں نے اسمبلی تک میں اپنا آواز نہ کر دیا۔ انہوں نے وزیٹروں کی گیلری سے ممبروں کی بنچوں کے قریب دو بم گرائے۔ گاندھی جی اس تمام عرصے میں ملک کا دورہ کرتے پھر رہے تھے۔ سائنس کمیشن کے ولایت پہنچنے کے بعد لارڈ ارون بھی چار ماہ کی رخصت لے کر انگلستان چلے گئے۔ ان کا یہ سفر آئندہ دستور کی تشکیل کے سلسلے میں تھا۔ مئی ۱۹۲۹ء میں بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا۔ حکومت سوشلزم پھیلانے اور تشدد سے کام لینے والوں کیخلاف برابر سختی سے کام لے رہی تھی۔ کانگریس اس کے خلاف تھی۔ اس نے مقدمہ سازش میرٹھ کے فیصلوں کی امداد کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ منظور کیا۔ لیڈروں کے انگلستان جانے

سے یہ بات صاف ہو گئی کہ حکومت دستور سازی کا کام شروع کر چکی ہے۔ وائسرائے نے ولایت جانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ حکومت برطانیہ کوئی قطعی اعلان کرنے سے پہلے ہندوستان کے ہر طبقہ و خیال کے نمائندہ اصحاب کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس نے یہ پوزیشن اختیار کر رکھی تھی کہ حکومت نہرو رپورٹ کو تمام وکمال منظور کر کے اسے آئندہ دستور سازی کی حیثیت دیدے ورنہ ہم اس کے لئے ہندوستان میں راج کر سکتا ناممکن بنا دیں گے۔ وائسرائے کے بیان کے بعد اس نے روٹھے کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۱۵ جولائی کو دہلی میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کر کے یہ فیصلہ کر دیا کہ اگر تمام قانون ساز جماعتوں کے کانگریسی ممبر استعفیہ دیدیں تو یہ کانگریس کی تحریک کے لئے بہت مفید ہو گا۔ مگر اس فیصلے کو قطعی فیصلہ قرار نہیں دیا بلکہ آخری فیصلہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی پر چھوڑا۔ ۲۶ جولائی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا اس میں بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا معاملہ کانگریس کے سالانہ اجلاس لاہور تک ملتوی کر دیا گیا اس موقع پر آل انڈیا مسلم نیشنلسٹ پارٹی کو منظم کرنے کا معاملہ بھی درپیش تھا۔ پارٹی کا دوسرا جلسہ بھی ہوا۔ پہلے جلسے کا مختصر سنا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ ملک میں اس وقت دہشت انگیزی اور سخت گیری کا دور دورہ تھا۔ پنجاب اور بنگال میں حکومت اور دہشت انگیزوں میں خاص طور پر زوردار کشمکش ہو رہی تھی۔ سوشلزم کے خیالات پھیلنے کی وجہ سے مزدوروں میں بھی کافی بچھینی پھیلی ہوئی تھی اور بھٹی، بنگال اور بہار کے لوگوں کے مزدور خوب ہڑتالیں کر رہے تھے۔

۲۵ اکتوبر کو وائسرائے ہند ہندوستان واپس آئے۔ ۳۱ اکتوبر کو انہوں نے اکیل اعلان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ اس پالیسی کے مطابق جس کا آغاز ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سے ہو چکا ہے ہندوستان میں بتدریج خود اختیار حکومت قائم ہو اور ان طریقوں سے جو ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ متعین کر چکی ہے ہندوستان نوآبادیوں میں مناسب جگہ حاصل کر لے کمیشن کے صدر سر جان سائمن نے ولایت پہنچنے کے بعد وزیر ہند سے خط و کتابت کی ہے کہ مستقبل میں جو تعلق برطانوی ہند اور ہندوستان کی ریاستوں میں پیدا ہو گا اس کے تعین کے ذرائع تلاش کرنے کے لئے ایک کانفرنس منعقد ہونی چاہئے جس میں

حکومت برطانیہ برطانوی ہند، اور ریاستوں کے نمائندے ایک جگہ ہو کر تبادلہ خیالات کریں۔ اور ان کی بنا پر جوائنٹ پارلیمنٹ کیٹیجوتجاوینہ مرتب کرے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے آگے رکھی جائیں۔

والسٹرائے ہند اور لیڈروں کی ملاقات

یہ تھا کہ ہم حکومت سے تعاون تو کر سکتے ہیں مگر حکومت اپنی پالیسی میں ایسی تبدیلی کرے جس سے لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ بنیاد و راج ہی سے شروع ہو گیا ہے۔ پالیسی کی تبدیلی سے کانگریس کی مراد یہ تھی کہ وہ سیاسی قیدیوں کو عام معافی دیدے۔ مگر حکومت نے اس قسم کا کوئی قدم نہ اٹھایا۔ ابھی اسے اطمینان نہیں تھا کہ دہشت انگیز اپنی حرکتوں سے باز آگئے ہیں۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ دارون حیدر آباد کے دورے سے واپس آرہے تھے کہ دہلی سے ایک میل کے فاصلے پر ان کی ٹرین کو بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ والسٹرائے بال بال بچ گئے۔ مگر ان کی ڈائمنڈنگ کار اڑ گئی اور ایک ملازم بھی زخمی ہوا۔ اسی دن انہوں نے مسٹر جناح، گاندھی جی، ڈاکٹر بیچار سپرو اور پرنسٹ موتی لال نہرو وغیرہ سے ملاقات کی۔ وہ سیاسی قیدیوں کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے تاکہ تبدیلی قلب کا ثبوت دے سکیں۔ مگر گاندھی جی درجہ نوا دیات کے متعلق کوئی خاص وعدہ چاہتے تھے۔ والسٹرائے نے صاف جواب دے دیا کہ جو کچھ اعلان میں بتایا جا چکا ہے اس سے زیادہ کچھ وعدہ نہیں کیا جاسکتا۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کا زاویہ نگاہ اور ان کے مطالبات والسٹرائے کے سامنے رکھ دیئے۔

کانگریس سول نافرمانی کی راہ پر

سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہرو رپورٹ کو مسترد کر کے درجہ نوا دیات کی جگہ پورن سوراج کانگریس کا نصب العین قرار دیا جاتا ہے۔ پہلی اور کونسلوں کے کانگریسی ممبروں کو ممبئی سے استعفا دیدینے کا حکم دیدیا گیا اور اجلاس نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو سول نافرمانی شروع کرنے کی اجازت دیدی جس میں عدم شریکیت بھی شامل تھی۔ ۳۱ دسمبر کورات کے بارہ بجے لاہور میں مکمل

آزادی کا جھنڈا اُہرایا گیا۔

۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا جائے۔ ۲۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو وائسرائے نے اسمبلی میں ایک تقریر کی۔ انہوں نے کہا: حکومت برطانیہ جو کانفرنس طلب کر رہی ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ ہندوستانی نمائندوں کی اکثریت دستور اساسی کی جو اسکیم منظور کرے گی اسے برطانوی پارلیمنٹ بلا ترمیم و تفسیح منظور کر لے گی۔ یہ کانفرنس تو برطانوی حکومت کو کسی فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنے میں امداد دینے کے لئے ہوگی۔ ۱۲/۱۵/۱۹۳۱ء فروری کو ساہیوالی میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ اور گاندھی جی اور ان کے قفا کو سول نافرمانی شروع کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

مسلمانوں کی سول نافرمانی میں مشترکہ شرکت پر آمادگی | مسلمان من حیث قوم سول نافرمانی

کی تحریک سے علیحدہ رہے۔ علی برادران اور جناح صاحب اور ان کے ہمنوا اور پیروکاران سیاست کا یہ خیال تھا کہ سول نافرمانی کی جنگ برطانیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہندو پورٹ کے قبول کر لئے جانے کی صورت میں کانگریس حکومت سے صلح کر کے گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ اصل میں یہ جنگ اس لئے ہو رہی ہے کہ حکومت برطانیہ اس رپورٹ کو کیوں آئندہ دستور اساسی کی بنیاد نہیں مانتی جسے کانگریس نے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی مخالفت کے باوجود منظور کر لیا تھا۔ گویا جنگ مسلمانوں کے مطالبات کی خلاف ورزی ہے۔ اگر آج مسلمان اس سول نافرمانی میں کانگریس کے ساتھ شریک ہو جائیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر حکومت کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ آئندہ دستور میں ان کی سیاسی موت کا بندوبست کر دیں اور حکومت کے ایسا کرنے سے انکار کرنے کی صورت میں وہ ہندوؤں کی طرح حکومت کی جڑیں ہلانے پر مجبور ہیں۔ مولانا محمد علی نے مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے کے بارے میں گاندھی جی کی رائے دریافت بھی کی۔ گاندھی جی نے جواب میں یہ کہہ دیا کہ مسلمانوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمان شریک نہ ہوئے

توان کی کوئی پرواہ نہ کی جائیگی۔ ۶ اپریل کو قانون شکنی اس طرح شروع ہو گئی کہ سمندر کے کنارے ڈانڈی نام ایک مقام پر گاندھی جی نے سمندر کے پانی سے نمک بنانا شروع کر دیا جو قانوناً ممنوع ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی قانون شکنی ہونے لگی۔ حکومت نے سختی شروع کر دی۔ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ مولانا محمد علی نے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو شرکت کانگریس سے روکنے لگے۔ کانگریسی لیڈروں اور ان مسلمانوں نے جو بلا شرط سول نافرمانی میں حصہ لینے کے حق میں تھے محمد علی پر یہ الزام لگایا کہ وہ حکومت سے سمجھوتہ کر چکے ہیں۔ یہ زیادہ ترجیحیہ علمائے ہند اور مجلس احرار کے لوگ تھے۔ ۲۹ مئی میں جمعیت اپنے اجلاس پشاور کے موقع پر جناح صاحب کے چودہ نکات کی تائید کر چکی تھی۔ مجلس احرار ۲۵ مئی کے اجلاس میں وجود میں آئی تھی۔ اس کے صدر مولانا عطاء اللہ بخاری نے مولانا محمد علی کی سب سے زیادہ مخالفت کی کیونکہ مولانا نے یہ کہہ دیا تھا کہ جمعیت اور مجلس احرار اے سول نافرمانی میں حصہ لیکر ہندوؤں کی نقاب کشائی کر رہے ہیں جو علماء مولانا محمد علی کے ہمنوا تھے انہوں نے اس زمانے میں جمعیت علماء دہلی سے بغاوت کر کے ایک دوسری جمعیت علماء کانپور بنائی اور مولانا محمد علی کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا۔

پہلی گول میز کانفرنس | ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو گول میز کانفرنس شروع ہوئی۔ اس میں کل چھ سیاسی مندوبین تھے۔ ستاؤن برطانوی ہند کے،

سولہ ریاستوں کے اور تیرہ انگلستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے۔ حکومت نے کانگریس کے نمائندوں کو کانفرنس میں شریک کرنے کی غرض سے جون سے اگست ۱۹۳۰ء تک کانگریس سے بات چیت کی تھی۔ مگر کانگریس نے شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر جناح شریک ہوئے۔ آپ کے علاوہ مسلم من وین میں نمایاں لوگ مولانا محمد علی، سر آغا خاں اور شفیق وغیرہ تھے۔ کانفرنس ۹ جنوری ۱۹۳۱ء تک ہوتی رہی۔ یہ طے ہوا کہ ہندوستان کی آئینہ حکومت فیڈرل (وفاقی) ہوگی۔ مرکزی حکومت، صوبائی حکومتیں اور ریاستیں اس کے اجزاء ہو گئی۔ ویلفنس (تحفظ مالک) اور معاملات خارجہ برطانیہ کے ہاتھوں میں رہیں گے۔ اور اقلیتوں کے مذہب

و معاشرت کا تحفظ کیا جائیگا۔ مختلف امور کے بارے میں غور کرنے کے لئے مختلف سب کمیٹیاں بن گئیں۔ مگر جناح نے اقلیتوں کے تحفظ کے ذرائع نکالنے کے لئے ایک مائٹرائی سب کمیٹی (امدادی مجلس اقلیت) بنوائی۔

مولانا محمد علی نے گول میز کانفرنس میں بھی کامل آزادی پر مولانا محمد علی کا انتقال | زور دیا۔ انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا "میں غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو میرے لئے یہیں ایک قبر کی جگہ دینی پڑے گی۔ یہ یادگار فقرے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کو کہے گئے تھے۔ ۳۱ فروری ۱۹۳۱ء کو اس فداے قوم و ملک نے غلام وطن میں واپس آنا قبول نہ کرتے ہوئے سچ سج دیا وغیرہ میں جان دیدی۔ ہندوستان میں ان کی تقریر کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ انتقال کی خبر کی پذیرائی کے لئے دوست و دشمن سب کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ یہ ماتم تھا انہی محمد علی کا جہیز چند دن پہلے تک نکتہ چینیوں، الزامات اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ اب ظاہر ہوا کہ انہیں حکومت کا آدمی کہنے والوں نے کس حد تک اپنے دماغی توازن کا ثبوت دیا تھا۔ بعض لوگوں کے خیال میں شرکت کانفرنس محمد علی کا آخری کارنامہ تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟ محمد علی کے کارناموں کا سلسلہ اتنے جلد کیسے ختم ہو سکتا ہے! اس مرد جانپاز کی شاندار مثال تو قیامت تک شاندار کارناموں کا مخزن بنی رہے گی۔

یہ بات گذشتہ صفحات سے معلوم کی جا چکی ہے مسلم لیگ کی حالت | کہ اس دور میں مسلمان بہت غیر منظم اور پر اگندہ تھے۔ پیشانیست مسلمانوں کو چھوڑ کر باقی سب مسلمان قومی مطالبات کے معاملے میں تو ہم آہنگ تھے مگر ان میں آپس میں بڑی تفریق تھی۔ خلافت کمیٹی، مسلم لیگ، جمعیتہ علمائے دہلی، جمعیتہ علمائے کانپور، تنظیم کانفرنس، انجمن تبلیغ الاسلام، مسلم کانفرنس سب ہی کو مسلمانوں کی تنہا نمائندگی کا دعوے تھا مگر جہاں تک مسلمانوں کی سیاسی وقعت و اہمیت کے تحفظ کا سوال ہے یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی تھی کہ لیگ ہی

ایک ایسی جماعت ہے جس کے پلیٹ فارم سے اس سلسلے میں موثر کام ہوا ہے مگر اس پہلو پر بھی مسلم کانفرنس مسلم لیگ کی حریف بن گئی تھی۔ یہ صرف مسلمانوں کے متفقہ مطالبات ترتیب دینے کی غرض سے۔ بنی تھی مگر شفیق داؤدی وغیرہ لوگوں نے اسے بھی ایک مستقل جماعت کی شکل دی۔ جس سے مسلم لیگ کمزور ہوئی۔ اس دور میں مسلمان رہبروں اور قومی کارکنوں میں ذاتی مخالفتوں کی بے پایاں خلیجیں حائل تھیں۔ قوم کی کشتی حیات انتشار کے بہاؤ پر مصائب کے بھنور کا رخ کر رہی تھی۔ مگر تلاحوں کو یہ دھن نہ تھی کہ ہم میں سے کون عمل کی تپور سنبھال کر زوال کی دھار کو کاٹے۔ وہ ایک دوسرے کے کہنیاں مارنے میں مصروف تھے۔ ہر ایک پر یہ جنوں سوار تھا کہ دوسروں کو غرق کر دوں تاکہ قوم کی قیادت کے لئے صرف میں رہ جاؤں۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر اس وقت تدبیر کی مقرض سے اس حال کو نہ کاٹا گیا جو روپے عقل اور چالاک کے ہاتھوں سے ڈالا جا رہا ہے تو غلامی کا مستقل جوا قوم کی گردن میں پڑ کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک دوامی طوق لعنت بن جائیگا مگر کیسی تدبیر کہاں کا عمل وہ تو آپس ہی میں گتھم گتھا تھے۔ (قوم کے قصز زندگی سے اینٹیں چرا چرا اپنے گھروندے کھڑے کرنے سے کیسے باز رہتے۔ کیا خبر پھر موقع نہ ملے)۔ قوم کے لئے وہ ذاتی رنجشوں اور کھینچتائیوں کو چھوڑ دیتے تو پھر ان رہبران قوم کا اپنا وجود ہی کہاں رہتا۔ باہمی اعتماد بالکل مفقود تھا۔ پر خلوص اتحاد عمل تو بڑی چیز ہے، اس کا شاہد تک بھی کہیں نہ پایا جاتا تھا

مسٹر جناح کی بے تعلقی اور اس کا اثر | نا اتفاقی کی اس فضا کو دیکھ کر اس شخص کے دل پر کیا گزری ہوگی جو ۱۹۱۳ء کے بعد سے برابر مسلمانوں کے قومی وقار اور ان کی سیاسی وقعت کو مستحکم کرنے کے لئے بیغرض جدوجہد کر رہا تھا جس نے ۱۹۱۶ء میں ہندو مسلم معاہدہ لکھنؤ سے مسلمانوں کا سیاسی وجود قائم کیا تھا، جس نے ۱۹۲۰ء میں تجاویز دہلی مرتب کر کے متفقہ مطالبات کے ذریعہ سے متحدہ قومی پلیٹ فارم وجود میں لانے کی تدبیر کی تھی، جس نے چودہ نکات میں

مسلمان قوم کے مطالبات کو کچھ اس انداز سے دستوری شان دیدی تھی کہ انگریز سے لیکر ہندو تک سب ان سے کھلم کھلا انکار کر سکنے سے عاجز تھے اور جس نے بالآخر پہلی گول میز کانفرنس میں اپنی قوم کو ایک قابل لحاظ اور مستحق تحفظات اقلیت منوایا تھا۔ وہ آزموہ کار سیاہی محاذ پر تو لڑ رہا تھا اور اس نے دوسری گول میز کانفرنس میں بھی لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر اس قومی انتشار نے اسے ہندوستان سے بد دل کر دیا۔ جناح صاحب نے پہلی گول میز کانفرنس کے بعد انگلستان ہی میں مستقل بود و باش اختیار کر لی اور پریوی کونسل میں بیرسٹری شروع کر دی۔

اس سے لیگ کے استحکام کی بنیادیں ہل گئیں۔ جناح یوں الگ ہو گئے۔ محمد علی اور مہاراجہ محمود آباد کو موت نے چھین لیا۔ ڈاکٹر کچلو اوائل سن ۱۹۳۰ء ہی میں سکرٹری شپ سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ قوم پرور مسلمانوں کا میدان ہی دوسرا بن گیا تھا۔ اب لیگ میں رہ کون گیا؟ سب سے زیادہ نقصان تو قائد جماعت کے بے تعلق ہو جانے سے پہنچا۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک کے سیاسی طوفان میں لیگ کو جناح صاحب ہی نے تو زندہ رکھا تھا۔ وہی اس کی روشنی تھے۔ انہی سے اس میں جان تھی۔ ان ہی کے خلوص انہماک اور تدبیر سے مسلم لیگ نے دستوری فتوحات حاصل کی تھیں۔ کیا اب ان کے بغیر لیگ زندہ رہ سکے گی؟ مسلمانوں کو اس سے کتنا زبردست نقصان پہنچے گا! ہندوستان اور مسلمانوں کی تقدیر بن رہی ہے اور جناح ہندوستان اور مسلمانوں سے دور!! سمجھدار طبقہ لیگ کے وجود سے مایوس سا ہو گیا۔ ڈاکٹر کچلو کے بعد فروری سن ۱۹۳۰ء سے مولوی سر محمد یعقوب سکرٹری شپ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ قومی خادموں کے افلاس کے اس دور میں وہ بھی غنیمت تھے کیونکہ ایک مدت سے مسلم لیگ کی کارروائیوں میں حصہ لیتے رہنے کی وجہ سے انہیں دستوری معاملات کا تجربہ تھا۔ جناح صاحب کے بعد سر محمد شفیع کو صدر بنایا گیا۔

مسلم لیگ آلیسوان سالانہ اجلاس الہ آباد ۱۹۳۰ء کے کو اٹھ لیگ علامہ
اقبال کے خطبہٴ صدارت کو تذکرے

کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے۔ اس بلند نظر خود آگاہ مرد مسلمان نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں آلیسوان
سالانہ اجلاس لیگ الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے حالات پر اپنے عشقِ ملی کی شعاعیں
ڈال کر یہ دکھایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کے لئے اس کی نظر میں کونسا سانچہ
موزوں ہے۔ علامہ موصوف نے بنظرِ حالات آزاد ہندوستان میں آزاد اسلامی سیاست
کا تصور پیش کیا اور بتایا کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ اس کے مذہب سے متاثر ہوتا
ہے اس لئے وہ اسلام کو صرف اخلاقی تخیل نہیں سمجھتا اور نہ یہ برداشت کر سکتا ہے کہ
سیاسی نظام کی حیثیت سے اسے ایسے قومی نظام کے سیاسی میں جذب کر دیا جائے
جن کے ماتحت مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ نے کہا کہ
پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان آپس میں مدغم کر دیئے جائیں۔ اس متحدہ مسلم مملکت
کے نظر سے ہندوؤں یا برطانیہ کو خائف نہ ہونا چاہئے اس کی بنا آزادانہ نشوونما
کی ایک حقیقی خواہش پر ہے جو اس وحدانی حکومت کے ماتحت پوری ہونی مشکل ہے
جو نیشنلسٹ ہندو سیاستدانوں کے مد نظر ہے اور جس میں وہ فرقہ دارانہ غلبہ حاصل
کرنا چاہتے ہیں۔

فساد کا پیور مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کا اعادہ حقوق ۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو
وائسرائے ہند لارڈ ارون

اور گاندھی جی میں ایک معاہدہ ہو گیا۔ سول نافرمانی بند ہو گئی۔ معاہدے کی تفصیلات
کی ضرورت ہے نہ اس کے لئے گنجائش ہے۔ ہندو مسلم تعلقات بلا برکتیہ چلے
آ رہے تھے۔ اگر، بنارس، مرزا پور وغیرہ مقامات پر فسادات ہو رہے تھے۔ ان سب
شہروں میں ہندو اکثریت آباد ہیں۔ سب سے زیادہ ہولناک فساد ۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء
کو کانپور میں ہوا جہاں ہندو آبادی کا پچھ حصہ ہیں۔ مسلمانوں نے بھگت سنگھ کی پچاسی

کے موقع پر ہڑتال نہیں کی۔ ہندوؤں کو غصہ آگیا اور ۲۲ مارچ کو خونریز فساد شروع ہو گیا۔ بچارے گنیش ودیا رتھی ایڈیٹر اخبار پر تاپ مسلمانوں کو ہندوؤں کے غصہ اور انتقام سے بچانے ہی میں اپنی جان سے گئے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق اس فساد میں ۱۶۶ آدمی ہلاک اور ۴۸۰ زخمی ہوئے۔ ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کو مولانا شوکت علی نے خاص اجلاس مسلم کانفرنس ملی کی صدارت کرتے ہوئے ان فسادات پر اظہارِ افسوس کیا اور کہا: ”منظم کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کر کے اطاعت پر مجبور کیا جائے مگر مسلمان ان تدبیروں سے بھی نہیں بچ سکے گا۔ ہندو اکثریت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے جائز اور معقول مطالبات منظور کر کے اعتماد قائم کرے۔“ اسی اثنا میں پیپلی گول میز کانفرنس کی رپورٹ شائع ہوئی۔ ۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو لیگ کونسل نے اس سلسلے میں سات تجویزیں منظور کیں۔ مسلمانوں کے لئے تمام وفاقی جماعتیں قانون ساز میں ایک تہائی نشستوں کا مطالبہ کیا گیا۔ اقلیتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کو پاسنگ دیئے جانے پر زور دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسی قسم کا پاسنگ سندھ اور سوہا سرحد میں ہندوؤں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ کل تباہی و بربادی کے چودہ نکات ہی کا اعادہ تھا۔

اسی ماہ میں مسلم نیشنلسٹ پارٹی نے اپنا تیسرا اجلاس کیا۔ اس کے صدر سر سید علی امام تھے۔ مسلم حقوق کے بارے میں جو تجویز منظور کی گئی اس میں اور جناح کے چودہ نکات صرف اتنا فرق تھا کہ مسلم نیشنلسٹ جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط یا مشترک انتخاب رکھنا چاہتے تھے اور مسلم نیشنلسٹوں اور ہندو مہا سمجھا کی تجویز میں یہ فرق تھا کہ ہندو مہا سمجھا صرف مخلوط انتخاب منظور کرتی تھی اور مسلمانوں کے باقی تمام مطالبات کے خلاف تھی۔ گاندھی جی گول میز کانفرنس میں جانے سے قبل ہندو مسلم اتحاد کے بہت خواہشمند تھے بلکہ اس کے بغیر گول میز کانفرنس میں جانا بیکار خیال کرتے تھے۔ ان ہی کی کوششوں سے کراچی کانگریس میں آزادی و غیر مذہب کی قرار بھی منظور ہوئی تھی اور انہی کی خواہش کے مطابق کانگریس نے گاندھی جی مسٹر پیل اور سیٹھ جہان لال بجراج کا ایک وفد بھی مسلم لیڈروں سے گفتگوئے مفاہمت

کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ مگر چونکہ نیشنلسٹ جداگانہ انتخاب کو تسلیم نہیں کرتے تھے اسلئے گاندھی جی نے نمائندہ مسلم لیڈروں کے مطالبات تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ ۱۷ اپریل کو نئے وائسرائے لارڈ ولنگٹن ہندوستان آگئے اور حکومت نے گاندھی ارون معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کانگریس پر سختی شروع کر دی۔ مگر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہی فیصلہ کیا کہ گاندھی جی کانگریس کے تنہا نمائندہ کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوں۔ گاندھی جی نے حکومت سے خط و کتابت شروع کی کہ وہ اپنی سختی میں کمی کر کے تبدیلی قلب کا ثبوت دے۔ مگر حکومت نے سرکاری انداز سے انہیں اطمینان دلانا شروع کر دیا کہ سختی ہو ہی نہیں رہی ہے۔ اس سے بگڑ کر گاندھی جی نے ۱۱ اگست کو گول میز کانفرنس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ مگر صلح کا دروازہ کھلا رکھا اور وائسرائے سے ملاقات کی درخواست کی۔ ملاقات کے بعد وہ کانفرنس کی شرکت پر رضامند ہو گئے اور ۲۹ اگست کو انگلستان روانہ بھی ہو گئے۔ مسلم مندوبین میں قابل ذکر مسٹر جناح سر آغا خاں، مولانا شوکت علی، علامہ اقبال اور مسٹر شفیع وغیرہ تھے۔

دوسری گول میز کانفرنس اہم ترین تصفیہ طلب سوال اقلیتوں کے حقوق کا تھا۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو مانٹرائی کمیٹی میں زیرِ اطمینان برطانیہ مسٹر میکڈانلڈ نے اس مسئلے کے حل کے لئے اپیل کی۔ مجلس ایک ہفتہ کے لئے ملتوی ہو گئی۔ تین یا پانچ ممبروں کی ایک چھوٹی کمیٹی تصفیہ کے لئے مقرر کی گئی جس کا جلسہ ۸ سے ۱۲ اکتوبر تک جاری رہ کر ناکام ہو گیا۔ اقلیتوں کی مجلس کا ملتوی شدہ جلسہ ۴ اکتوبر کو شروع ہوا۔ گاندھی جی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں اور سرحد میں ہندوؤں کو اقلیت ماننے اور منوائے پر بضد تھے۔ ان کے علاوہ ہندوستان میں اور کسی کو اقلیت ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا وہ اپنی ذات سے انہیں سب کچھ دے دینے پر آمادہ تھے مگر اس مجبوری کا اظہار کرتے تھے کہ ہندو اور سکھ نہیں مانتے۔ پنڈت مالویہ، ڈاکٹر مہوجے اور پنجاب کے ہندو اور سکھ لیڈروں

کا طرز عمل بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی اور
 اچھوت بھی ہندوؤں اور گاندھی جی کی طرف سے بد دل تھے۔ نزاکت حالات برپا تھے
 لگی۔ مسلمان نمائندے گاندھی جی کو براہر یقین دلاتے رہے تھے کہ اگر کانگریس مسلمانوں
 کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری لے لے تو وہ ہر صورت میں اس کے ساتھ اشتراک عمل
 کے لئے تیار ہیں۔ مگر ہندو ہما سبھا اور پنجاب کے تفرقہ پرور ہندو سکھ لیڈر اس پر
 زور دیتے تھے کہ مسلمان مخلوط انتخاب قبول کریں جس میں نشستوں کی تخصیص بھی
 نہ ہو۔ گاندھی جی انھیں سمجھانے سے عاجز تھے۔ وہ مسلمانوں کو تحفظ حقوق کا یقین
 کیسے دلا دیتے!

ادھر سے یاہوس ہو کر مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں میں ایک باہمی سمجھوتہ کرنے کے
 لئے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ اب گاندھی جی نے مسلمانوں کے مطالبات ماننے
 کے لئے یہ شرط پیش کی کہ وہ سکھوں کے علاوہ دوسری اقلیتوں کے حقوق کی مخالفت
 میں کانگریس کی مدد کریں۔ اس شرط کو مسلمانوں نے نہ مانا اور ۱۳ نومبر کو اقلیتوں
 کی مجلس کے جلسے میں وہ معاہدہ سامنے آ گیا جو مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں ہوا
 تھا۔ اس معاہدے کی دفعات کا خلاصہ یہ تھا کہ اقلیت رکھنے والی قوموں کے مذہب،
 تمدن، دستور، تعلیم، زبان، خیراتی اداروں کے تحفظ کا آئندہ قانون حکومت میں۔ یعنی
 انتظام ہونا چاہئے۔ مرکز اور صوبوں میں ان کو مناسب تعداد میں ملازمتیں ملنی چاہئیں
 اور ان جگہوں کی قانون ساز جماعتوں میں ان قوموں کے نمائندوں کو وزارتوں میں بھی
 لئے جانے کی شرط رکھی جانی چاہئے۔ ہندوؤں کے لیڈروں نے اس کو تسلیم کرنے سے
 انکار کیا۔ گاندھی جی نے بھی یہی کہا کہ یہ تو مردے کی چیر بھار ہو رہی ہے۔ مگر سر آغا خاں
 نے کہا کہ یا تو یہ معاہدہ پورا کا پورا منظور کیا جائے یا پورا کا پورا مسترد قرار دیا جائے۔ وزیر اعظم
 نے جلسہ ملتوی کر دیا اور یہ کہا کہ شرکاء نے مجلس مجھ سے تحریری درخواست کریں کہ اس
 مسئلہ کو سرکاری طور پر حل کر دوں اور جس طور پر میں اسے حل کر دوں گا وہ تسلیم کر لیں گے۔

۱۲ نومبر کو گاندھی جی نے مسلم نمائندوں کو اقلیتوں کے معاہدے سے جدا کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی دن پنڈت مالویہ، ڈاکٹر مہونجے، سیٹھ پیرا، مسٹر جیکر وغیرہ کے دستخطوں سے ایک درخواست وزیر اعظم برطانیہ کو بھیجی گئی کہ وہ اس معاملے میں ثالث بن کر فیصلہ کر دیں۔ گاندھی جی نے علیحدہ ایک خط لکھا کہ ہندو لیڈروں کی درخواست پر میرے دستخط نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ کانگریس آپ کے فیصلے کی مخالفت کریگی۔ اعتدال پسند لیڈروں نے بھی اسی طرح وزیر اعظم کو خطوط بھیجے۔ مسلمان اس درخواست کے ہمنوا نہ تھے کیونکہ وہ حکومت کی دست اندازی کے بغیر آپس ہی میں فیصلہ کرنے کے خواہشمند تھے۔ ہندوؤں کو یہ خوش فہمی تھی کہ برطانوی وزیر اعظم مسٹر میکڈونلڈ مصنف "بیدار" ہند کو ہندوؤں کی سیاسی آرزوؤں سے ہمدردی ہے اور ان کا فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہوگا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو دوسری گول میز کانفرنس ختم ہو گئی

مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس میں کونسی جماعت ہے؟ ۱۹۳۱ء کے اواخر میں مسلم رہبروں کو یہ

محسوس ہونے لگا کہ اب ان دونوں جماعتوں میں سے ایک ہی جماعت برقرار رکھنی چاہئے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک تو مسلم لیگ زیادہ قدیم اور موثر ہے جس کی پشت پر طویل تاریخ اور شاندار کارنامے ہیں، دوسرے اس کے پلیٹ فارم پر ہر طبقہ و خیال کے مسلمانوں کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے۔ مسلم کانفرنس کو مسلم لیگ میں جذب کر دیا جائے۔ سر ظفر اللہ خاں نے لیگ کے بائیسویں اجلاس میں ۱۹۳۱ء کی صدارت کرتے ہوئے یہ مشورہ پیش کیا کہ لیگ اور کانفرنس کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور متحدہ جماعت کا نظام ایسا ہمہ گیر اور وسیع ہو جس کے دائرے میں مسلمانوں کی تمام قومی سرگرمیاں آجائیں۔ اس مشورے پر عمل نہ ہوا مگر لیگ کے کارکنوں نے اسے مقبول بنانے کا ہتھیار کر لیا۔ سالانہ چنہ چھ روپیہ کی جگہ ایک روپیہ ہو گیا تاکہ ممبر بڑھ سکیں

ملکی حالات پر نظر رکھنے اور ہر ماہ جلسہ کرنے کے لئے ایک ورکنگ کمیٹی بھی مقرر ہوئی۔ مگر اس کے چند ہی جلسے ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ کمیٹی کے ممبر ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلے پر رہتے تھے۔ ۱۶ جنوری کو نوٹین کشی ہندوستان آن پہنچی تاکہ

کمیونل اوارڈ | اقلیتوں کے حقوق کے تقنین کے سلسلے میں وزیر اعظم کے فیصلے کی بنیاد کے لئے رائے دی اور نشستوں کے بارے میں تحقیقات کر سکے۔ گاندھی جی نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس تحقیقات کے نتائج کے طور پر مسلمانوں اور اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب دیا جائیگا۔ اس عرصے میں کانگریس اور حکومت کی از سر نو بکرا جانے کی وجہ سے وہ پرودہ جیل میں تھے۔ وہیں سے انہوں نے ۱۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو وزیر ہندو کمیونل ہور کو ایک خط لکھا کہ اگر اچھوتوں کو جداگانہ نیابت کا حق دیکر ہندوؤں سے جدا کیا گیا تو میں احتجاج کے طور پر فاقہ کر کے جان دیدوں گا۔

لفظ اچھوت ہندوستان کی ان بیخ ذاتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن کے سیاسی و معاشرتی وجود کو ہندوؤں نے ہزار ہا سال سے ہونے کے برابر کر رکھا ہے ویسے تو ایک اونچی ذات کا ہندو بھی دوسری اونچی ذات کے ہندو کے ساتھ کھانے پینے یا رشتہ کرنے سے دستوراً مذہباً معذور ہے۔ مگر بچارے اچھوت تو صد ہا برس سے ادنیٰ ترین مدنی و رواجی آسائیوں سے بھی محروم ہیں۔ اچھوتوں کا ہندوستان کی سرزمین پر زیادہ سے زیادہ برے حال میں زندہ رہنا بھی ہندوؤں کے نزدیک اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی بڑی زبردست جہربانی ہے۔ اسی مصیبت سے پیچھا پھڑانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں اچھوت اسلام اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لے چکے ہیں گول میز کانفرنس کے موقع پر حکومت کو یہ معلوم ہوا کہ اچھوت ہندوؤں کا حصہ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں اور ہندوؤں نے اپنی اکثریت برقرار رکھنے کیلئے انہیں اپنے ساتھ ظاہری طور پر تھیں کر رکھا ہے۔ اس کے فوراً بعد نمایاں ہندو لیڈروں نے اچھوتوں سے انہما ہمدردی شروع کر دیا۔ ان میں پنڈت مدن موہن مالویہ نمایاں ترین تھے۔

۱۹۳۲ء کو کمیونل اور ڈکا اعلان ہوا جس میں مسلمانوں اور اچھوتوں کو جداگانہ نمائندگی کا حق دیدیا گیا۔ گاندھی جی نے ۸ اگست کو فائدہ کر کے جان دینے کا اعلان کیا۔ اور وزیراعظم کو اس کی اطلاع دیدی ۸ ستمبر کو وزیراعظم نے جواب دیا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ۲۰ ستمبر کو گاندھی جی نے فائدہ شروع کر دیا اس سے ہندوؤں اور اچھوتوں کے لیڈروں میں ۲۵ ستمبر کو معاہدہ ہونا ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھوتوں کے لئے جداگانہ انتخاب تہیں ہوگا بلکہ ہندوؤں ہی کی نشستوں میں سے چند نشستیں انکے لئے مخصوص کر دی جائیں گی۔ اچھوت اپنے میں سے چار آدمی جنہیں گئے اس کے بعد ہندوؤں اور اچھوتوں کا ایک مشترکہ انتخاب ہوگا اس میں اچھوتوں کے منتخب کردہ چار افراد میں سے ایک شخص ممبر منتخب ہو جائیگا۔ حکومت نے یہ فیصلہ کمیونل اور ڈی میں اس حد تک شامل کر لیا جس حد تک یہ اس کی تجویز پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا

لیگ کو جناح کی ضرورت ۱۹۳۳ء کے آغاز میں مسلم لیگ کا پلٹ فارم باجی بڑوں سے خاصا سیاسی اکھاڑہ بن گیا۔ ایک پارٹی میاں عبدالعزیز سرحدی کی تھی۔ وہ مظفر اللہ خاں کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بن جانے کی وجہ سے عارضی طور پر صدر بنائے گئے تھے۔ دوسری پارٹی مولوی محمد یعقوب کی تھی جو لیگ کے انری سیکرٹری تھے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء کے لیگ کونسل کے اجلاس میں صدر صاحب نے سکرٹری صاحب کو عہدے سے ہٹا دیا۔ اس پر محمد یعقوب کی پارٹی والوں نے وہیں اور اسی وقت محمد یعقوب پر اظہار اعتماد کر کے صدر صاحب کے فیصلے کی مذمت کر ڈالی۔ اب آئندہ سالانہ اجلاس کے لئے صدر منتخب کرنے کا مرحلہ آیا۔ سکرٹری صاحب نے کونسل کا جلسہ طلب کرنا چاہا۔ مگر صدر صاحب نے مجلس بلائے کی اجازت نہ دی بلکہ خود ہی سالانہ اجلاس کو دسمبر ۱۹۳۳ء کی کسی تاریخ تک ٹال دیا۔ اس پر لیگ کے بہت سے ممبر بگڑے۔ انہوں نے تحریری درخواست پیش کر کے کونسل کا ایک فوری جلسہ طلب کرایا اور اس میں میاں عبدالعزیز کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز منظور ہو گئی۔ ۱۶ جولائی ۱۹۳۳ء کو سر رضا علی کی صدارت میں مسلم لیگ کونسل کا جو جلسہ ہوا اس نے تجویز عدم اعتماد کی تصدیق کر دی۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ کا تیسواں سالانہ اجلاس خان بہادر حافظ ہایت حسین ایم ایل ای کی صدارت

میں منعقد کیا جائے۔ میاں عبدالعزیز اب بھی نہ مانے۔ انہوں نے بھی اسی طرح لاہور میں اپنی پارٹی والوں کی لیگ کو نسل کا ایک جلسہ کر ڈالا۔ ایک جماعت ایسی موجود تھی جو ان کے صدر رہتے کے خلاف تھی مگر انھیں یہی ضد تھی کہ میں صدر ہوں گا۔ اب ایک ایسے شخص کی ضرورت بہت شدت سے محسوس ہونے لگی جس پر مختلف پارٹیاں اعتماد کر سکیں۔ وہ شخص جناح کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ ان کی زندگی تاہر، خلوص اور بیخبر خدمت قوم کا ایک شاندار مسلسل ریکارڈ تھی وہی مختلف ان خیال لوگوں کو بیک وقت قابو میں رکھ سکتے تھے۔ مگر کیا جناح صاحب اپنی کامیاب بیسٹری کو خیر باد کہہ کر نشر قوم کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے میدان میں اترینگے؟ شخص کو یہی تشویش تھی مگر جناح صاحب نے مسلم لیگ کی متفقہ تجویز کا وہی جواب دیا جو ان جیسے بلند پایہ انسان کی شان کے شایاں تھا۔ انہوں نے ولایت کی رہائش اور پیروی کو نسل کی کامیاب پریکٹس کو مسلمانوں کا مستقبل بنانے کے لئے بیدار قربان کر دیا اور ہندوستان تشریف لے آئے۔ ۱۹۴۷ء کے سالانہ اجلاس میں آپ لیگ کے مستقل صدر منتخب ہو گئے۔ آپ کے مطلع سیاست پر طلوع ہوتے ہی اختلافات اور رجحانوں کی سیاسی کافور ہو گئی اور مسلم لیگ میں جان پڑنے لگی۔ ۱۹۴۷ء کے اسمبلی کے انتخابات میں مسٹر جناح بمبئی کے شہری حلقے سے منتخب ہو کر اسمبلی میں آئے اور انہوں نے ایک انڈیپنڈنٹ پارٹی بنائی۔ کانگریس بھی کونسلوں میں داخلہ کا فیصلہ کر چکی تھی اور مسٹر بھولائی ڈیسا کی قیادت میں اسمبلی میں کانگریس پارٹی کام کر رہی تھی

ہندوؤں کی طرف کمیونل وارڈ کی مخالفت | راجن کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس میں

میں یہ طے کیا کہ سفید کاغذ تو ناقابل قبول ہی ہے مگر جہاں تک کمیونل وارڈ کا تعلق ہے جب تک اختلاف رائے موجود ہے کانگریس کی پالیسی روز بروز قبول ہے۔ پنڈت مالویہ اور ڈاکٹر اینے اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے کانگریس کے پارلیمنٹری بورڈ سے استعفاء دیکر اگست ۱۹۴۷ء میں ایک علیحدہ پارٹی بنائی جس کا مقصد کونسلوں کے اندر اور باہر کمیونل وارڈ کے خلاف ایچی ٹیشن کرنا تھا۔ یہہ

کانگریس کی کھلی ہوئی مخالفت تھی۔ رفروری کو مرکزی اسمبلی میں گول میز کانفرنس کی ہوائیست پارٹیشن کمیٹی کی رپورٹ برائے بحث پیش ہوئی۔ مالوی اور ایسے کی پارٹی کل رپورٹ کے خلاف تھی جس میں کمیونل اور ڈبھی آتا تھا۔ کانگریس پارٹی رپورٹ کے خلاف مگر کمیونل اور ڈکے معاملے میں غیر جانبدار رہی۔ مسٹر جناح نے کمیونل اور ڈکے قائم رکھے جانے کے لئے ایک ترمیم پیش کی جس کے تین جزو تھے (۱) جب تک متعلقہ ملتیں سمجھوتہ کر کے کمیونل اور ڈکے کوئی بہتر بدلہ نہ تیار کر لیں اسمبلی کمیونل اور ڈکے منظور کرتی ہے (۲) صوبائی خود اختیاری کی اسکیم اپنے نقائص گورنروں کے غیر معمولی اختیارات اور ایوان بالا وغیرہ کی وجہ سے غیر تسلی بخش ہے (۳) آل انڈیا فیڈریشن کی اسکیم غلط ہے۔ صرف برطانوی ہند میں مکمل ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ اس ترمیم سے مسٹر جناح نے بیک وقت تین مخالف قوتوں کو شکست دی۔ ترمیم کے پہلے حصے کی کانگریس مخالفت تھی۔ اس نے مسٹر جناح کی ترمیم کے اس حصے پر یہ ترمیم پیش کی اسمبلی کمیونل اور ڈکے نہ رد کرتی ہے نہ قبول کرتی ہے۔ مگر حکومت اس معاملے میں مسلمانوں کا ساتھ دینے پر مجبور تھی کیونکہ اسے کمیونل اور ڈکے منظور کرانا تھا۔ چنانچہ حکومت اور مسلمانوں کے ووٹوں سے کانگریس کی ترمیم مسترد ہو گئی۔ کانگریس نیشنلسٹ پارٹی کمیونل اور ڈکے مسترد کرانے کی فکر میں تھی۔ مگر کانگریس پارٹی غیر جانبدار ہو گئی۔ اس سے کانگریس نیشنلسٹ پارٹی اپنا بیج سی ہو کر رہ گئی۔ ترمیم کی دوسری اور تیسری دفعات کی حکومت مخالف تھی۔ مگر کانگریس پارٹیاں ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھیں۔ حکومت کو مسلمانوں اور کانگریس کے متحدہ ووٹوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اس دوران میں ۱۲ جنوری ۱۹۳۵ء سے مسٹر جناح اور صدر کانگریس بابور اجندہ پر شاد و گفت و شنید بھی ہو رہی تھی تاکہ کوئی ایسا سمجھوتہ ہو سکے جو کمیونل اور ڈکے کا نعم البدل ثابت ہو۔ یہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۵ء تک جاری رہ کر نا کام ہو گئی۔ مسٹر جناح اس کے لئے تیار تھے کہ اگر مخلوط انتخاب کی بنیاد پر کمیونل اور ڈکے کوئی ایسا نعم البدل پیش کیا جائے جو اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے مفاد کو زیادہ محفوظ رکھے سکے تو میں اس پر غور کر سکتا ہوں اور اگر اسے ہتھوڑوں اور دیکھوں کی تائید بھی حاصل ہوئی تو میں اسے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی پیش کر دوں گا۔ لیکن بنگال کے کانگریسی

لیڈروں اور پنجاب کے ہمسایہ بھائی بھائیوں نے اسے منظور نہ کیا۔

دستور ۱۹۳۵ء ۲ جولائی کو گورنمنٹ آف انڈیا بل تاجدار انگلستان کی رسمی منظوری کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء بن گیا۔ یہ برطانوی

پارلیمنٹ کی سلیکٹ (چیدہ) کمیٹی کی رپورٹ پر مبنی تھا جو اس نے وائٹ پیپر کی تجاویز پر غور کرنے اور ہندوستانی مندوبین سے مشورہ لینے کے بعد مرتب کر کے اکتوبر ۱۹۳۴ء میں پیش کی تھی۔ اس ایکٹ کی رو سے تاج انگلستان کے ماتحت ہندوستان میں ایک جمہوری فیڈرل (دوقاتی) حکومت قائم ہوئی جس میں گورنروں کے صوبوں، چیف کمشنروں کے صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں کو بطور اجراء شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دستور کا خلاصہ یہ ہو سکتا ہے کہ ملک معظم کے نائب کی حیثیت سے گورنر جنرل فیڈریشن کا سرافسروں کا جسکے بعض خصوصی ذمہ داریاں ہوں گی اور جسے فیڈریشن کے استعمال کا حق بھی ہوگا۔ مرکزی جماعت قانون ساز کے دواویان کونسل آف اسٹیٹ اور اسمبلی رکھے گئے۔ صوبوں میں گورنروں کو حکومت کا سرافسروں کا بنایا گیا اور انہیں ان فیڈریشن کے تحفظ وغیرہ کی خصوصی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ سندھ اور اٹلیس جدید خود اختیار صوبے بن گئے۔ صوبے سرحد کو خود اختیار حکومت مل گئی۔ گورنروں کو مشورہ دینے کے لئے وزیروں کی کونسلیں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جہاں تک ریاستوں کا تعلق ہے ان کو قدیم عہد ناموں اور سندوں وغیرہ کی رو سے حاصل شدہ مراعات تو حاصل رہیں مگر انہیں تاج برطانیہ کے ماتحت رکھا گیا جو اپنی سیاسی فوقیت کی بنا پر جو قدم چاہے اٹھا سکتا ہے مگر ریاستی عدالتوں، پولیس اور سگہ سازی پر اسے کوئی قابو حاصل نہیں وفاق ہند کی شمولیت ریاستوں کی مرضی پر چھوڑ دی گئی۔ دستور میں صرف طریق کار اور نتائج درج کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کے لئے جدید دستور میں جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین منظور کر لیا گیا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے دو حصے تھے۔ مرکز میں خود اختیاری اور صوبوں میں اختیاری پہلے صوبوں میں خود اختیار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور چھوٹی ۱۹۳۵ء سے صوبوں کی قانون ساز جماعتوں کی ممبریوں کیلئے عام انتخابات شروع ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

مسلم لیگ اور مسلمانوں میں نئی زندگی

دستور ۱۹۳۵ء کی آمد پر مسلم لیگ بہت کمزور رہی مگر مسلمانوں کے سیاسی رہبر عظیم مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کی تمام جماعتوں کا متحدہ میدان عمل بنا کر انتخابات میں حصہ لینے اور صوبوں کی حکومتوں میں مسلمانوں کو ان کا جائز حق دلوانے کے لئے جدوجہد شروع کرنے کا ہتھیار کر لیا۔

یہاں سے مسلمانوں کی حیرت انگیز تازہ سیاسی بیداری اور مسلم لیگ کی نئی کامیاب زندگی کی وہ شان و آستان شروع ہوتی ہے جسے غور اور توجہ سے پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کیونکہ اس داستان میں قدم قدم پر ایسی سیاسی حقیقتیں آتی ہیں جنہیں ذہن نشین کرنے پر ہی ہندوستان میں مسلمانوں کے آئندہ وجود اور ان کی قومی زندگی اور خوشحالی کا دارومدار ارادہ یہ تھا کہ دلوں کو بھرا دینے والی اس تاریخی داستان کو بھی پیش نظر کتاب میں شامل کیا جاتا۔ مگر اس صورت میں یا تو کتاب کو غیر معمولی طور پر بڑھانا پڑتا یا واقعات کو کم کرنا پڑتا۔ اس لئے مسلمانوں کی نئی سیاسی بیداری اور مسلم لیگ کی تازہ زندگی کو واقعات کو ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جس کا نام ہے :-

تاریخ مسلم لیگ حصہ دوم یا مسلمانوں کی سیاسی بیداری

ان صفحات میں تفصیل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مضامین

کی پوری فہرست یہاں درج نہیں کی جاسکتی۔ چند بڑے عنوانات یہ ہیں:-
 ہندوستان کی سیاسی دنیا میں انقلاب۔ صوبوں کی حکومتیں ہندوستانیوں کے ہاتھ
 میں مسلمانوں میں احساس بیداری۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی اپریل ۱۹۳۶ء۔ مسلم لیگ
 پارلیمنٹری بورڈ۔ مسٹر جناح کی سرگرم کوششیں۔ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی۔ ہندوؤں
 کی اکثریت کے صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کا مسلمانوں کو وزارتیں دینے سے انکار۔ مسٹر
 جناح کانگریس کی مخالفت میں مسلمانوں میں سیاسی بھلچل۔ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر
 مظالم۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں میں نئی زندگی کی لہر۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی۔ مسلم لیگ
 کی بے پناہ مقبولیت۔ گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال کی مسٹر جناح سے خط و کتابت۔ کیا مسلم
 لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں؟ مسلمانوں میں سیاسی بیداری۔ مسلم لیگ کا
 چھ بیسواں شاندار سالانہ اجلاس پٹنہ ۱۹۳۷ء۔ ۶۔ جنگ۔ یورپ ۱۹۳۷ء اور مسلم لیگ مسٹر جناح
 کی شاندار آئینی فتوحات۔

یہ صرف نمایاں عنوانات ہیں۔ ورنہ کتاب میں موجود سیاسی دور کا ہر واقعہ آگیا ہو۔
 مسلم لیگ کی تمام کارروائیاں، تجویزیں اور سرگرمیاں درج کر دی ہیں۔ مسٹر جناح اور نمایاں
 لیڈروں کی تقریریں بھی ہیں۔ اور لیگ کے ذکر کے ساتھ ساتھ پس منظر کے طور پر ہندوستان
 کی دوسری جماعتوں کی سیاسی نقل و حرکت بھی دکھادی ہے۔

یہ کتاب بھی مظہر انصاری صاحب ہی کی لکھی ہوئی ہے جن کے سلیجے ہوئے طرز تحریر
 اور موثر انداز بیان کی آپ پیش نظر کتاب میں داد دے بغیر نہ رہ سکے ہونگے تاریخ مسلم
 لیگ حصہ دوم یا مسلمانوں کی سیاسی بیداری کی کتابت طباعت میں بھی بہت زیادہ
 اہتمام کیا گیا ہے عمدہ اور نفیس کپڑے کی شاندار جلد ہے جس پر سنہری حرفوں میں
 کتاب کا نام کندہ ہے۔ نہایت شاندار اور دیدہ زیب چیز تیار ہو گئی ہے۔ قیمت دو روپیہ
 علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ:- اردو کمپنی، حویلی اعظم خاں چٹلی قبر محلہ

مہملہ

جدید یورپ کے آہنی انسان کی مکمل داستان زندگی

المان اکتانوفناک اور دیدہ دلیر انسان ہے! صرف طاقت کو پوجتا ہے۔ اور طاقت ہی کے حصول کیلئے ایسی ایسی دشواریوں کو گذرا ہے کہ اس کی زندگی کی داستان ”ہٹلر“ میں بڑھ کر آپ دنگ اور حیران رہ جائیگے۔ اس کتاب میں نازی پارٹی کی تشکیل، اسکے کارناموں، ہٹلر کی انتھاک جدوجہد، ہٹلر کے پردے میں جرمنی کی تقدیر بنانے والے انسانوں، ہٹلر کے نازی ازم کے فلسفے، اس کی آسٹریا، زیکو سلوواکیہ اور پولینڈ کی فتوحات وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔ ہٹلر کا ذکر شروع کرنے سے پہلے جرمنی کی شروع سے لیکر جنگ عظیم تک کے زمانے کی تاریخ بھی دیدی گئی ہے۔ ہٹلر کی ابتدائی جدوجہد کے زمانے کو بڑے دلچسپ انداز سے بیان کیا ہے۔ اسکے جرمن پارلیمنٹ پر قبضہ کرنے اور جرمنی کی قسمت کا مالک بننے کے واقعات کا ذکر اتنی شیراز اور سادہ زبان میں کیے ہیں کہ لکھو کے آگے انکی تصویریں چھپنے لگتی ہیں۔ اردو زبان میں نادر تاریخ سیاسی کتاب ہے۔ قیمت مجلد ڈھائی روپیہ۔
ملنے کا پتہ :- اردو کمپنی حویلی عظیم خاں دہلی۔

✓

1355

~~APR 8 1971~~ 3

